

غالب کے دو سو سالہ جشن ولادت کے موقع پر

# ماہِ نو

خصوصی اشاعت



مرزا غالب کی کیرے سے لگی گئی تصویر



غالب کی تصویر آپ کی وفات سے تین چار ماہ پہلے لگی گئی تھی۔  
 اس وقت آپ کا نام میرزا اسد اللہ خان تھا۔

یہ پہلا تصویر آپ کی وفات سے تین چار ماہ پہلے لگی گئی تھی۔



میرزا اسد اللہ خان

چند  
 تلامذہ  
 غالب



نواب سید اسد اللہ خان



نواب شہزادہ اسد اللہ خان



نواب علی محمد خان زکریا پوری



میرزا اسد اللہ خان زکریا پوری

# ماہِ نو

## نذرِ غالب

3 نذرِ غالب

## مضامین نو

5	انکسید قریبی	غلامِ غالب اکسیدِ قریبی
7	بیانی کمران	غالب کا دورِ سوانحیہ وادارہ
10	انکسید سلیم	غالب اور عصرِ محنت
18	انکسید مسیحی ارضی	بیانی اور ملاحظہِ نادر کے قدام
25	مراغی بیانی	قدام غالب
27	انکسید صحت کا حکم	ملاحظہ غالب علیہ کی روشنی میں
45	انکسید صحت	غالب اور فلسفہ وادارہ
50	انکسید صحت	غالب کی تعلیمات
57	غلامِ صحت کا حکم	غالب اور اکسید
66	انکسید صحت	ملاحظہ غالب کی روشنی میں

## ماہِ نو اور غالب

80	انکسید مسیحی ارضی	ماہِ نو کا دورِ اسلامیہ غالب
92	انکسید	ماہِ نو میں غالب پر کیا لکھا گیا؟ ایک جائزہ
95	انکسید	ماہِ نو میں
96	انکسید	انکسید
97	انکسید	غالب کے دورِ شعر
102	انکسید	ماہِ نو میں غالب
108	انکسید	ماہِ نو کا دورِ اسلامیہ غالب

نظرِ انِ باطنی

سید و ظاہرِ عینی

چند اے بھر

پر دینِ ملک

اے بھر

صفرِ بلوچ

مارچ 1998ء





وزارت اطلاعات خیرات کربلا پاکستان

برنس منجر  
سید اشفاق شہیر  
لے آؤٹ  
مقبول احمد

فون: ۳۳۰۵۳۳۱

ٹول فری: ۳۳۰۵۵۶۶

کپڑے لگے ہر جگہ کھرے رہائش

آگ پاکستان پر بس آگ۔

لیٹ

۲۵ روپے

لڑ سکاں

۲۰ روپے

عالم طبع کیلئے

۲۵ روپے

اس میں "سمر" "مراق" "لورین" "زکی"

بگہ دھن "سعودی عرب" "مکت" "سری لنگا" ۱۲۰ روپے

معدہ حنا "انور" "نیال" "ابراہیم" "دینی"

۱۲۲ روپے "اسمی" "کرچی" "تنگی" "ماشینی"

انگلستان "انڈیا" "مکت" "الاندک" "لورین"

۱۲۳ روپے "اسمی" "آئی" "پھان" "بھگیا" "سوانی" "پنجا"

۱۲۵ روپے "کیرا" "۲۰" "طیبا" "اسرک" "نکدلی" "لیٹ"

عالم طبع کیلئے

۱۲۵ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۲۶ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۲۷ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۲۸ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۲۹ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۰ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۱ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۲ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۳ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۴ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۵ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۶ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۷ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۸ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۳۹ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۰ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۱ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۲ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۳ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۴ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۵ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۶ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۷ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۸ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۴۹ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۵۰ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۵۱ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۵۲ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۵۳ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۵۴ روپے "عالم طبع کیلئے"

۱۵۵ روپے "عالم طبع کیلئے"

۲۵ روپے

۲۰ روپے

۲۵ روپے

۱۲۲ روپے

۱۲۳ روپے

۱۲۵ روپے

مارچ ۱۹۹۸ء



معلومات پاکستان ۱۹۹۸ء سے صوبہ اتر پردیش ۱۹۹۸ء سے ہر جگہ کھرے رہائش آگ پاکستان کب پاکستان پر بس

وزارت اطلاعات سے شائع کیا





# مرزا غالب

ٹھکرا انسان ہر تہی ہستی سے ید و دش ہوا  
ہے پر پرچہ تجھ میں کی دہائی تاکھا  
تھا سرا پارح تو، بزمِ سخن پہ سیکر تھا  
نہیں بھل بھی رہا بھل سے پنہاں ہی رہا  
دید تیری آنکھ کو اس شخص کی منظور ہے  
ہی کے سوزِ زندگی ہر شبیں جو ستور ہے

معلیٰ ہستی تری برابطہ سے ہے سرا پارح  
جس میں ندی کے نمونے سے گوشت کو ہمارا  
تیرے فردوسِ محفل سے ہے قدرت کی ہمارا  
تیری کشتِ بکھرے اُگتے ہیں عالمِ ہنر و دار  
زندگی مضرب ہے تیری شوقی تحسیر میں  
تائب گویائی سے جنبشِ جلبِ تصویر میں

خلق کو سوتا زہیں تیرے لبِ اعجاز پر  
موجِ حیرت ہے ثریا ر فست پر وہ از پر  
شاہِ منصورِ تصدق ہے خٹکے غبار پر  
خندہ زن ہے غنچہ دلی گلِ شیراز پر  
آؤ تو اُجڑی ہوئی دلی میں لایید ہے  
گلشنِ دین میں تیرا مسم غواہید ہے

طغی گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں  
ہر تحلیل کا نہ جب تک فکرِ کالِ ہم نہیں  
ہائے باب کیا ہو گئی جہنمِ انساں کی مغربیں  
آؤ اے افکار و آہنِ بھگت ہیں  
گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شاہ ہے  
شمعِ یہ سو دلی دلِ سوزنی پڑا ہے

ابے جہاں آباد اے گوارِ مسلم و ہنر  
ہیں سرا پارح کا زخا خوش تیرے ہم و ہنر  
فٹے فٹے ہیں تے غواہید ہیں شمس و قمر  
یوں تو پشید ہیں تیری خاک میں دکنوں گھر  
دلِ تجھ میں کوئی خُرد نگار دیا بھی ہے  
تجھ میں پنہاں کوئی سرتی آباد دیا بھی ہے

## ہے کمال تمنا کا دوسرا قدم یارب

غالب کے تخیل تک پہنچنے کے لئے آج تک جو کوششیں کی گئیں ان سب پر غالب ہی کا یہ شعر منطبق ہوتا ہے کہ ہر دور میں دل نظر کو اس کی بے پناہ شعری قوتوں کے کسی نئے پہلو کا لوراک ہوتا رہا ہے۔ صدیاں ہونے کو آئیں فکر غالب کی جلوہ نمائی اپنے نئے مقام پر مطالب کے ساتھ ہوتی چلی جا رہی ہے۔

ما نو کے زیرِ نظر شمارے میں جن مضامین نو غالب کی علامتوں اور تشبیہوں کی ایک سو بیس صدی کے ساتھ مطابقت کا جائزہ لیتے نظر آتے ہیں وہیں ہم نے کوشش کی ہے کہ ان تشریحوں کو بھی نکجا کر لیا جائے جو ما نو ہی کے مختلف شماروں میں نکمرے ہوئے تھے اس مشکل کام کو ڈاکٹر سید مصین الرحمن نے ہمارے لئے بے حد آسان کر دیا کہ ان ناکتب خانہ غالب سے ان کی محبت کا منہ پرور ثبوت ہے۔ لوارہ ان کا بے حد مشکور ہے۔

۱۹۶۹ء میں جناب رفیع خاور کے زیرِ لوارت ما نو کا انتخاب غالب شائع ہوا تھا۔ ہم نے اس انتخاب میں شامل نہ ہو سکنے والے چند مضامین کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۹ء کے بعد شائع ہونے والے مضامین میں سے بھی انتخاب کیا ہے اس کے ساتھ مکمل ریو ان غالب کی شمولیت سے تقسیم غالب کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔

اس سب کے بخیر و بے

ہم نے دشتِ اسفل کو ایک نقشِ بالیلا

بخیر و بے صلح





## ڈاکٹر وحید قریشی

## تفہیم غالب اکیسویں صدی میں

عظیم غالب پر دور کا مسلہ رہا ہے۔ غالب کی عظمت اس میں مضمر ہے کہ وہ ہر زمانے کی قلمی اور جذباتی ضرورتوں کو پورا کرتا چلا آیا ہے۔ وہ زندگی کی مرکب صورتوں کا ترجمان ہے۔ پیچیدہ تجلیات اور نرم و نازک احساسات کا بیان پیچیدہ صورتوں کا متعین ماحول ہے۔ ہر دور نے غالب کی بچان پختہ صوری دلچسپی کے حوالے سے کی، یہ اسی نے غالب مشکل پسندی کے باوجود آج بھی زندہ ہے۔

مطلی غالب کے پہلے ہاتھوں شاعر ہیں۔ جن کے عہد میں اردو زبان و ادب کا روشنی قاری سے بڑا ہوا تھا۔ مطلق نے غالب کے اردو اور قاری کام کو ایک ہانگے دیکھا اور قاری کے تفہیم شعرا کے حوالے سے غالب کی عظمت کی۔ مطلق کا عہد تھوڑی اور اسلامی ادب کا علم ہوا۔ مطلق نے غالب میں نیچری حاشا کا عمل اسی رشتے سے ملنے آیا۔ کام غالب میں فطری جذبات و احساسات کی عظمت انہیں صوری خصوصیات کے حوالے سے ہوئی تھی۔

بیسویں صدی کے اوائل میں بھڑوی نے مطلبی ادب کے حوالے سے غالب کے اردو کام کو جاننے کی سعی کی اور اسے عظیم شاعر کا مہربان دے دے اس کا مقابلہ دنیا کے عظیم ترین مفہیم سے کر دیا۔ مطلق نے دور سائنسی علوم کی ترقی کا بھی قدر چاہا۔ غالب کے اظہار سے کشش عقل کے عارضوں کی حاشا عہد فنی بھڑوی کے لیے شروع کی اور بعد چاہی عقل کو اس کے سائنسی شعور کا اظہار قرار دیا۔

ہندو ہمارے قاتل ایک دن ایک شاعر ہوں گا  
میر جتنا ہے وہ ہمارا بیکشتی سرگنوں کا بھی

یہی حاشا و تنقید عہد کے اس پاس جب وہ سائنسی علوم کا روحا ہوا زمانہ عظیم تر شہادت کا سبب بن گیا۔ پچھلے برس انہیں ترقی اردو کراچی نے ایک کتاب پڑھیں جنہاں کا سائنسی شعور "شعری کی۔ جس نے غالب کے سائنسی شعور کی حاشا کرتے ہوئے اسے سائنس دانوں کی صف اول میں داخل کیا۔ ظاہر اس عمل کو تنقید کی حق قریشی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

بھڑوی کے بعد غالب کے تفہیم میں ڈاکٹر لطیف نے شہرت پائی۔ بھڑوی نے عظیم مفہیم سے موازنے کی طرح دینی حق سے صورت عمل بکھڑا دی۔ مطلق نے نیز قلمی ادب کی طرف اگلے گئے۔ انہوں نے انگریزی ادب کے بحر مطالعہ کی بنا پر غالب کی عظمت کا حق داری کے حوالے سے کیا اور کام کے عہد سے مجھے کو کام تسلیم کیا۔ یہ دور مطلب سے اظہار کا بھی تھا اور عروجیت کا دور بھی لطیف نے غالب کے بارے میں کسی قدر تجلیات کی روش اختیار کی تھی۔ بیسویں صدی میں جب مطلبی علوم نے بے ادبیاں دستہ اختیار کی یہ اثرات عہد سے ہی قبول ہوئے تو شرمندگی اور انہماک کا احساس تھا چنانچہ عہد عروج میں عہد کی تجدید عمل اور حرکت نے ہی حق چاہا۔ بیسویں صدی میں کام غالب کے دور مجھے اپنا عمل توجہ نصرت۔ جن کو زندگی سے جدا تھا ان کے ہاں زندگی کے فلسفیانہ پہلو زیادہ اہم سمجھے گئے۔ فلسفیانہ فقیر کا مطلق نقطہ کام غالب (شوکت مہزوری) تک جا پہنچا۔ غالب عقلی طور کے ادب میں نمایاں ہے۔ وہ سادہ زندگی اور اس کے تجلیات کے بارے میں فلسفیانہ ملاحظوں تھیں اور غالب کو ایک جملہ دورہ دانشور کے طور پر دیکھتی ہیں۔ یہی روش بعد میں غالب اور وحدت جیسے موضوعات کی حق کا سبب بن گیا۔

بیسویں صدی کی تیسری پہلی میں کام غالب کے قلمی پہلوؤں کے مطالعہ عمل اور حرکت پر بھی اندازہ لگایا اور غالب کے اس طرح کے شعروں کے جاننے لگے۔

نہ پایا ہے غرضی پیش مقدم سیلاب  
کہ لپٹتے ہیں پاسے سر پہ سر دور و دھار  
دگوں میں جھلنے پھرنے کے ہم نہیں جاگ  
ہر آنکھ ہی سے نہ چٹا تو ہمارا لو کیا ہے

ترقی پسند تحریک کے لئے میں سیاسی شعور، ملتی شعور، کتب دہانے زندگی کی باتیں ہونے لگیں غالب کے ملتی شعور کے چہرے بہت ہوئے۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۹ء تک کا دور مطالعہ غالب کا یہی انوارِ قلب جس میں ملتی شعور اور حرکت و عمل کے ایک سے زیادہ ازمائے سامنے آئے۔ اس کے علاوہ غالب کی انسانی وجودی کے بھی بہت خاکے کے لئے اور غالب کو ایک ترقی پسند شعور تسلیم کیا جائے گا۔ اسی زمانے میں ملحقہ ادیب ادبی کی پیدائش کی تحریک ابھری۔ غالب کے لسانیاتی تجزیے کے لئے اور اس کے احوال کے تحقیقی پہلوؤں پر توجہ ہوئی۔ اس طرح غالب کی انفرادیت پر خصوصی توجہ کی گئی۔ اس سے تعلیم کی ایک نئی سمت سامنے آئی۔ ہر تحریک نے پھر غالب کو اپنے اپنے رنگ میں دیکھا اور اس کی تعلیم کو اپنی ہی عصری صورت مل کے ساتھ شلک کہا۔ ترقی پسند غالب کا مطالعہ ایک دوسرے دوسرے سے کرتے رہے۔

وسط ایشیائی ممالک میں آزادی کا عمل اور دوسری مملکت کے اقتصادی طور پر سمت ہانے کا واقعہ دنیا کے لئے نئی سیاسی حالت کا پیش خیمہ ہے۔ اس بدلتی ہوئی حالت میں کام غالب کا ایک نیا رخ سامنے آئے گا۔ غالب کی لڑائی دلی اور شدت شعری کی قول سے مختلف تھی۔ دلی اور فن کے ساتھ جس قول کے سرشار تھے اس میں حسییت اور عقل فرائق کو کھینچ کر اپنی حسییت کی ترجمانی تھی۔ گویا غالب کی شاعری وسط ایشیائی حوالے کی ترسیل تھی ہاں تک ہے۔ ان کی فارسی شعری روایت وسط ایشیائی رنگ کی اہم مثال ہے۔ غالب کی شاعرییت سے اقبال کی شاعرییت کا عمل ابھرا ہے۔ اقبال کی شعری روایت بھی امر ہے 'افغانستان اور وسط ایشیاء سے رشتہ استوار کرتی ہے۔ دونوں شعروں نے اپنی فکر کا بیشتر حصہ فارسی شعر گوئی میں صرف کیا۔ ان کا قاری وسط ایشیاء اور امر ہے ہی کا قاری تھا۔ وہ اپنا اپنا کام فنِ طاقوں تک پہنچا کر چلے گئے۔ ۱۹۳۸ء سے وفات تک (۱۹۶۸ء) غالب نے زیادہ شاعری فارسی زبان ہی میں کی۔ اقبال بھی زیادہ تر فارسی زبان میں شعر کہتے رہے۔ دونوں نے وسط ایشیائی شعری روایت کو اپنی فکر رکھ کر مطالعہ غالب آج اعلیٰ سے اس عقیدے سے بھی موتوں اور حساب جاتا ہے کہ نئی سیاسی اور ملتی زندگی میں اعلیٰ سیاسی اور فنی رشتے امر ہے 'افغانستان اور وسط ایشیاء کی تمدنی زندگی سے اپنے کتب کو مربوط کرنے کے عمل میں شریک ہیں۔ ایسے میں غالب اور اقبال کے کام کے وہی پہلو زیادہ جمل تو ہیں کہ جن سے قری اور جذباتی اشتراک کی راہیں کھل نکلیں۔ غالب اور اقبال کا قاری کام جیسے خود اہم قرار دینے کا لیکن ان کے کام کے وہ حصے بھی اعلیٰ سے قری اور جذباتی مدافعت کی تبادلی کریں گے جن کا پہلی رخ وسط ایشیائی روایت کی طرف ہے۔ اسلوب غالب کی فارسی آمیزگی کے علاوہ زندگی کے وہ مظاہر زیادہ جمل لہذا وہ باتیں گے جن کا تعلق ان ممالک کی فنی زندگی یا قاری زندگی کی فنِ طاقوں سے ہو گا جو ہم میں اور ان میں اشتراک ہے۔ تعلیم باب کو آج ایک نئے حلقے سے ملتا ہے۔ ایسے میں کام غالب کو نئے دوسرے سے دیکھا ہو گا۔ نئے توجہیں عصری ہو، آج کے دیکھوں عصری ہوئی، غالب اور اقبال کی تمدنی باہمیت کی صدی ہو گی۔

## جیلانی کامران

## غالب کا دوسرا سالہ یوم ولادت

غالب کا دوسرا سالہ یوم ولادت پہلی بار منایا جاتا ہے۔ پہلا ایک سو سالہ یوم ولادت ۱۲ ہرچسے شام کی بارش میں منایا جاتا ہے۔ غالب کے بارے میں منایا نہ جا سکا تھا کہ پہلا ایک سو سالہ یوم یوم ان کی دسمبر ۱۸۸۷ء میں چڑھا تھا اور یہ دن انہیں تھا جب ۱۸۷۷ء کو گزرے پچاس سال ہوئے تھے اور لوگوں کے دلوں میں بدشعنی لہانے کی لہن چڑھ چکی تھی۔ تاہم ۱۸۸۷ء میں ملک وکٹوریہ کی گولڈن جوبلی منائی گئی تھی اور کسی کو غالب کو ان منانے کا شاید خیال بھی نہ آیا ہو۔ گھاسی نے ایک سوال یہ بھی سنا ۱۹۲۷ء ہے کہ ۱۸۸۷ء میں غالب کا مقام کیا تھا؟ اور اس کا بیان کیوں نہیں منایا گیا تھا؟ غالب کے تمام کو مولانا حالی کے مرنے کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے جس میں کیا گیا ہے: ایک روشن دماغ تھا نہ بد شمس میں اک چراغ تھا نہ بد

دلک مٹی دگر غالب شو  
اسد افق علی غالب شو

غلامی کا یہ شعر نہ صرف تمام غالب کی وضاحت کرتا ہے بلکہ اس کا دوسرا صوبہ وقت غالب کی تاریخ بھی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس مولانا حالی نے اپنے مرے میں غالب کو روشن دماغ اور شعر کا چراغ کہا تھا ۱۸۸۷ء تک مسدس کا شمار ہی نہ تھا اور لہانے کی بد شعل صورت دیکھنا بھی تھی اس میں مظہیر کا تصور بھی مفقود تھا جس نے اگر خیال کیا بھی ہو گا تو اسے علی ہمدانی کے لئے موقع اور وقت حسب حال دکھائی نہیں دیتے ہوں گے۔ تاہم یہ امر ہے کہ صریحاً ہے کہ غالب کا دوسرا سالہ یوم ولادت غلامی کا دوا میں آتا ہے پاکستان میں آیا ہے اور پاکستان کی گولڈن جوبلی کے وقت آیا ہے۔

گوشت ایک سو برس کے دوران غالب پر دیکھا گیا ہوا ہے اور غالب کو ان کا لڑکا دیکھا ہے۔ اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ ایک سو سالہ برسی کے موقع پر اس کی زندگی اور شاعری کا وسیع پیمانے پر ذکر ہوا تھا اور غالب کی زندگی شاعری کے انگریزی ڈراما بھی شائع ہوئے تھے لیکن خاص امر یہ ہے کہ اس کی سوانح حیات کا ترجمہ لکھا ہوا ہے۔ یہاں غالب سے ملے کہ رنگ رسل کی تصنیف غالب کی شاعری اور زندگی (۱۹۳۹ء) تک حیات غالب کے تفصیل گشتے جان ہوئے ہیں اور غالب کی پڑچٹیں اور ملی شکتی کے حوالے سے اس کے عہد کی وضاحت بھی کی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ غالب کی شخصیت کا کوئی پہلو اب دکھائی دے تو بھل نہیں ہے۔ غالب اپنے عہد کی شکستہ دہی کے لئے ایک بے حد لڑائی جیتی تھی کہ ظاہر ہوا ہے۔ وہ شخصیت کے ساتھ تہذیبی استبداد کی گہری دیکھ رہا ہے اور اس کے درپے اور اس کی مدد سے تاریخ اور تہذیب کے ان لوگوں میں داخل ہوا بھی ممکن ہوا ہے جو دماغ ہوتے ہوئے اسلامی حدود و احکام کی بارائشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

غیبت یا تہ ظاہر ہوئی ہے کہ غالب اور اسلامی حدود و احکام ایک دوسرے کا باہمی انفرادی تھے ہیں۔ حدود و احکام میں مسلمانوں کی تحریفی کا ذرا غالب کی زندگی کے ساتھ ختم ہوتا ہے اور غالب نے ختم ہوتے ہوئے زندگی کی دروازہ صرف دھجھ میں جان کی ہے بلکہ اس کے خطوط میں بھی ذکر کیا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ۱۸۷۷ء کا ذکر آتا ہے اور ان مسلمان بدشعنیوں کا بھی ذکر ہے جنہوں نے بے مضمر و غول مرتبہ تک حکومت کی لیکن ذرا غور۔ اسے دالے سبیلوں کو دیکھتا ہے اور اس کا اہل مسلمان کی کی طرف اپنا گزر کرتا ہے۔ دینی ہر عہد کے ساتھ ۱۲۰ سے ۱۳۰ تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی صورت اسلامی حدود و احکام کی ہے جو آواز وحدت میں آواز قدس بن چکا ہے اور طرے

سکھوں اور کالہوں میں بھی بڑے صبر میں مسلمانوں کی تحریکی کے زمانے کا دست کم ذکر ہونا چاہیے ہے یہ بھی عیسوی کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی بدعتوں میں دفعہ دوم دوش ہوا ہے اور شکر ایک وقت لیا بھی کیجئے وہ اس کا ذکر بھی لیاؤں گے۔ دوسرے اور اسلامی بدعتوں یا بدعتوں کے خلاف ہونے والے خطبے میں تم کو چاہئے..... ایک سال سے کہ غالب کا قذافی دعوہ دیتا ہے۔ غالب کی عظمت اور شہرت بدلتی ہے اس کے آگے والے عہد اور زمانے کے ساتھ پیغام ہونے کی ضرورت بدلتی ہے اور یہ کہنا ظاہر ہے کہ اگر وہ جب تک غالب سمجھو ہے اسلامی بدعتوں میں یا دوسری سے تم نہیں ہو سکتے غالب کے ذکر کے ساتھ اسلامی بدعتوں کا اظہار ہوتا ہے یہ شرف عرقی ہوئی مسلمانوں کی بدعتوں میں بہت کم افراد کو حاصل ہوا ہے اس اعتبار سے غالب بڑے صبر میں مسلمانوں کے ماضی اور حق کے آگے والے زمانوں کے مابین ایک پختہ رابطے کے طور پر درخشا ہوا ہے۔

سپانہ کے ہا اور کے ہا میں وقت

میں کیا بات نہیں ہوں کہ ہر شخص دیکھوں ا

سوال: مری کے ٹوکر سے جانب کے حلقے میں ایک اور سوال بھی موجب کیا ہے۔ ورنہ حکومت اور افراد کا ذہن، شکرتی اور ملی تھوں جلی ایک ہیاد میں کہ ایک عام فعلی دھڑی گھرانے کے لئے ہے جو عظیم دھن نیل کرتا ہے۔ ایسے لئے میں شہری کیا دہرہ دہری افق ہے؟ یہ بھی چچا جاسکتا ہے کہ کیا ایسے صبر آنا لئے میں شہری نہیں بھی ہے؟ یہ دھن دھن ہے جس کے آئینہ میں مجھے شہر دکھتا ہے۔

www.elsevier.com/locate/jmb

W. J. G. M. Meijer

جیسے شہ کا یہ "فجر اسلامی" منجانب کے دانشور کو بیان کرنا چاہے اور غالب کا یہ "فجر سارے ہندو اسلامیہ" ہندو بھی اس زمانے کے احکام کا  
 ذکر کرنا چاہے

در فرق محبت شب کی علی علی

*E. coli*, *S. aureus*, *P. aeruginosa*

عالم کی عظمت اس امر میں ہے کہ وہ اپنے زمانے کی تکلیف کے گمے گھن بدل نہیں ہوا اور ان شخصوں نے اسے مخالف نہیں کیا جو کسی بھی شخص کے لئے صبر کرنا واجب ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے عہد سے بلکہ تو اور زیادہ تر ماورائے حد اوقاف کو بیان کرتے ہیں کہ صلیب ہوا اور زمانے کی سرحدوں سے کہیں دور گزر کر گئی ہیں۔ نیم حیرت کی بات ہے کہ کسی نے عالم کو قرابت کا احترام نہیں کیا اور نہ اس کی شہرہ کو عہد کے تقاضوں سے قرار کیا ہے۔ اپنی ساری عمر میں وہ زمانے کے بے حد قریب رہے اور غلطی میں اور ان اعتبار سے کیا ہے جہاں وہ نکلتا ہے۔








فائدہ: قریبی قریبی سے ہر مہینہ

کہا گیا ہے کہ طالب کی سوانح عمری ایک عجیبہ خصوصیت کی حامل و کمالی روح ہے اور یہ بھی کتنا آسان نہیں ہے کہ اس کی شاعری میں عجز و بے ہوشی، واضح نظائر، صراحت و اشعار کی نظم میں مٹا ہے جو اس کے کسی دوسرے دماغ میں شامل نہیں ہے جس کا ایک شہر گم ہو چکے تھے، نقل کیا گیا ہے۔ اور جس کا پتلا شعریہ ہے۔

U f g h i

اس حالت میں کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملتا کہ جس نوع کی شعری غالب کے اردو کلام میں ہے اس کا اپنے عہد کے ساتھ کیا فرق پڑتا ہے؟ شعری کی زبان غزل کی ہے اور غزل اس قصب کے استغراقی مزاج کی حامل ہے جس کی فرائض الٰہی کے دن اپنے احکام کو پہنچ رہے تھے۔۔۔ اس لئے یہ سوال بھی برابر کا اہم ہے کہ غالب اپنی غزل کے ذریعے کون سے قریب اور کس درجہ تک کا ذکر اور اظہار کر رہا تھا جب کہ لفظ بدل رہا تھا ایک دور فوت ہو چکا اور دوسرا دور نکل دھارت گئی میں مہولہ قہر اس سلسلے میں یہ سوال بھی ضروری ہے کہ جب ہم غالب کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو کیا وہ اپنی شعری کے باعث عظیم ہے یا سوانح عمری کے حوالے سے کسی عظمت کا حق دار ہے یا عہد کے واقعہ کا کفایتی گواہ ہونے کی وجہ سے عظیم ہے؟

غالب کی شعری کی ایک غزلیہ یہ دکھائی دیتی ہے کہ اس تک پہنچنے کے لئے ایک طوفان طوفانی نہیں ہے کہ ہم اللہ کو ہمیں اور سب کو اللہ کیا کہتے ہیں بلکہ وہ طوفان ہنگامی ضروری ہے۔۔۔ جو کہ غالب کو اس میں اپنی توفیق کا ثبوت کرنا بھی ضروری دکھائی دیتا ہے۔ غالب کے اللہ اور ہماری کی طبیعت دونوں کے ہم لئے سے غالب کا کلام منظر کرتا ہے۔ ایک غزلیہ یہ بھی ہے کہ غالب زندگی کے ہر دور قریب سے ہمارا گزرتا دکھاتا ہے اور ہمارے اپنے افسانوں کے اریبے ہیں صدائیں کو دہرا کرتا ہے جو لفظوں کے ہرے بھللاتی ہیں۔

نہ کر دیکھوں کہ آئینہ داری

تجھے کس قنار سے ہم دیکھتے ہیں !

ہمارے مقلد تو برسہا برسہا ہیں۔۔۔ آئینہ دیکھنے والے محبوب ہمارے ہر گھل نہ کر۔۔۔ دیکھو دیکھو جن اگر ہم آئینہ کا استغناء نہیں اور اس شادی عہد سے مقلد تلاش کریں جو غالب کا عہد تھا تو اس بات تک پہنچیں گے کہ کائنات ایک آئینہ ہے جس میں وہ عکس مشاہد ہے۔ غیر غالب سے ذات پاری قہر کی مراد ہے اس لئے یہ شعر کہہ ہیں اپنا بیان دیتا ہے۔

آہ اپنے تب کو عینیت سے کہ نہ دیکھ

بلکہ یہ دیکھ کہ ہم تجھے کس قنار سے دیکھتے ہیں۔

اس غزل کا یہ شعر دراصل ہے کہ اس غزل کے ماہی میں کہتا ہے۔

ہمیں تیرا شکل قدم دیکھتے ہیں

خیالیں خیالیں ازم دیکھتے ہیں

اس غزل کا آخری شعر شاعر کے ہر سوا کا ظاہر کرتا ہے۔

دل کر فقیروں کا ہم بھی غالب

تجھ سے مل کر ہم دیکھتے ہیں !

غالب کی یہ غزل ہماری کو مسئلے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ شکل قدم کے ساتھ خیالیں خیالوں کی تکرار سرگوشی اور دھندلے صرست کا اظہار کرتی ہے۔ حال کرم کی مذہب میں عظمت کرنی کا خواہ ہے اور فقیروں کی مذہب سے حال طلب مراد ہے۔۔۔ غالب کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے الفاظ خواہ کہ وہ کون سا مطلب کو پہنچا کرتے ہیں وہ ہماری کے دامن میں گھسکتے ہیں غالب بات ہمارے کرتا ہے لیکن اشارے میں خفا کیے کے ارسال کرتا ہے۔ ہماری کے شعور میں سمجھ رہے ہیں۔۔۔ غالب کا کلام ہماری کے مسئلے کی روشنی میں اپنی عظمت کو نہیں کرتا ہے۔ لیکن یہ عظمت کس نوعیت کی ہے اور کیا اس کا ساتھ شکل ہے؟ ہمارا اور حقیقت کو غالب کیسے بیان کرتا ہے یہ اپنے سوال ہیں جو غالب غالب کے ایک نئے دور کا آغاز کر سکتے ہیں۔



جس تک دانی اور صف کا تعلق ہے وہ اس سے کہی بھی کوئی یاد نہیں، یہی سنگ پہاڑ انسان اور مو شریف ہونا اور بڑا تخلیق کر ہونا  
 عقلی طور پر وہ جدا جدا چیزیں ہیں، ماضی کے بعض حصے اور حال کے کچھ مشورہ ضرور کے بارے میں جو کچھ تعلیم و تہذیب ہیں ان کی  
 روشنی میں ان میں سے سب کچھ "یکو کم عرف" (ایک سو اچھا) سے ایک سو اچھا (ایک سو اچھا) اور سوائے اس کے تمام طرز اور نہ جانے کیا  
 کیا حالت ہوتے ہیں۔ "ہونا" کو اسے "اب" حالت میں صرف تیری یہ تصور چھوڑ کر شاید اس میں مبالغہ کا رنگ بھی شامل ہو جائے تو  
 میرے اگلے لپٹے بارے میں بہت کچھ کہہ دیا ہے۔

اگلی بھی یہ حوالی پر نظر پھر تم کو !

ابھی ہے دیش سے بھڑکا ہے آہلی سے

شاعرانہ فن اور اسلوب کی عبارت کسی نہ تک نہیں ہیں۔ وہی بات۔۔۔ میں نہ دماغ فنانی تعلیمات۔۔۔ میں سے عقلی طور میں  
 ہنک تو آسکتی ہے اور شعر میں مضمون، دماغ، توجہ بھی پڑا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ تخلیق بہت کچھ عقل اور شعور کا متحمل نہیں ہو  
 سکتا۔ لیکن وہ ہے کہ بڑا ماضی عقل بڑا ماضی ہی جیت ہو سکتا ہے اس نے عقل سے کہا تھا۔

کچھ کہے تھے ایک آج بھی ہو آ ہے موشی !

یہاں وقت شمار اسلوب سے بلکہ حاتم حاصل کر لیتا ہے تو ابھی اس بات !

ماضی کے برعکس اب حقیقت میں پہلے پہلادی کلموں اور شعور کے درمیان سے وہ طرے حاصل کی جاتی ہے وہ سرب کی صورت  
 ہوتی ہے جس طرح قسم عقلی گاتے یا کوئی چور "مصور" ہو جاتا ہے اسی طرح پہلے کا بہت آرتے ہی چڑھے لہذا میں سے وہاں بھی  
 خیر ہو جاتی ہے۔

ان سب احوال کے متعلق میں شاعرانہ پیغام (صور رسات) مفرد حالت (ظہور و غیور) واقعی ہم جیت ہوتے ہیں اور اگر میں  
 جان ہو تو یہ بات کا متعلق بھی کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حافظ کا اظہار (ظاہر و باطن) دیتا ہے کہ شاعر کا  
 طور و طرز لفظ دیتا بہت مشکل ہے۔ جسے حافظ اس لئے دیتا ہے کہ وہ اپنے شاعر بھی جتے بلکہ ان کی زندگی ان کے شعور سے ملے  
 ہیں شعور کی بڑی اور سمجھ کی وضاحت کے باعث ہے۔ ظہور و غیور اور پیغام کے سلسلہ میں یہ عربی بھی ہے کہ اگر حجاز کے فلسطین دیکھیں  
 تم ہو جانے اور قری کرکے حجاز کو دیکھنا چاہتے تو اس کا عکس پڑے وہی شاعر بھی تم اعتبار جیت ہو سکتی ہے۔

تو میرا کہن ہی حسرت ہے، جو شاعر کو دہرہ دیکھتی ہیں ؟ اور غصہ کے کل میں سے اپنی شاعری میں دہرہ میں لائے والے  
 سحریت کی عقلی فکر ہے اس ضمن میں غصہ کی اس فراہم کرنے والے دانشور کا احوال و تکرار کا بھی کوئی فکر رکھنا ضروری ہے  
 کہ ان ہی کی وجہ سے شعور کی عقلی میں غصہ کا سوا عقلی غصہ کے کون میں تبدیل ہو آ ہے۔ یہ تو میری عقل سے واضح کیا جا  
 سکتا ہے (ظہور و غیور) حوالی (مواہم و زوری) ایک حوالی اور ان ہی سے مشورہ دیگر عقلی دیکھ کر جانے کہ اس پر اصول عقل سے عقلی  
 کے اثرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ میرے کہتا ہے۔

یہ دانی ہے قاری ہے کہی ہے حاتی

کیا جتہ وہ دیکھ بھی کے کی کو یہ اکل و دی

وہی میرے شعر کہتا ہے تو یہ یادوں میں دیکھنے اس کی عقلی غصہ کو قابل مبالغہ کرنے والے جیت ہوتے ہیں۔

تخلیق، مگر یہ سب اسلوب اور غصہ کے استخراج سے ہو جاتی شاعری اتم لے کی اس میں لپٹے صرے لہذا کہہ کر آنے والے دیکھ





ہر قدر غریب عوام کے فی شعور کا جزو بن گئیں اور زبان میں اس طرح بچے میں گئیں کہ نہ  
چاہتے تھے کہ انہیں اور مثلیوں میں کی بدولت دہرا میں آئیں۔ غالب کی شعری ہمدی اور  
شاعری کا ماحولہ افکار ہے۔ انہیں بھی اور ادب غالب کے افکار و خیالات سے کسب فیض کرنا  
ہے۔ (۱۱)

ایک اور دبی دانشور ہی مثلی شہنشاہ بہتہ متلا بہتوں میں سے ہیں۔ انہوں نے "عظیم ان سہلوں" کے  
کہتے ہیں۔

"غالب کی شعری اور ان کا ماحولی نقطہ نظر اور ادب کی تاریخ میں ایک رنگ نیک کی  
مثبت رکھتا ہے۔ اس شعری اور ماحولی نقطہ نظر نے اسے عہد وسطی کے جاگیرداروں اور پھر سے  
کلیفتر قسم کے ذہنی فلسفہ سے الگ کیا۔ انہوں نے جی کے سے شعور اور خیالات نے اس کا  
دماغ ماحولی کیا۔ اور ماحولی ادب کے متحرک دھارے میں اس کے اتصال و تہجد کی راہیں  
بہا کر گئیں اور اور ادب میں ترقی پسند جمہوری خیالات کے فہرہ و افکار کے لئے بنیادی  
حالات کو جنم دیا اور دھارے خیال میں بھی وہ خدایات ہیں جن پر اس عظیم افکار انسانی  
دوست شعری عظمت جی ہے۔ اس لئے ان کی موت کے ایک سو سال بعد بھی ان کی  
شعری اس قدر بڑے رنگ اور سرشار خیال محسوس ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت اور ادب کے  
دھارے تک محدود نہیں۔" (۱۲)

اس انداز اور اسلوب میں اور بھی کسی رنگ کے بخاری اور دانشوروں نے غالب کو خراج تحسین پیش کیا تو یہ اس کا یہ حوالہ نہایت  
اقتدار کر جاتا ہے کہ یہ بخاری اور دانشور اور کی تنصیب اور قول کی شخصیت سے آگاہ ہیں۔ یہاں دیگر غالب کی خط سے محسوس  
تنصیب شخصیت اور زبان اور زبان کی شعری روایات سے پیدا ہو کر ہر تنصیب شخصیت زبان اور شعری روایات کا شاعر حیثیت ہوتا  
ہے۔ دراصل غالب کو کسی اور تنصیب شخصیت اور شعری روایات سے ہم آہنگ ہونے کی ضرورت نہیں کہ وہ ان غالب ذات خود اپنی  
تنصیب شخصیت اور شعری روایات کا حامل ہے۔ اسی لئے غالب کا ماحولہ اور ادب کی شرائط یہ ہوتا ہے "غالب کی سوچ اپنی زبان اپنی اور  
اسلوب کی تعلیمات اپنی۔ اس لئے ان سب کو اپنے ماحولی یا قوی مہیا ہے کہ انہیں اپنے ماحولی ماحولی اور تعلیمی مہیا  
غالب کی روشنی میں نہیں کہتے جاتے ہیں۔ اس میں اس کی عظمت کا راز پنہاں ہے۔

غالب سب کا شاعر ہے۔ وہ سب سے نکلا کرتا ہے۔ اسی لئے ہر تنصیب شخصیت نکلا اور شعری روایات کا حامل تھی غالب سے کہو نہ  
کہ حاصل کر سکتا ہے۔

ہم سے غالب کیا کیا نکلا کرتا ہے؟

غالب کے نکلا میں اگرچہ اس کی شعری کی انہیں مہیا کرنے واسطے جملہ مہیا مہیا ہو جاتے ہیں لیکن ان میں سے "دھار  
بہار خاص خاص نکلا ہے۔ ایک زندگی کے ہرہہ خاصوں پر جی مضامین اپنی کامیابی اور دوسرے نکلا اور مہیا نکلا کے ہرہہ میں  
حاصل ہوا۔ یہ بھی شعور کم کی صورت میں اہتمام ہوتا ہے۔ کبھی تکلیف ہے جی کوئی دیکھ کر جنم دیتا ہے تو کبھی شعور نکلا کے لئے عملی دھار  
(PRACTICAL WISDOM) مہیا کرتا ہے۔ — شعور اسلوب میں بھی اور تعلیم کی گفتگو کر کے دھارے میں بھی ا

غالب کج سہلوں میں اسلوب کر شاعر ہے۔ اس کی قول میں دھارے قول کے بخاری شعری اوصاف نقطہ مہیا ہے۔ نظر آئے







اصلی ہے جس (APATHY) کی لفظی اصطلاح سے پہلے غالب کا یہ شعر رہا ہے  
 ہوا جب تم سے یوں ہے جس تو تم کا سر کے کئے کا  
 نہ ہوا کر جدا حق سے تو زانو پہ دھرا ہوا  
 جب کہ فریاد کی جھیلی جس سے کہیں پہلے یہ شعر کہا

دوڑ پکے غنقلی پہ (۱۱) ہے مجھے  
 سلیقہ شکار کی اچھی ٹھکر (۱۲) ہے مجھے

جہالت کے سلسلے میں وہ یوں گویا ہوا ہے

سب کمال تک ادا دہلی میں جھیلی ہو گئیں  
 خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پتلی ہو گئیں

غالب کہہ رہے ہیں کہ چکا قول

آئے ہیں غیب سے یہ عطاش خلیل میں  
 غالب صبر خلد لڑائے سوش ہے

اغراض: اہمہ کھلیجہات مذاقیت مصری شعور انکشاف ذات نظریہ حلاج۔ زندگی کا شہرہ ہی کوئی ایسا پہلو تھا جو جس نے غالب کی نگاہ  
 نہ گئی ہو اور اس نے اس کے بارے میں اظہار خیال نہ کیا ہو۔ حلاج درستی محقق سے پہلے یہاں اقتصاد و سیاست کے دور سے منور

ہے۔

پور آخر میں غالب کی مصری معنیت کے حوالہ سے ایک سوال۔ کیا آج غالب کی ضرورت ہے؟

جی ہاں آج ہمیں در صرف غالب کی ضرورت ہے بلکہ اس کا پورا دور۔ اسی زمانہ ضرورت ہے کہ اس جیسے وسیع الشرب موجد انوکھ  
 رسوم واسطے جیسا کہ طرف زندگی اور موت کی دوئی کا احساس جٹانے واسطے شعر نظم دکھ اور پڑھانوں کی تخلیقی کم کرنے واسطے صاحب  
 نظم صاحب نظریہ اور صاحب دل۔ دانشور شعری ضرورت ہے کہ عصر حاضر میں ایسا غالب ہیں۔

## حواشی:

۱۔ مقالات شعور "غالب شامی نو" نامہ نیاز "مربع"

۲۔ انارکلیم اختر، ۱۹۸۷ء

۳۔ سید محمد "مظہر" کراچی - ۱۹۸۷ء

۴۔ مقالات سید محمد "مظہر" انجیل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء

## جلیلی اور پاک و ہند کی علاقائی زبانوں میں غالب

"ترجم غالب" کو تخلیقیت کے ایک مستقل موضوع کے طور پر دہشت سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ غالب کی نثری نظم و نثر کے اردو میں ترجم ہونے ہیں۔ حضور طاہر علی اور جین ادا قرانی زبانوں میں بھی غالب کے تراجم ملنے ہیں۔ پاک و ہند میں انگریزی تراجم غالب کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ پاک و ہند سے باہر حضور شرقی اور مسلمانی زبانوں میں بھی غالب کا مطالعہ ہوا ہے۔ اس طرح کی کسی قدر تفصیل میری کتابیں "مستشرقین غالب" (۱۹۴۹ء) اور "غالب پرائی" (۱۹۸۸ء) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۹۵۰ء سے مطالعہ غالب کی دوسری صدی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک کے بارہ برس کے تراجم غالب کا چارہا میری کتاب غالبہ "مجلت و فنون" (۱۹۸۸ء) میں آیا ہے۔ کچھ کی نشست میں کچھلے چورہ برس (۱۹۸۳ء) تک کے جلیلی زبان میں ہونے والے تراجم غالب کے علاوہ پاک و ہند کی علاقائی ادبی زبانوں میں کتبلی صورت میں چھپنے والے غالب کے ان تراجم کا ذکر قصصو ہے جن کا میں حد زانی (۱۹۸۳ء-۱۹۸۵ء) میں میرے ذخیرہ تخلیقیت میں اضافہ ہوا۔

### جلیلی میں غالب کا ترجمہ اور مطالعہ:

اردو میں غالب (جلیلی)	پروفیسر بی بی کنگز	دہلی ۱۹۷۷ء
اردو میں غالب (ڈاکٹر جنتی سے)	پروفیسر بی بی کنگز	دہلی ۱۹۷۷ء
سندھ میں جلیلی غالب (جلیلی)	پروفیسر بی بی کنگز	دہلی ۱۹۷۷ء

### علاقائی علاقائی زبانوں میں غالب کا ترجمہ:

اردو میں غالب (اردو بنگالی) ۱۹۳۸ء	نور علی مہادی	دہلی ۱۹۷۳ء
اردو میں غالب (جلیلی) ۱۹۵۸ء	امیر شاہ	دہلی ۱۹۷۷ء
سودانہ میں جلیلی غالب ۱۹۶۸ء	ڈاکٹر نور الحسن دہلی	کنکھنہ ۱۹۷۷ء
اردو میں غالب کا اردو میں ادب ۱۹۷۰ء	ڈاکٹر نور الحسن دہلی	دہلی ۱۹۷۳ء
اردو میں غالب (اردو) ۱۹۷۳ء	=	دہلی ۱۹۷۳ء
اردو میں غالب (اردو) ۱۹۷۳ء	علامہ بی ناظر	دہلی ۱۹۷۳ء
اردو میں غالب اور مراد فی ترجمہ ۱۹۷۳ء	=	دہلی ۱۹۷۳ء
اردو میں غالب (اردو) ۱۹۷۳ء	ڈاکٹر مراد فی	دہلی ۱۹۷۳ء

براہم گٹھیا کی ایک بڑی محنت چلیاں میں۔ ایک کڑت سے بول اور کبھی چلنے والی زبان جلیلی میں غالب کے اردو ادب کے ترجمے کا وہاں انگریز کمال ذکر اور ایچ جین جین نام اور کورہ پروفیسر بی بی کنگز کا کے ہاتھوں اہتمام ملا۔

پروفیسر بی بی کنگز کا کورہ کورہ میں ایک فارن اسٹڈیز میں دس دس برس جو جی ۱۹۷۰ء

وہ۔ کورہ ۱۹۷۰ء دس دس تک لوہا کے شہر اردو سے شہک دینے کے بعد لبرل ۱۹۸۱ء

سے وہ اردو اردو پروفیسر کی حیثیت سے دہلی تہا پروفیسر دہلی کے جین ادا قرانی محنت



ہندو مصلحتیوں کو کانے چیلنجی میں غالب کے پورے ارادوں کا قیام کیا ہے۔ اس ترے کی تہذیبی اہمیت سے پہلے اس نے  
 دہلی میں غالب کا شعور اس سے تخلیقی مطالعہ میں کنڈ چیلنجی زبان میں ان کے ہم مطالعات / محلات کا ایک مجموعہ "تحقیقات دہلی



غالب (امیر) نے (غالب) کے عنوان سے کتابی صورت پانچا ————— میرے ذخیرہ غالبیات کا یہ قیمتی اور نادر نسخہ (پہلی) تھا ملاقات پر منتقل ہے۔

غالب (غالب) کی ہر کیفیت

غالب (غالب) اور غالب کی فرائد کوئی

غالب (غالب) میں بہت اور رنگ

غالب (غالب) میں قرابت اور طر

غالب (غالب) اور حسن

غالب (غالب) کا پہلی سر

غالب (غالب) اور قصہ آخری

غالب (غالب) کا حسن

غالب (غالب) میں قسم اور فہم

غالب (غالب) اور پہلی کتابوں کے خطہ نظر سے

غالب (غالب) اور ترقی پزیر ادب

غالب (غالب) کے خطہ نظر سے

غالب (غالب) کا پہلی کیفیت

یہ کتاب ۱۳۳۳ء ملاقات پر مبنی ہے۔ ان ملاقات کی حدود کتابی اشاعت (۱۳۳۳ء) سے پہلے یہ سب ملاقاتیں ایک ایک بھی پہلے تھے۔  
یہ (غالب) کتاب سے منتقل اس مجموعہ ملاقات کے بعد پہلی ۱۳۳۳ء میں پروفیسر جیوٹی کرنا لکھا گیا تھا۔ غالب کے اردو (غالب) کا پہلی تہہ  
میں پہلی (ملاقات ۱۳۵۵ء) اس (غالب) کی ایک جلد تھے بھیجے ہوئے پروفیسر جیوٹی نے اردو کرم تحریر فرمایا کہ:

"غالب سے آپ کی نسبت وہ پہلی کے چلی نظر غالب سے منتقل اپنی ایک... کوئی

آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں تاکہ آپ کے ذخیرہ غالبیات" میں اسے شامل ہونے

کا اعزاز حاصل ہو سکے... (غالب) کا میرا کیا ہوا پہلی تہہ "غالب" کے مختلف

پہلوں پر منتقل میرے سابق ملاقات کے سلسلے کا ایک اہم قدم ہے۔ (میرے) مختلف

ملاقات مجموعے کی صورت میں پہلے پہلے تھے۔ ————— کوئی ہو گی اگر اردو شعری

کے (پہلی) میں پہلی اور تیسری پر میرے کیے ہوئے سابق کتابوں کے بعد غالب پر پہلی اس

کوئی کا اردو زبان ادب کی میری ایک حقیر سی خدمت سمجھا جائے۔"

(نہج: انکسیر میرا حقیر سی خدمت سمجھا جائے۔ ۱۳۳۳ء)

پروفیسر جیوٹی کرنا کا کہ اس پہلی ترے کو میں اپنے ذخیرہ غالبیات کے بعد تمام کا مجموعہ اور زور خیال کرتا ہوں۔ اردو زبان ادب  
کا ہم لیا اور غالب دست میں اس غیر معمولی خدمت اور کوئی کا بیٹھ اس میں سے ساتھ انوکھ کرے گا۔

پروفیسر جیوٹی کرنا کا کہ "غالب" کا پہلی ترے ہی پر آتا نہیں کیا میں سے بھی چند کر ایک مزید آگے قدم کے طور  
پر انہوں نے "غالب" کا ایک ایسا پہلی تہہ بھی چار کیا ہے کہ "تاریخی ترتیب" سے صورت پانچ ہوا ہے۔ ————— یہ ایک غیر معمولی

پیش رفت اور مدد دینا چاہیے کہ یہ ہے۔

"میراں غالب" (انگریزی ترتیب سے) کا یہ پہلی پڑچٹن (جلد ۲۳۴ صفحات) ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ اسے اس میں کرتے ہوئے بیرونی نے لکھا کہ:

"غالب کے حلق میں نے اور ایک کتاب... آپ کے نام بھی ہے۔ ضرور وصول کر لیتے۔

..... (میراں غالب) (انگریزی ترتیب سے) کا میراں غالب پہلی مرتبہ ہے۔

(نام پاکستانیہ میں ۱۲ جنوری ۱۹۹۷ء)

غالب اور میراں غالب سے بدقسمتیوں کی لڑائی کا ایک غیر معمولی طرز میں غالب کے حق میں ایک بڑا انعام اور غالب کے جملہ فنون اور طرفہ داروں کے لیے ایک مستقل سرچشمہ سمیت ہے۔ غالب کے بارے میں اس کے حلق و تہذیبی ماحول اور میراں غالب کے اس کے پہلی تراجم کی دلورہ خواں پہلی بار زبان ہی دے سکتے ہیں۔ زبان پارسی کی ذمہ داری میراں غالب کی قلم کی پیش قدمی اور ان کے دہر شوق پر ہے اختیار دل سے دعا کرتی ہیں:

تم سلامت رہو ہزار برس!

ہر برس کے ہوا دن پچاس ہزار

ہمارے اور پاکستان کی حدود علاقائی اور علاقائی زبانوں میں غالب قلم کا مرکز اور محور بنے ہیں۔ تمام تراجم ایک سیر کے ہیں۔ اصل شاید قلمی اعتبار بھی وہ ہوں۔ لیکن تمام کا ہونا ایک سیر اور صورت حال ضرور ہے۔ اس سے کسی نہ کسی درجے میں غالب سے تعارف کا واسطہ بنتا اور پہچانتا ہے۔ پچھلے چند برسوں میں ہنگری کی تین علاقائی اور علاقائی زبانوں میں غالب کے تراجم میری نظر سے گزرے ہیں میں انہیں پچھری (دوسری) اور دوسری اور عربی زبانوں کے تراجم قلم لکھا ہیں۔ ایک سے زیادہ صورتوں میں یہ تمام ان زبانوں کے اپنے رسم لکھ میں پیچھے۔ یہ تراجم بیشتر تراجم قلم میں ہی کیے گئے۔

تمام کا یہ سب کلم اپنے اپنے حدود میں قلمی حسیں ہے لیکن سیر علی اور پاکستان اور اس کی تمام صورت ہی تو اور اور قلمی قدر ہیں۔

"میراں دوسری" میراں غالب کے نام سے غالب کے ایک سو (۱۰۰) شعرا کا دوسری ہفتا میں حکوم قلم بدقسمتیوں اور اس کی تمام کارکردہ ہے۔ "میراں" میں ہندی رسم لکھ اور دوسرا رسم لکھ میں ایک ایک چھاپہ ۱۹۹۷ء میں کتابی صورت میں شائع کی گئی ہے جو ہر شعر کے مطلب کے اختلاف کے ساتھ گفتگو سے شائع ہوا۔

ایک سو شعرا میں سے ۸۶ کے حقوق شعرا ہیں جو بیشتر قلمی اور میراں غالب سے منتخب کیے گئے ہیں۔ دو تین شعر قلمی ہیں۔ اس لیے گئے ہیں۔ ملت شعرا کی ایک قلمی پوری اور ملت حقوق شعرا غالب کے ہادی زبان سے ہیں۔ اس میں صاحب کا کلام ہے کہ قلم کے ترے میں قلمی کی دیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ قلمی ہندی دہوں کی طرح ہر شعر کو مطلع میں لکھا گیا۔ (۱۰۰)

انکڑ قلمی پہنچنے کے بعد گچ کما ہے کہ میراں دوسری میں قلم غالب 'غالب شای کا ناظر ہر ہے۔ ترہ ہوں بھی ایک مشکل کلم ہے چہ چاہے شعر کا شعر میں ترہ۔ اس میں صاحب نے لکھا کہ شعر میں ترہ کیا ہے کہ اس میں ترے کی خاموشی اور باطنی قلمیوں ایک باہر ہو گئی ہیں۔ میراں دوسری زبان کے اس ترے میں حلقی شوق جھلکتی ہے (ترجما قلمی لکھی اور چاہے دیتی ہیں۔ شعر کے قلمی مضمون نے اس کتاب کو مزید حیرت اور حیرت دہانی ہے۔) (کتاب لڑائی ہندی ۱۹۹۷ء ص ۱۰۷)

غالب کے سو منتخب شعرا کا دوسری تراجم ۱۹۹۷ء میں اور دوسرا رسم لکھ میں چھاپا تھا۔ ۱۹۹۷ء میں یہ کتاب 'غالب کلام کا دوسری ادب'۔

کے ہم سے دلی سے ہندی (ریج ہنگری) رسم خط میں لکھی ہوئی پروفیسر نور الحسن باقی صاحب کتاب کے تخب اشعار کا یہ مقوم لورمی فرما پاک و ہر کی علاقائی زبان کے حوالے سے ناچیزیت میں گم ہوا کے ایک خوشہوار اور خوشگوار ہمر کے کی مثبت رکھتا ہے۔ ان کے ہمسف دلی کے بھولی پروفیسر باقی صاحب کا یہ ہم جیسکا ہے۔ صرف اور زبان دلوپ کے لحاظ سے بلکہ صاحب کتاب اور صاحب دوجی کے لحاظ سے اس کی پستانوں میں ایک اچھل تھوڑا اضافہ ہے انہوں نے صاحب کے جن قصوں کو لورمی سارا حکایا ہے جس کی لے کتاب کی مشکوٰی کے ساتھ بلکہ تر ہوئی رہے گی۔ کتاب پرنٹری دلی برائی ۱۹۸۱ء میں ۳۶۸

غالب کے حوالوں اور دواؤں کا مجموعہ باجلی قریم امیر شاہ کی برسوں کی محنت کا پھل اور حاصل ہے۔ انہوں نے جانیں صرف کیے  
ہے اصل اور حق اور اس کے مقتول جانیں غالب کے سنے پر وہ اشعار غالب کا مجموعہ باجلی قریم درج کیا ہے اس میں وہ شاعر اور انہماک  
کے باعث اصل شعر اور اس کے قریب کو چمک نظر دیکھنے سے اشعار کے مجموعہ اور اس کے قریب کے صنف (اصناف) کو پانے میں جہی مدد  
ملتی اور آسانی رہتی ہے۔

یہ ناکل سے عرب ایک سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ (تقریباً غالب گوہر ۱۹۵۵ء ص ۲۸۷)

کہتا ہے کہ امیر علی نے غالب کے اردو کام کا انکا دل پذیر اور ہاتھ اور قلم کیا ہے کہ اس پر انھیں سرکارِ دہلی سے کوئی اعزاز و انعام ملے نہ ملے نہ قابلیت میں ایک مستقل مقام اختیار کیا گئے ہیں اور یہ وہ اعزاز ہے جسے دہلی نہیں۔  
 اور اب ۱۲۸۰ء میں غالب پر ایک انگریزی کتب کے کتبیری قلم کا ذکر فرماتے ہیں۔

غالب کے بارے میں پروفیسر جوہر جیب کی ایک مختصر لیکن مفید اور موثر انگریزی کتب کا کتبیری زبان میں قلم ہوا ہے۔ یہ قلم ڈاکٹر مرغوب ہاشمی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ قلم ساجد الحق دہلی سے ۱۹۵۵ء میں چھپا مخطوطات ۷۵۸ء کتب کے آخری مخطوطات (ص ۱۵۷-۱۵۸) اخبار غالب کے قراٹم پر مبنی دیکھی دیتے ہیں۔

ہندو علی اسلام دہلی کے دانشور پروفیسر جوہر جیب (۱۹۰۲-۱۹۸۵ء) اپنے سامع اور صحابہ دانشوروں میں ایک اہم مقام کے حامل سب سے غالب سے انھیں خاص مہر و مروت سے بڑا شغف تھا۔ ایک نثر و دیوانہ ہے کہ انھوں نے ۱۹۳۳ء میں جوہر جیب کے کوئی پتہ نہیں تھا۔ غالب کے پچھلے اردو دہلی میں کی پوزنگ کی تھی۔

غالب کا یہ خوب صورت دہلی میں رہنے والے ڈاکٹر واکر مسکن کی فرمائش اور کوشش سے چھپا ڈاکٹر یوسف حسین جلی کا کہتا ہے کہ اس دہلی کی پوزنگ کا کام ڈاکٹر واکر مسکن نے انھیں دیا۔ جب نہیں کہ پوزنگ کی خدمت جیب صاحب اور ڈاکٹر صاحب نے لی کہ انھیں دہلی سے ۱۹۳۳ء میں جوہر جیب کے ساتھ قلم۔ سرمدل اس میں شہ نہیں کہ پروفیسر جوہر جیب کو اپنے دہلی سے ڈاکٹر واکر مسکن اور پروفیسر علی حسین کی طرح غالب سے بھلائی و دلچسپی تھی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے مارچ ۱۹۳۳ء میں غالب کی پہلی مدد سارے ہی کے سوچ پر ایک غالب سیمینار کا اہتمام کیا گیا۔ اس کا انعقاد پروفیسر جوہر جیب نے کیا جس کی جانب پر انگریزی اور اردو کتابیں بھری تھیں اور سوز و غم میں ایک بڑا مقام رکھتی ہیں۔

پروفیسر جوہر جیب کو غالب شاعروں میں یہ اعتبار حاصل ہے کہ رشید احمد صدیقی کی طرح ان کی فن کی زندگی ہی میں زندگی۔ ان کی سچ کا حقیقی کام ہولند رشید صاحب پر حقیقی کام ان کے بھی حیات چھپ گیا تھا۔ پروفیسر جوہر جیب کے بارے میں لکھے جانے والا مقالہ بھی جیب صاحب کی زندگی میں زور و شجاعت سے آراستہ ہو گا۔ یہ اعتبار رشید احمد صدیقی اور پروفیسر جوہر جیب کے علاوہ غالب کسی دوسرے صاحب شاعر کو نہیں ہولند رشید صاحب پر مقالہ ان کی زندگی میں دیوار چھپا گیا۔ صاحب پر مقالے کی علامت ان کے انتقال سے دو دن پہلے مل گیا تھا۔

غالب پر پروفیسر جوہر جیب کی کتب کا کتبیری زبان میں قلم غالب کو چھنے والوں کا ایک جہان نیا فراہم کرتا ہے جس کے لئے ڈاکٹر مرغوب ہاشمی انھیں اور محقق کے مستحق ہیں۔

۱۔ اردو ملک میں اردو عربی ڈاکٹر احمد علی جلیہ "علاقہ قوی زبان" اسلام آباد ۱۹۸۱ء ص ۳۱  
 ۲۔ "پروفیسر صدیقی" تا کہ جس نے "غالب" حیات اور کام" کے موضوع پر بھی لکھا ہے۔ "ایضاً" ص ۳۱

۳۰ اس ضمن میں دیکھئے :

(۱) غالب کے کلام میں الملحق حاشیہ "علوم سنیہ" کی گرامی ۱۹۷۰ء میں ۸۵۰-۸۷۰

(ب) ضمنی : نکل داس گپتا دشا "غالب ہند" دہلی : انجوری ۱۹۹۷ء میں ۳۵۰-۳۷۰

۳۱ ڈاکٹر سلیقہ ذکی "محمد حبیب — حیات اور ادبی خدمات" دہلی ۱۹۸۳ء میں ۳۷

۳۲ پہلوں کی دنیا "اعظم مکتبہ" ۱۹۹۷ء میں ۳۲

۳۳ رشید احمد صدیقی — شخصیت اور فن "از : ڈاکٹر سلیمان الطمر بلوچ" طبع کوسل ۱۹۸۸ء طبع ۱۰ حیدر آباد دکن : ہفتہ جون ۱۹۷۶ء میں ۲۲۵  
اس مقالے پر جامعہ علیہ سے ڈاکٹر یٹ ٹی۔ گران کار پروفیسر مسعود حسین خان تھے۔

۳۴ ڈاکٹر سلیقہ ذکی کا مقالہ "محمد حبیب — حیات اور ادبی خدمات" پر جامعہ علیہ اسلامیہ "دہلی نے بی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ یہ تحقیق  
مجم پروفیسر گوپی چند بارگہ کی گرامی میں انجام پلا۔ کتاب انجوری ۱۹۸۳ء میں دہلی سے شائع ہوئی (مفت ۳۳۶) پروفیسر محمد حبیب کا انتقال  
انجوری ۱۹۸۵ء میں ہوا۔



گاللیہ—

مکاتیب یاتک جلال بول

کتاب—شوقی جاتک جلال بول

مکاتیب یاتک جلال بول

مولیٰ برقیہ کراچی

بکالٹریج

مکاتیب یاتک جلال بول

مولیٰ برقیہ کراچی

برقیہ کراچی

مولیٰ برقیہ کراچی

مکاتیب یاتک جلال بول (پاکستان)

مولیٰ برقیہ کراچی

[۱۹۶۶]

خالد

جنہوں کو کوئی جنگا آئی

اردو

مولیٰ برقیہ کراچی

برقیہ کراچی

مولیٰ برقیہ کراچی

۱۹۶۶

خالد

سپ چگو جنہوں کی چون

مولیٰ برقیہ کراچی

مولیٰ برقیہ کراچی

۱۹۶۶

مولیٰ برقیہ کراچی

مولیٰ برقیہ کراچی

مولیٰ برقیہ کراچی

خالد

کہ ہو کی آتیا سارا

مولیٰ برقیہ کراچی

۱۹۶۶

خالد

چہ ہو کی آتیا سارا

مولیٰ برقیہ کراچی

۱۹۶۶

## غالب پنجابی میں



کہتے ہیں ہے غم دل اس کو سائے نہ بنے

کیا ہے بات جہاں بات بنا سکتے نہ بنے  
میں بھلا تو رہوں اس کو گرا سہ جذبہ دل

اس پر ہی جانے کی ایسی کری آئے نہ بنے  
کھیل بھلا ہے کس جھڑنے بھول نہ جانے

کاش بول گیا ہو کہیں میرے سائے نہ بنے  
ظہر چہرہ ہے تے توں ترے خود کو اگر

کوئی بوجھے کہ یہ کیل ہے تو چھپائے نہ بنے  
اس نزاکت کا بڑا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا

ہاتھ آدمی تو انہیں ادا لگاتے نہ بنے  
کہہ سکے کون کہ چہ سہو گری کس کی ہے

پروہ جھڑا ہے خود اس کے کھاتے نہ بنے  
موت کی راہ نہ دیکھوں کہیں آئے نہ بنے

تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے  
برجہ وہ سر ہے گرا ہے کہ آٹھائے نہ بنے

کام وہ آن پڑا ہے کہ سنہائے نہ بنے  
جنت پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

کہ لگاتے نہ گئے وہ بھلائے نہ بنے

اور ہوتے ہے پریشانی اسے لہزوں کا کھڑا سناں گن نہ بنے

اتھے گل کی پیری ہو سکی نہ سچا گل دی بنایاں گن نہ بنے  
میرے منہ کی آواز نہ تھی تھی لہزوں کی آواز نہ بنے

وہ سے دل آواز کی دلچسپی ہے نہ بنے  
حال تے حالے دل لگیاں کہتے تھلا تھلا جمل نہ بنے

نہب اوہ سے دل دہن اوہ سے ہنسی ہنسی بنایاں گن نہ بنے  
جو غیر توں خود کہہ بیٹھائی رہی گئے لہزوں چہرہ زادی

کوئی دیکھ کے کچھ نہ بنے  
میں کیا آپ تے ہے جنگ دہائی چند ملک تھے بنی تیں

گوری قسمت ہی ہے بڑھ کر سے بڑھ کر مال چھوڑاں گن نہ بنے  
ہرے بوج تو نہ ہو گیا کوئی دیکھوں والا آسدا تیں

اور پروہ اوہ بنے سناں ہے بھلا ہنسی بنایاں گن نہ بنے  
کیوں موت دی راہ نہ بنی تھیں تھیں تھیں تھیں

میرے تیرا ہے آواز سے لہزوں نہ بنی بنایاں گن نہ بنے  
موتوں چوڑی گن تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں

کوئی دیکھ کے تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں  
تیں جنت ہر دہن تے زور کی ایسا لگتے غالب نہ بنے

کو چہرہ کس نہ بنے تیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں

## غالب سرائیکی میں

دائم کچھ ہوتے ہیں اتے جس جیس میں 'دائے' اس لئے لکھ ہے 'اردو طرزِ محفلِ مطنی پاکستان کی بولی' سرائیکی کو نہ جانتے ہوتے  
 بھی اپنے محبوب شاعر غالب کو پہچان لیں گے۔ ہر میں زبرد میں جلد کر ہے۔ حرم کے حسن سے دل میں اردو قلم و کمال سرائیکی میں  
 نقل ہو چکا ہے (ماونو)

لکھ نہ ہی اسوای قسمت 'جو وصل پار ہوتا  
 دے دے دے تے ہیں چننے تے لیے ہائی کوڑ کھیر  
 چننی تار کی کھوں پھوڑھا ہا قول ادا  
 کوئی میڈے دل توں کچے میڈے تھر لودھ چبے کوں  
 لے کھوں وی دوستی ہے جو بڑا ہے دوست باج  
 جو بھر وچوں لے دگرا تھی لو کڑا جیس نہ تھوڑا  
 لے جو ڈکھ ہے جان کھوس لے دل ہے کالی کرا  
 میں جو آکھن 'نیکوں' آکھن ڈکھ دلت کھ با ہے  
 تھئے مرے وی جو رسوا تھئے کیں نہ غنی دیا  
 لوکوں ڈکھ کون کرا جو ہے کاکھ تے دگرا  
 جو پلائی چننے دے دے ایو انتظار ہوتا  
 میں خوشی توں مزہ دے دے جو کھ اعتبار ہوتا  
 نہ توڑا انکوں کرا 'جو لکھ لکھی تکر ہوتا  
 لکھا دل کیں نہ کھرا جو بھر دے پار ہوتا  
 کوئی میڈا دارو ہوتا کوئی قلمد ہوتا  
 جیکوں دکھ کھ کھرا ی جو ایو شرار ہوتا  
 جو لے عشق دکھ نہ ہوتا ڈکھ دوزخ ہوتا  
 نہ سیکوں ملن برلا جو لے کھی دہر ہوتا  
 نہ جتھ کوئی چوڑا نہ کوئی حور ہوتا  
 کوئی دوجھوئی جو ہوتا تھی ملن دھور ہوتا

اچھے سنے تے صرف لے میڈا بیان غالب

نیکوں تھی دل کھڑے جو نہ ہوا خواہ ہوتا



## مطالعہ غالب خطوط کی روشنی میں

غالب اردو ادب میں دو جگہ کا وہ چتر ہیں جس کی روشنی میں سامان کرنے کے بعد بھی بات نہیں پڑی ہے وہی کی خدمت کے لئے پلٹ کر آیا ہے۔ یہ جگہوں کہیں کہیں باقی ہیں جن میں ان کے فن اور شخصیت کے خلف پلوں کو ابھار کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ ایک دماغ و ہمار شخصیت کے ایک حصے ہات میں سے ہات پیرا کرنے کا ہر جانتے تھے وہ زندگی کے خلف ریلوں کو خلف لڑا سے دیکھتے تھے اور زندہ رہنے کے وہ اہلک اختیار کرتے تھے جلی باغی اور نامور ہی نہیں تھی۔

غالب کی طبعی اور ادبی حیثیت اپنے ہم عصروں میں انفرادی تھی گو کہ وہی پر بھی قاری کے اثرات شریعہ تھے یہ غالب اس دور کی ہات تھی جب باہل اور معاشرے میں طبعی ادبی حلقوں میں قاری کو بڑی حیثیت حاصل تھی لیکن غالب نے اس ہات کو جلد ہی محسوس کر لیا تھا کہ بعد سخن میں خلف تو ہیں آواز ہیں "سیاسی" سماجی اور معاشرتی حالات بخوبی سے بدل رہے ہیں ان حالات میں قاری کی جگہ اردو کو فروغ حاصل ہو گا انہوں نے اردو پر خصوصی توجہ دی۔ اس زمانے میں قاری میں خطوط لکھے جاتے تھے لیکن غالب نے اردو میں خطوط لکھنے شروع کئے۔ ان کے یہ خطوط اس وقت کے لکھ سے لکھ اور لکھتے ہیں۔ طراز سخن میں اتنی زیادہ تبدیلی ہے کہ یہ ایک نئی صنف کے طور پر سامنے آئے اور مقبول بھی ہوئے۔

قلم کی طرح تڑکے ٹوسے بھی نہیں، دکن میں ملے ہیں، ہاتھ کے انہوں کے خطوط صلیب، مثلث اور دہلی دھاروں کے اقبال اور اجمل اور بے بی رسالوں نے اردو نثر کو فروغ دیا۔ جب ہم بھید اردو نثر کی ہات کرتے ہیں تو فوراً دلم کالج کو نظر آتا تو نہیں کر سکتے ہیں۔ میر شیر علی غنوی جید، بھلی جیدی "میر حسن" "دلا دل" "نیل چاند کی تصانیف" نے سب سے پہلے "دہلی بے ساختگی" اور بے لکھی پیدا کی۔ مرزا غالب نے بیچا "ان تصانیف کی نثر کو چاروں استفادہ کیا اور اڑ لیا تھا انہوں نے اس دلچسپی کو اپنے مخصوص انداز میں آگے بھی بڑھایا۔ نثر قلم کے حلقے میں بھر کی پیداوار ہے قلم نہ دلی فطرت تھی ادبی لائق دیکھ دالے نثر کے لکھے جاتے کے بعد بھی قلم کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ نثر میں لوگ قاری کو ترجیح دیتے تھے کہیں پر دہلی "نثر خطیں" اور خطوط ہیں۔ تب کہ اردو شعرا کے ہاتھ سے بھی قاری زبان میں لکھے جاتے تھے اور اس میں غنوی "پیدل اور چاند کی تصانیف میں نصیحت مزاج صبح اور شفق" مہاراجی لکھنے کا نام دیا۔ قاری مرزا غالب نثر قاری میں لکھتے تھے ان کی بحث ہی نثر دہلی "دہلی قاری زبان میں ہی ہیں اور اس میں انہیں اپنی قاری دلی کے انکار کے لئے فطرت نصیحت شفق "زور دہلی اور دلی سوزی سے کام لینا چاہتا تھا انہوں نے ۱۸۵۰ء میں اردو میں خطوط لکھنے شروع کئے۔

۱۸۵۱ء غلام رسول مرہٹے چاند دلی ایسے حاشی کے جو غالب نے ۱۸۴۸ء میں لکھے۔ خطوط کی حاشی جاری تھی اور

بہت سے لوگوں کے خطوط بعد میں دستیاب ہوئے لیکن اس دور کے خطوط زیادہ نہیں ہیں اور پانچویں اور لکھنؤ کے خطوط

انعام کے ساتھ انہوں نے ۱۸۵۰ء کے بعد ہی اردو میں خطوط لکھنے شروع کئے۔ (ت۔ ک۔)

اپنی ہمت طراز طبیعت سے کام لیا اور اپنی مہارتیں انہیں کہ "دہلیوں نے ان کی تقلید کی لیکن غالب کی ہی ہات نہیں ہی یہ حقیقت ہے کہ یہ انہوں سے شروع ہو کر ان ہی کے قلم ہو گیا۔ "دلی مرزا" کے بعد بھی یہ خطوط اردو نثر کے ہر نمونوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غالب کے خطوط کا دہلی مرزا محمد "دہلی" حصہ اول غالب کے احوال کے "دہلی مرزا" ۱۸۴۹ء طبع انہیں طبع میں چھپ کر چار ہزار حصہ دوم ۱۸۵۱ء میں طبع پہلی دلی سے شائع ہوا اس کے ساتھ حصہ اول بھی تھا، پہلا بھی چھپ چکا تھا حصہ دوم میں خاص



۱۰ مراد ہے جو خاتم المراحل کا حضور تھا۔ یہی حقیقت ہے شخصیت محمدی کی 'فردی' معنی میں رجعت اعلیٰ میں ہونے کے — باب اولیاد  
لے کہ وہ اظہارِ روحانی ہیں دیکھا کہ نقوشِ بشری پر وہم غالب ہے اور مظلوم دعوتِ دلت سے علوم وہ جانتے ہیں اور پتہ میں کو سمجھائیں گے  
رہا ہے نہ انہیں کے 'بہارِ اشغال' و 'لاکھ' وضع کے ہر وقت 'میلہ' اس سے اچھی ہے اور وہ دلت دلت ہے غریبی ملتی وہ جانتے  
قیقہ" یہ انتہائیت طویل ہیں لیکن ان کا ذکر یہاں اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ غالب کی ہی یہ خبر ہے اس ترکہ  
چند کر اس دور کی ترکہ انوار نکالا جاسکتا ہے اب یہی وہ غالب کی ہی ترکہ کے نمونے سامنے آئیں گے جن سے  
موازنہ کرنے میں آسانی ہو گی اس تبدیلی کا بھی انوار وہ کہ غالب کی ترکہ میں تخی تبدیلی آئی۔ اس میں سمجھ کر  
جاسکتی ہے کہ وہ کیا وہ بات تھی وہ غالب میں تبدیلی کا سبب نہیں۔ (رج۔ ک)

لیکن ہے غالب اس تبدیلی کی زندگی کوئی میں نہ گئے ہوں لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی ایک کمری شخصیت ضرور  
جانتے تھے جب انہوں نے اردو میں خلا گھسے شعور کے وہ چارے اکثوب دور تھا جیسا "ملتی" سماجی اور اخلاقی قدریں ٹوٹ رہی تھیں۔  
غالب بھی سماجی مشکلات کا انظار تھے اسی کوئی نہیں تھی پہلے انوار میں تھے اس لئے نگ دست تھے اپنی خاموشی و دلیات کو زندہ رکھنے کے  
لئے وہ قرض بھی لیتے تھے۔ ان باتوں کا ان کے خطوط میں بڑا اظہار ملتا ہے انہوں نے ہر طریقہ نکال دیا اور اس میں وہ جتنی بے نیکیاں  
نور میں کہ جس "مترجم" انتہام اور کمال کے ساتھ برآں اس میں وہ لیل بھی ہیں اور آخر بھی کبھی کبھی وہ غریبی میں بھی ضرورت کے وقت گھسے  
رہے لیکن ۱۸۷۸ء میں انہوں نے تاری نگاری قطعی چھوڑ دی اور اپنی وقت یعنی ۱۸۷۸ء تک وہ اردو میں ہی خطوط لکھتے رہے۔

ان کے خطوط کے چار سے زیادہ مجموعے ہیں یہ "تہذیب" اور "مطلعت" ہیں۔ خطوط کی تعداد ۱۸۷۸ء کے قریب تھی اگرچہ وقت کا شمار  
تصنیف میں نہیں ہوتا لیکن یہاں مسدود مجموعہ "قیقہ" غالب کی مستقل تصنیف کھلانے کا ان خطوط میں غالب کی لکھ کر طرزِ فکر ہے ان  
کی شاعری "قرینت" و "لونی لکھت" ہیں داخلی میلہ یا اس کی تفریح یا شاعرانہ کے کلام کی مصلحت ہیں عام خطوط کی نسبت ان میں جو بات  
انہیں ہے وہ یہ ہے کہ اکتھاب "کتاب مزاج پر ہی اور طبیعت نگاری پہلی نہیں یہ بات نہیں کہ ان باتوں کا ذکر ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ کیا کہ  
ان باتوں اور ترتیب کے وہ قائل نہیں تھے کبھی وہ اول سطر سے ہی مضمون شروع کر دیتے کبھی لکھتے تھے کہ "مظہر" موندی اکتھاب  
لکھتے تھے "شاہ" میں "برخوردار" بعد "دور مدد" اور "درد" "ملتی" صاحب بھی جان کے کچھ میں سرسراؤ نہیں میرے میں بھی جان  
مردا "نقد" غنی "دلی" کبھی یہ سب غالب اور علا کا انداز ہے ہو کہ وہ صاحب تم کیا چاہتے ہو؟ یا "مردا" "لاحمی" جواب ملتی ہے اسی طرح وہا  
سلام اور اپنا نام اور تاریخ لکھتے ہیں کبھی کوئی پتہ نہ تھی مثلاً "دور ختم راحت" میں سرسراؤ "میں بیٹے دہ اور خوش رہو" "تجد" کبھی آپ  
کو یہ بھی قیال آتا ہے کہ کوئی علا دوست غالب کھاتا ہے وہ کیا کھاتا رہتا ہے اور کیوں کر جیتا ہے۔

مکملے کا انداز ملاحظہ ہو

"میلہ" مجھ میں اور تم میں بڑھ بڑھاتی کا ہے کہ ہے اب حضرت سے باتیں کر چکا علا کو سرسرا کر کے کہہ کر دیتا ہوں"  
————— میرا مظہر سرور ہے وہاں بیٹھا ہوا ہے علا کہہ دیا میں جو غلی جگہ "لوحہ" سے نکلا یعنی جو غلی جگہ "لوحہ" کی سوراخوں میں دلتا ہوں  
تکھی؟

حضرت ابھی نہیں!

کیا آج نہ جائیں گی؟

آج ضرور جائیں گی چاہی وہ ہی ہے!

مراقبہ شہد کیم جون دقت ۶ بجے ۷ کے عمل میں ۱۸۷۸ء غالب

”کائنات کی جدت یہ ہے کہ کثرت ہے کہ خلقت کرتے کرتے قیام کر لیتے ہیں پہلی تک یہ لوگ حق کے انوار چاہتے سے رافت نہیں ہیں۔ اس کو کثرت ہے کہ فیئر کھ لیتے ہیں۔ ہر صدی انہیں کو لگتے ہیں ہر صدی ”جیتے رہو“ انہیں صد ہزار آفریں اور تجھے لایا لایا ایسا اسٹیک ہے کیا ہے کہ لگے رافت آئے گا ہے سنو مٹی کی تمام مل و حلق و درد کو گرو کی کثرت و جناب اعلیٰ میں مٹی کی ہے یہ غرور مہارت جس میں دلت تھی۔ سو ایک عالم بنی پت انسانوں کے کھلے کا رہتے دھانوت لے گیا مگر میں نے اس کو کھل کیا؟ لالہ کریم دے ”پہلی عالم سے مراد ہی ہر صدی ہیں

المجلس

”اس نے مجھے سولہ سال اسلام شیعہ حجاز مبارک سورت کا بچکا۔ ہر صورت مبارک جو پہلی میرا دل بہت خوش ہوا تم اپنے وطن  
چلے گئے تم کو کتنی کس؟“ خدا جانے کے بچے کے لیے لکھو کہ اور پھر ساحت کا لکھ کے ہی میں کس کے کتب و کتب کی سیر کریں سجاد  
”کو“ اور کتب کو وہاں شریعت ہے ان کو دیکھیں۔  
مذاہف کو لکھتے ہیں۔

[illegible]

انہیں صاحب دھرمے ہی دھوکے یا کبھی سونے یا کبھی نور اگر کسی طرح میں نیتے تو دھرمے کی وجہ تو کسم۔ میں اس عملی میں صرف غلوں کے بغیر سے بچا ہوں لیکن جس کا لانا کا میں نے ہمارا کہ وہ غصے تحریف کیا۔ ہمارا کام میں ہے کوئی دن ایسا میں ہوتا ہوا غلط و بر ص سے ہمارا غلط نہ آسچے ہوں بلکہ ایسا میں دن ہوتا ہے کہ وہ ہمارا دانا کا ہر کھانا آتا ہے ایک دو صبح کو ایک دن غلام کہ۔ میری دل کی ہو چلی ہے۔ دن دن کے پختے نور جواب کھتے میں گڑھا ہوتا ہے کہ صاحب؟ میں دس دن ہار ہار دن سے تمہارا غلط میں کیا لیکن تم میں آئے۔ غلط کسم صاحب۔ نہ کھتے کی وجہ کسم کہہ کہ میں نکل نہ کہ۔ ایسا ہی ہے تو ہر کھ کھجوا۔

ازب ایسہ ہر دن ایسہ جان کو کھتے ہیں :

”— اسی قدر باپ و مکیں سے محبت کہتا ہے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا ہے کہ جاتا ہے۔ مجھے بخیر و کائنات کی طرف  
رو ہے۔ یہ شعر شاعر نے کہا کہ باپ سے اتنا محبت کرتی ہیں کہ نہ چلا آئے کہ ہے۔ یہ ہے تکلیف دہ اور تم اسے کہتی ہیں کہ شعر کہ  
کہ جاتا ہے۔ یہی اصل ہے کہ کہ جاتا ہے کہ کہ جاتا ہے۔“

[illegible]

میں اپنے مری۔ دواؤں ملنے کا کل عمل سزا سے بھی بدتر ہے۔ میں مرے سے نہیں ڈرتے کہ انھیں دواؤں سے کھرا ہو جائیں۔ یہ سزا ہی صحت میں ہوں کل سزا کی دواؤں کی مرگنی ہے۔ بخار اُسے کما ہے۔ انھیں ٹپ دئی ہیں۔ فوری پہل کی گئی ہے۔ اُسے







”میں نے گزری دن چڑھے پہنچ کر درخواست کر کے رہی ہوں۔ قصہ یہ تھا کہ بکھرے رہیں وہاں قاضی کی کھانچن نہ پائی۔ ہمارا ذکر  
روایت ہوا۔ وہاں پر فروراد باقر علی اور حسین علی کھواں پر سارا مل دینے چار گزری دن سے میں باقی لڑکی سوائے میں پہنچ۔ وہاں  
ہاتھوں کو چٹنے ہوئے اور گود لہو کو کھینچنے ہوئے پلا۔ گزری ہر دن سے بھلا کر۔ میں نے ہفتاک ہر گزری دن کھلا کھلا دو شادی کیا۔ اس  
میں اہل دینے رات ہر گزری دن۔ شربابی کی کہیں کھائے لڑکیوں نے لڑکی کی بھاری بھائی۔ وہب گئی ڈال کر کہہ ہی کھائی اور سے۔









نے اپنے غلوں میں کہیں کہیں اپنے احساسات اور جذبات کا بڑا اظہار بھی کیا ہے کہیں مٹھ کر کیا ہے کہیں ہاتھ مٹھل ڈالنے میں لگاوا دی ہے اصل میں یہ بھی غم کی ہی صورت تھی۔ غالب کو بھی کیا سمجھتے تھے۔ ہندوؤں نے انگریزوں کا ہر اور ساتھ دیا تھا اور مسلمانوں کو مستوجبِ کیا گیا۔ اس کا اثر بھی غالب کے غلوں میں ہے یہ خود ہے کہ وہ اپنا قصیل میں نہیں سمجھے۔ خد کہ دور غالب کا آخری دور ہے وہ بہت حساس ہو گئے تھے اگر وہ شاعری اور استعارہ شاعری میں لڑاؤ دھت صرف نہ کرتے تو شاید ملی کی جہی پر اور بھی اشارے کرتے ہر حال انہوں نے اپنے دور کے ملی کا بار بار بد تشبیہ سمجھا ہے اور جہی کے ہر حاضر پیش کیے ہیں۔ وہ گریخ کے غالب غم کے لئے بھی بد تشبیہ دیکھتے رکھتے ہیں اس لئے کہ گریخ کی نکلوں میں ختم و دھت کم ہوتے ہیں۔ دوسرے اس دور میں سورجی نے بھی صلیبت سے کام لیا ہے اس لئے وہ بھی تصویریں ان گریخ کی نکلوں میں نہیں ہیں جن کی صلیبت حقیقی ہے۔

ملتی تھو کو گھٹتے ہیں :

”..... میں جس شرم میں ہوں اس کام بھی ملی اور اس بکے کام ملی ہوں کا ملے ہے لیکن ایک۔ دست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پڑا ہانک دلاؤ اور صلیبت کو مسلمان اس شرم میں نہیں جھک گیا ابھر کیا غیب کیا اعلیٰ خوف۔ اگر کہہ ہیں تو بار کے ہیں بد تشبیہ کہہ کہہ اہل ہو گئے ہیں۔“

اب پھر آئیں کہ ممکن قسم میں بیٹا ہوا صاحب ہند میں تحکم لے میں جس حال مرحوم کے مکان میں نو دی سی سے کرانے کو رہتا ہوں اور وہاں غیب کیا چلو۔ پڑا رہی گھر۔ جس کے اور وہ فکر ہیں۔ رہا نذر نگہ بندہ والی بیٹا۔ کہہ رہا صاحب نے صاحبی ملی شرم۔ نہ خود کا قیاس کہ بد تشبیہ دست ملی یہ ایک ہے۔ چنانچہ پھر آج رہا کے چہی میں آکر بیٹھے اور یہ کچھ غلوں رہا دہندہ میں کہیں اور یہ شرم کیوں؟ یہاں نہ چلتا ابھر غیب سب اکل گئے ہو رہ گئے تھے کھالے کہے۔ ہاں کچھارہ۔ ہاشمی دار۔ دولت مند۔ اعلیٰ حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مسلسل صلیبت گھٹتے ہوئے آ رہا ہوں۔ ہاشمی غم پر شدت ہے۔ ہار رہی اور دارو گیر میں جھکا ہیں۔ گردہ فکر ہو اس بنام میں اگر ہوتے ہیں اور ہلکتے میں شریک رہتے ہیں۔ میں غیب۔ نامور دی سی سے گریخ گھٹتے اور شعری اصطلاح دہندہ پر حلق ہو رہا ہوں تو اس کو فوری سمجھو۔ خواہی خود ہی ہار اس شدت غیب میں کسی صلیبت میں میں نے اعلیٰ نہیں دلا۔ صرف اشعار کی خدمت بجا آتا رہا اور نظرائی ہے کہیں پر شرم سے اکل نہیں گیا ابھر شرم میں ہوتا بنام کو معلوم ہے گردہ فکر بھی طرف بد تشبیہ دہندہ میں سے یا جہیوں کے بیان سے کوئی بد تشبیہ نہیں پائی گی قلم اعلیٰ نہیں ہوئی دہندہ میں بڑے بڑے چاکر دار بڑے ہوتے بڑے آئے ہیں بھی کیا حقیقت تھی غرض کہ اپنے مکان میں بیٹا ہوں۔ دہندہ سے پھر نہیں اکل سیکھ سوار ہوا اور کہیں جھکا دہندہ ہوئی بد تشبیہ ہے نہا ہے کہ کہیں میر۔ ہر کوئے شرم میں ہے کون ہو تو سب گھر کے گھر بے چارے پڑے ہیں۔ غم سیاست پاتے پاتے ہیں۔ تھو کو ہی ایک دوسرے غلوں گھٹتے ہیں :

”یہ کوئی نہ کہے کہ میں اپنی ہے روحانی اور جہی کے غم میں مر رہا ہوں۔ نہ دیکھ کہ کو ہے اس کا بیان تم کو معلوم نہ کر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز قوم میں سے ہوں وہ دیکھ کہیں کے ہاتھ سے اکل ہوئے۔ ان میں کوئی میرا امید کہ تھا اور کوئی حقیقی اور کوئی میرا دوست اور کوئی لا۔ اور کوئی میرا شاعر۔ ہندو متفقوں میں کہہ میر۔ کہہ دست۔ کہہ شاعر۔ کہہ مشعلی۔ سو۔ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک میر۔ کا نام کتا خطہ ہوتا ہے۔ نہ اسے میروں کا نام دار ہو اس کو تھت کہ گردہ دھار ہو۔ ہاتھ اٹھتے دار میرے کہ خواب میں ہوں گا تو میرا کوئی دوسلہ دلا بھی نہ ہو گا۔“

گھٹتے کی جہی کی طرف بھی اشارے کیے ہیں مرزا حاتم علی ایک مرزا گھٹتے ہیں :

”ہاتھ گھٹتے ایک نہیں کہتا کہ میں کہتا کہ اس بار صلیبت پر کیا گردہ؟ سوال کیا ہوئے؟ انہیں کہیں گئے؟ غرضی غلوں اللہ













”۔۔۔ مگر غلط کی وہ شہرت ہے کہ خدا کی پناہ۔ غلط کہیں کر نہ ہو۔ جس دن صاحب فرائض دیا ہوگا۔ ستر برس کی عمر بھٹکا طویل بدلی میں تھا ہے پہلے تو عباس میں سے بیپ ہو کر نکل گیا۔ یہی کہیں وہ اب ہر قید و دم صلح ہو۔ ہر عمل زندہ ہوں اور چاہیں۔۔۔“

غالب کی شخصیت میں ایک بے انتہائی شہنشاہی تھی۔ انہوں نے اردو شاعری کو ایک نئے انداز سے سمجھنا کیا بلکہ اردو نثر کو بھی ایک نیا اسلوب دیا اس اعتبار سے وہ ہماری نظم نثر دونوں میں ایک انقلابی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے یہ خطوط اردو نثر کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ ان کی بے تکلفی، سادگی، سادگی، اسلوب اور طرزِ فکر، ”ٹیل انگیزی“، ”ٹیل ٹھٹھی“، ان کی شخصیت کا بے قہر مزاج کا ہر فرد ان خطوط سے لیلیاں ہے۔ وہ جنگ آزادی کے اثرات سے بہت متاثر تھے۔ ان خطوط میں ان کی دل کی کیفیت بڑا سمجھ ہے۔ انہوں نے اپنے ”یا ہی“، ”مائی“، ”تو جی“، ”انڈی“، ”توئی“ اور ”ٹیلنگ“ اور ان کے اپنے خطوط کا ایک اہم حصہ خطا ہے۔ تدریجی انقلاب کا پس منظر نامہ انہوں نے یہ ایسے اور ہر کے خطوط ہر جذبے کی گرائیوں سے گھسے گئے ہیں۔ عام مضامین اور لوگوں کے ساتھ گفتگو کے خطوط قلمی واردات کے نمونے بھی سمجھ

بہت ہم ان خطوط پر اور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ آزادی ان کے سامنے لڑی گئی۔ اگرچہ بھی حکام جبر اور برہمنی قوم جس کے پاس حکومت کے علاوہ ہر طرح کے اختیار نہ تھے وہ نہیں تھے قریب قریب تمام بھری صورت میں سمجھ رہے تھے ان سے کرنا اور وہ بھی ایک بے حکم قوم کے لئے یہ سراسر غلطی کی حالت میں ایک ایسا مرحلہ تھا جس پر تاریخ نے کسی روشنی ڈالی ہے۔ سارا اہم دور ہم پریم ہو گیا تھا اور یہ نوعیت کا انقلاب تھا۔ لوت، مارگلہ و حکمت عام تھا۔ غالب اس زمانے میں اپنے مکان میں ہی شہر رہے اور وہ کیونکر سمجھ رہے اس کا ذکر انہوں نے اپنے ایک خط میں کیا بھی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ غالب کو اس وقت کے زمانے میں بے شمار اختلاف کا سامنا کرنا پڑا ان کے حقیقی بھائی یوسف مرزا اس زمانے میں دہلی کے عالم میں مرگے۔ ان ساری باتوں کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب ”تذکرہ“ میں کیا ہے وہ ایک تاریخی حیثیت ہے۔ تاہم یہی واقعات انہوں نے خطوط میں ایک ایک ٹوکوں کو لکھے تو ان کے دل جذبات اور کیفیات کے فلاں گئے غالب ساری زندگی ایک کھلی جینے رہے۔ زندگی ان کا ساتھ نہ دے سکی۔ لیکن انہوں نے زندگی کا بچلہ ساتھ دیا وہ اس زندگی کے حالات سے خوش نہیں تھے لیکن ہر کرنا جانتے تھے انہوں نے زندگی اور اس کے بدلتے ہوئے حالات سے جتنی حد تک سہولت پیدا کرنے کی اپنی ہی کوشش کی۔ ان حالات کو سمجھا بھی ہے اور انہیں سمجھ کر رہا بھی ہے وہ زندگی کے گہرے باطن میں تھے اس کے ہر پہلو پر ان کی فکر گہرائی کے ساتھ پڑتی تھی اور وہ اس میں سے نئے پہلو نکال چکے تھے۔

ان کے مزاج میں گہرائی کے ساتھ بہت پختہ بھی شامل تھی کسی چیز کا نہ ہونا انہیں لباس اور حقیقتیں ضرور کرتا ہے لیکن وہ اس کے حاصل کرنے کے لئے فکر کر نہیں جانتے جانتے تھے۔ اس کو حاصل کرنے کی دھن میں گئے دھچکے تھے شاید یہی ان کی زندگی کا انتہائی پہلو بھی ہے۔

یہ خطوط ان کی زندگی کا گہرائی کے ساتھ سمجھ کر کرنے میں ہماری خاص مددگار کرتے ہیں۔ ان خطوط سے غالب کی وہ صورتیں بھی سامنے آتی ہیں جن کا انہوں نے کی شاعری میں مشکل سے ہی لے سکے۔

## غالب اور فلسفہ وجودیت

شمار اور فلسفہ میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں کے دائرے میں فاری حقیقت کے بارے میں ایک جیسے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور فاری مشاہیر سے دونوں ایک طرح سے ہی جھڑپ ہوتے ہیں لیکن اپنے داخلی تجربے کے اعتبار کے لئے دونوں ایک ایک راستے اختیار کرتے ہیں۔ شمار اپنے فکری رد عمل کو محسوس اور جذباتی دوائے میں جھانک کر آتا ہے جب کہ فلسفی اپنے افکار کو عقلی استدلال کے قالب میں جھکی کر آتا ہے۔ اگر مطلقہ جہان کو جانتا ہوا جانتے تو ہر شمار کی دیکھیں توئی کے پاس پرہ میں محسوس افکار و عقولیت کا ایک عقلی ڈھانچہ بکھر آئے گا۔ اس لحاظ سے غالب دیگر شعرا میں ایک محسوس اور منطوق مقام رکھتا ہے کیونکہ اس کی دیکھیں توئی حالت و اکائیت کے لہری مسحوں کے قاصر میں محسوس ایک جذباتی اور محسوس رد عمل ہی نہیں بلکہ ایک محسوس نظام فکر کا افکار اور افکار بھی ہے۔

غالب فاری وجودیت کے توسط سے قدیم شعراء حکما کے افکار و خیالات سے کھنکھات ڈھنکھاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کام میں پنجاب شعور کے مسائل اور فلسفہ و حکمت کے دیرینہ سوالات کی سوائے ہر گز غفلت نہ رہی ہے۔ غلط دعوت و غیور تو غالب کا خاص موضوع ہے اور اس نے حدود جنموں پر فوق دعوت و دعویٰ مسائل کو لکھتے مہارت کے ساتھ اپنے شعراء میں جھکی کیا ہے۔ غالب کے شعر میں نے بھی بہت پھیل کے ساتھ اس کے دعوت و دعویٰ عقولیت کی تحریک کی ہے لیکن اس کے افکار میں غلط دعوت (Existentialism) کے جو دلائل پائے جاتے ہیں اس سے کسی نے قرض نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دعوت کا غلط غالب کے بعد کی پیدوار ہے اور اس کی نشوونما بھی یورپ ہی میں ہوئی تھی لیکن چونکہ غالب کی شعری کایا بہت وسیع میں تدبیر و تدبیر قاصر قادیانی قاصر یورپ میں دعوت کا احساس ہے اس لیے غالب کے افکار اور دعوت کے عقولیت میں حیرت انگیز مماثلت نظر آتی ہے۔ اس میں ہم دعوت کے چند اہم نکات کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں اور پھر ان کے قاصر میں غالب کے بعض افکار کا جائزہ لیں گے تاکہ ان کے مذاہم و معانی کی ایک جی بہت عمارت سامنے آسکے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جدید یورپ میں جتنی بھی تھل ڈاک فکری تحریکیں اٹھیں وہ دیکھ (Hegel) کے قیاس کے رد عمل کے طور پر اٹھیں۔ دیکھ سائنس کا عقلی نقطہ ہوا۔ ہمارے فلسفہ کی جدلیاتی بحث ہو یا کبر کبر کا کڑی دعوت سب کے سب دیکھ کے نظام فکر کے جواب میں ہی اٹھیں تھے۔ دیکھ کے نظام کی مناسبت (Abstraction) اور انتہائی تجزیہ و تہذیب نے فکری حیرت کو باطنی فہم کو دھاندلی دیکھ نے دوائی قیاس اور اطوار کی صورت کو اس حد تک فروغ دیا کہ فو حقیقت سچا کا محسوس ایک عقل یا جہلی اعتبار قرار پلا جس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی۔ اس کے نزدیک فکری فعالیت اس میں ہے کہ وہ دعوہ منطق میں اپنی استحقاق کو کم کر دے۔ اسی بات کے اس دور کو کبر کبر کا کڑی فہم نہیں کہتا ہے کہ سب میں یہ سچا ہوں کہ میں ایک نظام کا محسوس ایک حصہ ہوں یا کل کا ایک ہے اس جو ہوں تو میں کھپ اٹھا ہوں۔ چنانچہ کبر کبر کا کڑی نے دوائی قیاس اور بالخصوص دیکھ کے قیاس سے جہالت کو دلی جس میں اصل حقیقت ہو (Essence) کی قسم اور دعوہ (Existence) کو اٹھایا اور حاضی قرار دے کر نظر انداز کر دیا۔ ہاں فلسفہ وجودیت کا خلاصہ ہے "Existence precedes Essence" یعنی دعوہ دعوہ یا حقیقت پر حتم ہے۔ کبر کبر کا کڑی جو کہ دعوت کا کام ہے اپنی پوری توجہ اپنے دعوہ پر مرکوز کر آتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ماحول کو اپنے ماحول سے کٹ کر اس میں اور کر آتا ہے کہ میں کون ہوں اور میری حقیقت کیا ہے؟ اپنے کہہ کو کہہ گئی یا تو ہر ہر کی دعوت یا حقیقت سچا کی تجویز میں مدغم کرنے پر تیار نہیں۔ چنانچہ پہلا انکشاف اس پر ہوا ہے کہ ہماری دنیا میں ایسا ہے اور اسے ایک طرح کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا

جس اس طرز زندگی کو جو اسے اپنے وجود پر اور خود کو کے معاشرے سے ملی وہ خود مستعد تھا ہے یعنی اس طرز زندگی کو اس نے خود اختراع نہیں کیا بلکہ وہ سوں نے اس کے لیے وضع کیا ہے۔ اپنی زندگی کو وہ دور غیر صدق (Inauthentic existence) بھی کہتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے کبیر کبگازد ایک ایسے گاڑی بان کی مثال دیتا ہے جو سو باہر اور گھوڑوں کی آغوش آگے اس کے ہاتھ میں ہوں انھیں گھوڑے خود بخود سترہ دانتے پے چلے جا رہے ہوں۔ گھوڑا بان گاڑی بان گھوڑوں کو نہ چا رہا ہو بلکہ گھوڑے اسے لیے چلے جا رہے ہوں۔ اس مثال سے کبیر کبگازد یہ جہت کرتا ہے کہ معاشرے میں اکثر لوگ چلتے بڑھتے کام کاج کرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کی حقیقت ذلہ و خوار کی سی ہوتی ہے کیونکہ وہ رسوم و رواج کے پاندہ ہوتے ہیں اور ان کی زندگی جو انہیں درستہ میں ملی ہوتی ہے وہی ہر کرتے چلے جاتے ہیں، انہی وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کون ہیں اور ہمارے وجود معنی کے کیا لاتے ہیں۔

کبیر کبگازد جب رسوم و رواج اور معاشرتی طوائف و دلدلا سے کٹ کر صرف اپنے وجود پر اور کرتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے وہ ایک شیعہ قسم کی تنہائی (Loneliness) اور مفارقت (Alienation) کا ہے۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ میری مثال ایک غرض رسیدہ درخت کی تھوڑے شاربغ پر بیٹھی ہوئی اکیلے لاش کی سی ہے۔

تنہائی اور مفارقت وجودی نظریے کے لئے وجود کی ابتدائی شرط ہے۔ جب ہم اپنے وجود پر اور کرتے ہیں اور اسے ملتی و جلتی دلدلا و طوائف سے معزلی کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ تنہائی اور مفارقت کے احساس کی صورت میں نکلتا ہے۔ ہر جب وجود کی نوعیت پر مزہ خود کرتے ہیں تو یہ پتا ہے کہ یہ وہ انتہائی پیرا ان کی اور موت کے آئین کا ایک واقعہ ہے۔ موت اور پیرا ان کی انتہائی ہیں جن پر ہمیں کوئی اختیار نہیں، ہم ان سے ہم انھیں نہیں چا سکتے۔ ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے۔ ہم نے جب شعور کی آگ کھلی تو خود کو دنیا میں پلایا۔ اسے وجودی تنہائی (Thrownness) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی نے ہمیں منہ وجود پر دیکھل دیا ہے۔ ہر جب ہم اس بات پر خود کرتے ہیں کہ ایک واقعہ اسے ہم جب موت ہمارے وجود کے دانتے کو مسدود کر دے گی تو ہم مطلق ہو کر وہ جانتے ہیں۔ موت کا انویٹہ دانت (Death) کو پیرا کرتا ہے لیکن جب ہم موت کو ایک اپنی حقیقت کے طور پر قبول کر لیتے ہیں تب ہم مل نہیں سکتے تو درخت سے لہٹ پالیتے ہیں لیکن خوف (Fear) سے ہم نہایت نہیں پا سکتے کیونکہ خوف کسی شے کا خوف نہیں ہو سکتا یہ ہمارے وجود کے ساتھ لگا ہوا ہے اور جب تک ہم زندہ رہتے ہیں اس کے سامنے ہمارے وجود پر پیلے رہتے ہیں۔ ہم موت کو ایک اکل انار حقیقت کے طور پر قبول کرنے کے بعد ایک مثبت رویہ اختیار کرتے ہیں کہ جب تک ہم زندہ ہیں ہم صدقہ (Authentic) زندگی گزاریں یعنی اپنے وجود معنی کے تقاضوں کی تکمیل کریں اور اپنے شعوری فیصلوں کی روشنی میں ثانویہ حیات کا سفر طے کریں۔ یہی وجودی نظریے کا وہ مخصوص عنصر (Element) ہے جو انتخاب اور آزادی سے متعلق ہے۔ کبیر کبگازد حضرت ابراہیم کی مثال دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کو جب وہ تین دانیل و فرزند ایک ہی طرف نظر آیا تو وہ فیصلہ نہ کر پائے کہ یہ واقعی ہم ہیں یا کوئی شیطان دوسرے اس کو گمراہی کی کیفیت سے کرب (Anguish) کی کیفیت پیدا ہوئی لیکن جب انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا اور ایک دکان میں ملک کر لیا تو انہیں کرب سے نہایت آگے زندگی پر فیصلے کی وجہ سے وہ صدقہ ہوتی ہے لیکن جس طرز زندگی کا فرک انہیں کا فیصلہ اور انتخاب نہ ہو تو غیر صدقہ ہوتی ہے۔ اسی لئے سدرتے کے خول "حقی" (Hawson) کا یہ ایک طویل عرصہ تک کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور کیناک اور غیر صدقہ زندگی گزارتا ہے۔ سدرتے کے پان آزادی ایک ایسا بوج ہے جسے انسان کو طوعاً و کرہاً بردھنا ہی چاہیے "Man is condemned to be free" یہ لوگ اپنا حق آزادی اور حق انتخاب استعمال نہیں کرتے وہ غیر صدقہ اور کیناک زندگی گزارتے ہیں۔

وجودی نظریے اندر سے باہر کی طرف نہیں بلکہ باہر سے اندر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی انفرادیت کو کسی خارجی وحدت میں

کام کرنے کی بجائے اس کا اثبات کرتے ہیں اور اپنی موضوعیت کو صداقت دیتے ہیں۔ لہذا سے باہر کسی حقیقت کو صداقت (Truth) قرار نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک عقلی، معاشرت، مبالغہ کرب، انتخاب اور آزادی ایسی بنیادی ضروریات ہیں جو کہ انسانی صورتِ حال (Human Predicament) سے متعلق ہیں۔

مولانا کبیر کھنکھارہ کی انسانی وجودیت اور اساتذہ کی فطری وجودیت اس کے بنیادی ضدِ عقل وہ ہیں جو اور جان کے گئے ہیں۔ اگر ہم طالب اور وجودیت کے عقلی اور تکنیکی حالات پر غور کریں تو دونوں میں گرمی مماثلت پائی گئی۔ وجودیت کی تحریک وہ بنی جنگوں کے بعد ابھری۔ جب انسانی حق کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی اور جنگ کے سطحوں نے شیعوں کے شرِ راکھ کے دامِ رازِ داسے تو مسیحیت پسند اور مسلمانوں کے خلاف ردِ عمل پیدا ہوا اور فرد کی انفرادیت کو چیلنے کا ارتقاء لہروں سے بڑے بڑے تھوڑے جن کے پیچھے عقلی وابستگی اور سیاسی مذہبی مخالفت پوشیدہ تھے اور جن کی ہیئت ہزاروں لاکھوں انسانی جانیں چند بجلی نہیں سماس مضرین کی ٹھکڑوں سے گر گئی۔ انہوں نے گدی اور قوی مخلد اور انتہائی نظام کو چیلنے کی بجائے فرد اور اس کی انفرادیت کو چیلنے کی کم شروع کر دی۔ طالب نے بھی جب شعور کی آنکھ کھلی تو اپنے اور گرد و سیاسی و سماجی حلقے کے ماحول دیکھے۔ ایک عظیم ماحولِ طاقت کے احاطہ میں اس کے آگے مراحل اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اگرچہ ان کا نظریہ عقلی فرائدِ باکی ہے لیکن اور بدعقلی جنوں کی فداکاری اور عدمِ عقل کی قتل و غارت کے واقعات نے اسے بھی انسانی صورتِ حال کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے وہی مضرین نے جنگ کے بعد یہ روٹی عوام کو دیکھا تھا۔ چنانچہ یہی مضرین کی مخالفت نے طالب کی داخلی واردات کو وجودیت کے کمرے رنگ میں رنگ دیا۔ اسی لیے ہمیں طالب میں مسیحیت سے بڑا ہی اور فرد کی انفرادیت کو چیلنے کا قوی رجحان نظر آتا ہے۔ بنیادی انسانی صورتِ حال کے بارے میں اس کے بعض اشیاءِ استیع سے بڑا اور واضح ہیں کہ وجودیت کا فلسفہ اس کی گرد و گھبراہٹ نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ اس میں ہم طالب کے چند اشیاء کا جائزہ لیتے ہیں جو بنیادی انسانی صورتِ حال کی وجودیت کے رنگ میں فطری کرتے ہیں۔

نک کو سخت جانی ہائے عقلی نہ پہنچ

مچ کرنا شام کا آواز ہے اسے شیر کا

اس شعر میں طالب نے انسانی صورتِ حال کی ایک بنیادی کیفیت یعنی عقلی کو اتنی ظاہر نہیں کیا اور فطرتِ صمدیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ خودِ صفت پر مبنی ہوئی تشریح بھی اس طرح اسے پیش نہیں کر سکتی۔ جس طرح سائنس دان اپنے مخصوص طریق کار اور طریقوں سے موضوعی سائنسی حقائق کو مضرِ عام پر لانا ہے اسی طرح ایک ایسا اثر انسانی حالت کی موضوعی صداقتوں کو اپنے اشیاء میں پیش کرنا ہے۔ وجودیت کا فلسفہ بھی انسان کی اس موضوعی صداقتوں سے قرض کرتا ہے اور اس ضمن میں عقلی کی کیفیت کا سب سے پہلے ذکر کرتا ہے کیونکہ انسان جب بھی اپنی صورتِ حال پر غور کرے تو عقلی کے احساس کا اسے سب سے پہلے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ عقلی محسوس کا طریقہ یا اہل سے چمکانے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا مستقل احساس ہے جو وجودِ انسانی کے طبع میں گھوما ہوا ہے۔ خودِ عقلی کیفیات مثلاً علم، مضطرب، تشویش اور حسرت و اس دنیا و عجزِ عقلی کے اسی احساس سے بھرتے ہیں۔ ایک عظیم فکری میں احساس عقلی بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ وہ عوام کی بیز بھڑ سے گریز نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ کھجور کی طرح طالب بھی عوامی بیگز بھڑ اور عوام کا فلسفہ نہ تھا۔ اپنے فکروں کی جوت طبع اور بنیادی خیال انہیں عوام انہیں کی اپنی سچ سے بہت دور لے جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے فکروں کی عوامی سچ پر قدر نہیں ہوتی اور وہ ایک قسم کے احساسِ عوامی کا فکری رجحان ہے۔ کیونکہ کھجور کے سبب اور ایک عوامی سچ کی ایک گڑبگڑ کا فلسفہ درست کی طرح درست کی طرح ہے تو دراصل اس نے اپنی اپنی فطرت اور عوامی کا عوامی ہی دیا ہے۔ طالب کا بھی یہی حال تھا۔

میں ہوں اور امریکی کی گرد غلب کر مل

دیکھ کر طرز چاک لٹل دیکھا اہل کیا

دراصل ایک بڑے فنکار کی حسین وضاحت کے لیے اہل طرف کے ساتھ ذہنی ترقی کا وسیع ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ عوام انہیں اس صفت سے قبیح ہوتے ہیں اور غلب کے افکار دیکھ ہی اپنے منہ سے مت کے تھے اسی لیے اسے اپنے ہم وطنوں سے بڑا گھوڑا۔

ہم کہیں کے دھاتے اس جہنم میں کیا تھے

بے سبب ہوا غلب دشمن اس میں اپنا

لوگوں کی بخودی مضامین اور کرب کا اس غلب کو دو سطروں پر قتل ایک سچا ذوق صرف باہر پڑے فنکاروں کے لیے مخصوص ہے۔ اپنی عزت فکر اور طبع معمولی عظمت کی وجہ سے وہ عام لوگوں سے کٹ جاتے ہیں۔ دوسری سچا یہ وہ تمام نئی فروع انہیں کے ساتھ عقلی مضامین اور کرب کا افکار ہوتے ہیں۔ یعنی یہ صورت حال مخصوص معاشی عقلی و فکری حالت کی پیدا کردہ نہیں بلکہ خاصہ فطری صورت حال ہے اور تمام انہیں کیسی طور پر اس کا افکار ہیں۔

قد حیات و بد فم اصل میں دونوں ایک ہیں

صوت سے پہلے آواز فم سے نجات پائے ہیں

یہاں غلب نے قد حیات اور بد فم کو اسی علوم میں اشتعل کیا ہے جس میں گریک بیکارڈ نے کرب حیات کو مریخ کا رنگ

(Sickness unto death) کہا ہے۔ سادہ سادہ اسے اسی کرب کے بارے میں کہا ہے "Anguish is natural to man"

گریک بیکارڈ اور سادہ سادہ دونوں نے اس بنیادی صورت حال کی تشریح و توضیح کے لئے اپنی پوری ہمیش کی ہیں لیکن غلب نے معراج پا لکھ ہی شعر میں دیا کو اسے میں بد کر دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑا فنکار دو سطروں پر مضامین اور عقلی کا افکار ہوتا ہے۔ ایک عقلی سچا یہ جس پر کہ تمام انہیں اس کا افکار ہوتے ہیں۔ دوسرے مخصوص سچا یہ ہیں اسے عقلی افکار ہونے کا کرب بھیلنا پڑا ہے۔

غلب کے افکار کی ضخیم کی ایک عام اور ذہنی سچا ہے جس پر کہ اس کے افکار کو سمجھا جاتا ہے لیکن اس میں یہ عظمت بھی موجود ہے کہ انہیں ایک باہر تر بعد الضمیمہ سچا پر بھی سمجھا جاسکے ایک ضخیم فن پارے کا یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ زبان و لفظ کی حد بڑھانے کو محدود کر کے لہجی صداقتوں کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ کام غلب کا بھی یہی معاملہ ہے۔ چونکہ یہ ایک کمری روشنی و ابرو سے اٹھتا ہے اس لیے اس میں ہمیں وحدت افکار و خصوصیات ذاتی اور روایت کی فیکٹی صداقتوں کا افکار ملتا ہے۔ صورت میں جس طرح عقلی مضامین اور کرب بنیادی فطری صورت حال سے متعلق ہیں اسی طرح انسانی 'اختلاط' اور افراد بھی اسی سے متعلق ہیں۔ اگر ہم وحدت کے تصور اختلاط و آزادی کے تاثر میں غلب کے بعض افکار کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے مطلب ہمارے سامنے آئیں گے خاص۔

عقل فیکٹی ہے کس کی عقلی قوی کا

عقلی ہے وہاں ہر جگہ تصور کا

عقل میں بندوبست رنگ و دگر ہے کج

قوی کا طبع مطلق چھوٹا وہ ہے کج



کہ کسی تلاش یک تکتل شیریں تھا اند  
 سبک سے سہارا کر ہوسے نہ پیدا آگیا  
 رواجی نکادوں کے حق ادا علم وہ خود کو حقیق کوی کے ایک ہاند تر مریے ہ کاڑ کتا ہے۔  
 شعور اپنا بھی جھٹکتا میں ہے دوتا لیکن  
 ہم کو تخلیق شک عرق نہ منصور نہیں  
 یعنی ہماری اصل بھی اگرچہ ہمیں ہے لیکن ہم منصور کی کم عرق میں اس کی طرح کا الحق کا نمو نہیں لگاتے۔ تخلیق سے گرجہ ہور سے  
 ہر کی تلاش غالب میں اتنی شدید ہے کہ وہ کتا ہے۔

دوں کی زخم کہ گردہ قہر دوزخ ہائے میں  
 ہائے گہاں ہمیں اسودا میں طوائف میں

یعنی مجھے دوزخ سے لگا دار نہیں لگتا جتنا اس بات سے لگتا ہے کہ کہیں بھی کم بخت زندگی ہور نہ کر آئے ہور میرے اسودا و طرد دنیا  
 و آخرت میں یکساں ہو جائیں۔ غالب کے نزدیک یکسانیت ہور ایک ہی ڈگر ہے چلتے چلتا طاب دوزخ سے بھی چتر ہے۔  
 بعض لوگ غالب کو قہریت ہندی کا طعن دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب میں ہمیں اقبال کی طرح کی رجحانیت ہور  
 اولوالعمری ہور میں آئی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ قوی قہاس کو پتہ تھا کہ اس کی تہذیب و ثقافت کی علامت بتدریج معدوم ہو  
 رہی تھی۔ وہ دود و دوا ہور بچوں ہور ستوں کو سارا دے کر زمین ہوس ہوسے سے بچا نہیں سکتا قہل قہا اس نے وہ دود اپنا یا میں میں  
 انسان اپنی صورت حل (Predicament) پر تھپکی سے غور کرتا ہے ہور دود کی امن شرانہ و کیلیات کو نکلے دل سے قبول کر لیتا ہے  
 ہن سے طر فتن میں ملتا تھا قہل محاورت ارب سموت لریج دالم و فیہ کا اس نے ناقص قہل قہل کی حیثیت سے اپنی شعری و سنی  
 قہل دہ میں تاکہ کیا ہے اس سے اسے قہل سمکتا گج میں بکہ اس کی اپنے قہل سے دہلی ہور بحیثیت ایک ذہن حقیقی کوست  
 سمٹ وہ جیت پہل ہے ہن سے اقبال جیسے اولوالعمر ہور رجحانیت ہور شاعر و حکیم کو اس وقت قہل قہل قہل ہی دی جب کہ "تہذیب قائم" کے  
 بعد "تہذیب نو" کا قہل ہوری ہو چکا تھا۔



## غالب کی تخیلی فکر

غالب کی شاعری کو بحیثیت مجموعی تین عوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تدریجی طور پر پہلا دور وہ ہے جس میں بیدار کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس دور میں غالب نے فارسی شاعری میں اپنی حیثیت سونپنے پر توجہ مرکوز کیے رنگی و خوشبو کو فارسی کی شعری روایت کا حصہ سمجھتے تھے اور اپنا مقام صرف 'نظیری اور بیدل کی صف میں دیکھنا چاہتے تھے اپنی شعرا کی طرز پر شعر کہنے کی بجائے غالب کو مشکل پسند نادار اور ان کی عروہ شاعری پرستان سازی کا قائل بن گئی۔ دوسرے دور میں فن کے اعتبار میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ یہی دور وہ ہے جس پر ان کی شاعرانہ عظمت کا انحصار ہے۔ تیسرے دور میں غالب کا کام سل مسج کی عروہ متاثر ہے۔ غالب کے پہلے دور کی شاعری کو سمجھنے کے لئے فن کا ایک شعور دیکھئے۔

گفت رہا این دلی غفلت دعا کج

شری کرے ہ سرگرمی عمل غالب یا کج

بیدار این دلی سے دلچسپ اور حالت مراد ہے جس کے درمیان رہا اور ہم آہنگی کی کو مشعل کو زندگی کے مقصد سے غفلت قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ غالب کے نزدیک افسان کو چاہئے کہ وہ شری کو رہا کرے اور اگر پڑاں لکھ بھی جائیں تو سر کے بل چنا چاہئے کہ حرکت ہی زندگی ہے اور رک چاہا موت۔ حکیم اس مضمون تک پہنچنے کے لئے انہی خاص ذہنی و درویش کی ضرورت ہے اس دور میں غالب جس طرح غری و تراکیب و طامات کے ذریعے کیفیتوں کو مجسم کرتے ہیں اس کی ایک مثال فن الشعار میں ملاحظہ کیجئے۔

جان دار فنا ہو گیا صوب خوں نہیں

بہار ہم رنگ تو صبرت تاب جاتی ہے

نہ صبرت ہضم ساقی کی نہ صبرت دور ساقی

موی محفل میں غالب گردش خاک جاتی ہے

اس وقت تک عروہ شاعری بہت آگے جا چکی تھی اس لئے غالب کا یہ عروہ اس لئے ہی لہلہ پڑا کہنے یا زیادہ سے زیادہ ان کی انفرادیت کا ایک عقل قائم کرنے کے کوئی میا بننا یا ایسی عروہیں نکال دینا کہ ان کی وسعت اور شدت سے طبیعت کو عروہ کشش کی لذت نصیب ہو سکتی۔ غالب ہی کے بقول۔

جان گسستہ دل ہم نظر کردہ

لذت عرض کشہ عروہ مشکل نہ پوچھ

غالب سے پہلے عروہ شاعری دو نہایت شعور عوار دیکھ چکی تھی جن میں سے ایک دور دلی کا تھا جس کے قاصد شعرا میر، سداورد اور سمنی تھے۔ دوسرا دور گھسٹو کا تھا جس کے سرکردہ شعرا میں اقل و فرا کا نام لیا جا سکتا ہے۔ شعرا شعرا میں غالب نے جس نوع کی شاعری اردو میں کی اسے نہایت معقول و بیدار کے بعد فارسی میں عقل کیا جا سکتا ہے۔ یہی اساتذہ فارسی کے طبقہ اس کا ایک سبب ہے بھی تھا کہ غالب کے شعری مطالب اس زبان میں عوام میں کئے جاسکتے تھے جن کے عود کی زبان تھی اور جس کے قاصد شعرا دہلی تھے۔ دلی کی شاعری اپنے عود کی دلی کے عواروں اور دوا سے مزین تھی یہی وجہ ہے کہ وہ انار کے حوالے سے غالب سے بحر شاعر کہتے تھے اس وقت ایک طرف تو دلی کی داغیت پسندی اور عروہ بندی تھی اور دوسری طرف گھسٹو کی قدریت پسندی اور خیال آفرینی۔ حالانکہ شاعری ہی دگر است کے

مصدق وہاں سے اصراری ہے چہ ہے اور تجلیں کی فضا میں سانس لیتے ہے اور غری کی پانوں کو سر کر لی ہے شعری کے رُک و بار وہ افکار میں ہیں جو ان کی تقریباً ہر جہتی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔

غالب کی شاعری کا اولین دور شاعرانہ میل افسردہ کی پہچان کا مرحلہ ہے ہر یہاں شاعر سماج کے سنے سے دلالت دہانت کرتا ہے جس عہد میں وہ رہا ہے اس کا طرز چاہ اس کے لئے کافی ہو آ ہے ای لئے وہ کبھی دہانت سے دھڑکتا رہتا ہے تو کبھی اپنے انفرادی تجربے اور عقیدہ کو نصیحت دیتا ہے اور چاروں طرف دونوں کے ماحول سے ایک نئے تجربے ایک نئی روایت اور ایک نئے اسلوب کو تشکیل دیتا ہے۔ غالب کا سب سے بڑا کام اس نے فارسی شاعری کے بحرین اجڑا کر اپنے اسلوب کے ذریعے اردو شاعری میں سوجا اور ایک ایسی نئی شعری زبان ترمیم دی جسے نظم و سحر دونوں کی حیثیت پر اتر انداز ہو تا تھا۔ غالب تک پہنچتے پہنچتے اردو شاعری کی روایت یہ بنی کہ جمالیات اور انداز پر ہو بجی حتیٰ غالب نے اسے ایک نئی پہچانی دلائی اور اپنے انفرادی شعری تجربے سے اس کے حق عہد میں نئی روح پھونک دی۔ غالب کے اسلوب شاعری کا سب سے بڑا ذکر پہلو یہ ہے کہ اس نے اردو شاعری کو افکار عالیہ کا تشکیل دیا اور غالب سے پہلے کبھی غری اردو شاعری میں سوجا نہ تھا جس طرح ہر جہتی شاعری میں تاثر پر طور پر ہوتا ہے جس کیلئے اردو شاعری میں یہ فکر کسی جہتی غلطیاں سوجی یا تجربے کی آئینہ دار نہیں رہی تھی حتیٰ غالب سے پہلے کی اردو شاعری میں گہرے مطالب کم ہیں صرف درد اور صبر کے یہاں بھروسہ۔ کے حوالے سے کسی قدر غری ماحول جانتے ہیں اسی طرح روحانی طور پر تصوف کے مضامین محدود سطح پر ہر شاعر کے یہاں سوجا ہیں اس اعتبار سے دیکھا جائے تو غالب کے یہاں پہلی مرتبہ انسانی غلطیاں سوجی اور کسی حد تک مروجہ فکر و فکری دیتا ہے۔ غالب ہی نے شاعری میں عین غری گہرائی پیدا کی۔ غلطیاں اور تحریک شاعری میں یہ قوی اسکلن ہو آ ہے کہ شعریک دھار اور سطحی ہو جاتے یا اس میں شہرت جاتی نہ رہے جیسے غالب ہی کا یہ شعرا ہی ذمہ میں آتا ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوا تو خدا ہوا

دو یا کچھ کو ہونے نے نہ ہوا میں تو کیا ہوا

یہ کہ اردو ادب ہے کہ شاعری چہ ہے اور تجلیں کی تیزابی کا نام ہے اور غلط ذہنی دماغ اور سوچ کے مختلف زوچوں کی تباہی کرنا ہے تاہم غالب کے یہاں ایک ایسا شعری سہا پہلہ ہے کہ اردو ادب کا نام ہے اور غلط ذہنی دماغ اور سوچ کے مختلف زوچوں کی تباہی کرنا ہے تاہم غالب کے یہاں ایک ایسا شعری سہا پہلہ ہے کہ اردو ادب کا نام ہے اور غلط ذہنی دماغ اور سوچ کے مختلف زوچوں کی تباہی کرنا ہے

عشرتِ قطب ہے دنیا میں غا ہر جا

درد کا حد سے گزرتا ہے وہا ہر جا

ہے خیال حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال

غلط کا ایک دور ہے میری گود کے اندر کوا

ہے رنگِ دل و گلِ لہریں ہوا ہوا

ہر رنگ میں بدل کا لہٹت پہاڑ

وہی اک ہمت ہے جو یوں غصہ وہی کھٹ کھٹ ہے

جان کا جلوہ دہشت ہے میری رنجیں زلفی کا

مردِ ہستی کا اسے نہ ہو 2 مر۔ ملین

ضج ہر رنگ میں جلتی ہے سر ہونے تک

کہیں گردشِ مدام سے کھرا نہ جانے دل  
 فطرت ہوں چلا و ساغر نہیں ہوں میں  
 دہر ۛ جلوہ بیکانی مشتاق نہیں  
 ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودی  
 ہو تھا سو صبح رنگ کے دھوکے میں سر گیا  
 اسے دانے بلکہ لب نہیں دانے گل  
 چشمِ خواہی غاشی میں بھی لہا پرواز ہے  
 سرور تو کہو کہ وہ شعلہ آواز ہے  
 دم و دم تہمتِ عجزِ فنا  
 دہائی شوق تراشے ہے پتلیں  
 گلہ ہے شوق کو دل میں بھی چلی جاو  
 گھر میں محو ہوا اضطرابِ دوا کا

غالب نے فن کے دامن کو لیبائی پارک چنی تھیں۔ فطرتی اور اعلیٰ درجے کے شاعرانہ فکر سے محروم ہے انہوں نے نہ صرف اردو غزل کا  
 رد و احوال سے تجاہت اور نئی آنکھوں کے لئے کھوکھ بگل فن کو نظر و احساس اور جذب و تحلیل کی نئی دنیا بنا دی بلکہ بڑا دلکش و زیب وضع کیا جس  
 کے ذریعے نئے طرز احساس کی صورت گری ممکن ہوئی۔ اگر غالب کی شاعری نہ ہوتی تو شاید اقبال کی شاعری کو وہ فکری احساس مہیا نہ ہوتی جس  
 نے اقبال کی شاعری میں کھینچا اندازِ فکر اور عقیداتی نقطہ نظر کو پیدا کیا اس اعتبار سے غالب اردو کے پہلے فطرتی شاعر اور اقبال مجددِ نظم و نثر  
 شاعری ہیں۔ غالب کی شاعری میں فکری عناصر اسی طرح موجود ہیں جیسے غالب میں احرارے ہوئے ایک تہ پر بھی لکھ کا کہیں ہوتا ہے۔

ابراہا ہوا غالب میں ہے ان کے ایک تہ  
 مرنا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی لکھ ہو

جب کہ اقبال مجددِ نظم و نثر شاعر اس لئے ہیں کہ ان کے یہاں افکار کا پورا نظام حرکت کر رہا ہے۔ غالب نے اردو شاعری کے مضامین کو  
 قدیمیت سے نکال کر نیا فہم انہوں نے زندگی اور اس کے مواقع کا نظام اور اس کے عین و اس اور فطرت اور اس کی پہنائیوں کو افکار کیا اگرچہ  
 بعض صورتوں میں غالب کا نقطہ نظر بھی کھینچ رہا ہے تاہم ان کی شاعری میں شخصیت اور حسرت یک وقت موجود رہتی ہے جس کی ان کی شاعری  
 کا خصوصیت آہنگ ہے جو صرف اور صرف غالب کی پہچان ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ غالب کے بہت سے لمبائی افکار قدری شاعری سے آئے ہیں  
 اگر ان کی یہ دونوں زبانوں کی شاعری کو سامنے رکھا جائے تو غالب کے یہاں ایک نیا فہم انسان اور نیا نظر آتا ہے وہ خود بھی ایک پہلے پرواز  
 انتخاب آفریں شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں خصوصاً ان کی قدری شاعری پوری دلورہ انگیز ہے اس میں وہ چاہت فکر ہے جو ہمیں قدری  
 میں حقی کے یہاں دکھائی دیتی ہے۔ غالب اپنی قدری شاعری میں حاشی حیات کے قریب دکھائی دیتے ہیں ان کی شاعری میں گرمی شعلہ اور دھوا  
 تھپتھپ کے بیچے دیا کہ اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کے مطابق بدلنے کا موسم ملتا ہے اگر ان کی اردو اور قدری شاعری کو ملایا دیکھا جائے تو وہ ایک  
 عقلی انتخاب آفریں شاعر نظر آتے ہیں۔

غالب کا لہجہ ہیبت ہے حتیٰ کہ نیا شاعری میں مضامین فرسودہ اور خیالات پرانے تھے ان میں ان کی ایک نہ تھی محض کا احساسِ فہم میں

دست گرد و نگر کوئی نا اور اک با حضور حیات سرے سے بید تھا اس برس مقرر میں غالب و دست کی ملاقات میں ملنے ان کی شاعری میں ایک حیرت انگیز شخصیت نمودار ہوئی۔ شاعری کو دیکھیں تو یوں لگتا ہے جیسے تاریخ کی بے رنگ اور سنگلاخ زمین سے خالقیت کا ہنجر پھوٹ چکا ہو۔ غالب کے یہاں الٹیا میں اصرارے والے ایک سے کلام 'ایک' کی تفسیر اور ایک سے خون کا تجزیہ اور مشرق کی فنی 'ملی' اور اپنی مدح و نوحوں تک انہماک موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں زندگی کے نفسیاتی حقائق کا گہرا شعور ملتا ہے جس سے کام لے کر انہوں نے اردو شاعری کو دنیا کی عظیم شاعری کا رتف بنا دیا۔

یہاں شاعر اپنے ساتھ زبان و خیال کی وسیع دیا لے کر آتا ہے کہ غالب کے یہاں بھی فکر کی گہرائی 'ہندہ' کی شدت احساس کی تاریکی 'تخیل' کی قدرت اور شاعرانہ تجربے کی دست نگر آتی ہے۔ وہ دلیات کی تختی سے پلندی کے کاغذ نہیں بلکہ قلم سے بے جان اور بوجیل دولت کو ترک کرتے نظر آتے ہیں ان کی شاعری میں افکار کی ایک نئی دنیا 'مخل' کا ایک نیا جہاں اور اسلوبیات کا ایک نیا آہنگ موجود ہے انہوں نے اپنے تہذیب اور تصورات کے ذریعے ایک نیا کھف حیات پیدا کیا وہ خود اگرچہ قدیم و جدید کی سرحد پہ کھڑے تھے اور انہیں اپنی تفسیر حق اور توفی دلیات سے جھکا جانے کا مست فہم بھی تھا لیکن وہ ماضی پر دست ہرگز نہ تھے آئینوں سے ڈرا اور طرز کمن پر اذان ان کی قدرت میں ہی نہ تھا اس لئے انہوں نے نئے نئے لفظ اور نئی تفسیر کا استعمال بڑے پڑھائی طریقے سے کیا۔ سرمد احمد خاں کی ایک آئینہ انگریزی 'ہ' انہوں نے ہر مضمون تقریباً یہ زبان جاری رکھی اس میں سرمد کے کام کو مودہ پردہ کی سے تعبیر کر کے نئی تفسیر کی اور کاملاً ان تھکوں میں کیا۔

نغمہ ہائے زمرہ تو سدا آؤرہ

عرف میں طائر بہ پردار آؤرہ

غالب کی مستحق کی طرف گہرائی آگے نے ایک نئی دنیا کو تصور پاتے ہوئے دیکھ لیا تھا نکلنے کو کہ انگریزوں کی مرکز میں کا مرکز تھا غالب اپنی روانی میں دیکھ آتے تھے اور وہاں کی رونقوں اور دلچسپیوں سے بے چارہ حشر ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ غالب کی شاعری میں قدیم انسان کے شعور سے ایک نئے انسان کے اور اک نیک کا سفر دکھائی دیتا ہے۔

اس ساری بحث کا مقصد غالب کے فلسفیانہ شعور کا کتبچہ لگانا ہے۔ غالب سے پہلے اردو شاعری میں فکر کا عنصر محض تصوف کے طباقین کے حوالے سے ہے مگر مشکل یہ ہے کہ تصوف میں ہمارے عوام جتنیوں اور مدعوں کو موضوع بنایا جاتا ہے ان موضوعات کا زندگی کے انوس کا خیال تھا قلی سے بیکہ علاقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ تصوف کے مضمین محدود و پھوڑ کر اردو کے تمام مضمینوں کے یہاں دوانی طور پر موجود ہیں۔ خواہ محدود چوں کہ خود علامہ مصطفیٰ تھے اس لئے ان کے یہاں تصوف کی واردات خلعت تصوف کی اصطلاحوں میں بیان ہوتی ہے تمام انہوں نے اسی حقیقت کی محفل تک پہنچنے کے لئے ہمارے ہی کی پیڑھی کو استعمال کیا کتنے کامطلب یہ ہے کہ غالب سے پہلے اردو شاعری میں تصوف کے طباقین کو پھوڑ کر زندگی کے بارے میں حائل فلسفیانہ نقطہ نظر موجود نہ تھا۔ یہاں یہ سہلی اٹھایا جا سکتا ہے کہ کیا شاعری اور قلمی میں کوئی جاکر حقیقت ہے؟ کیا شاعری فلسفہ ہی سکتی ہے؟ یا فلسفہ شاعری میں اصل سکتا ہے؟ نقطہ تو زندگی کی بنیادی حقیقتوں کا سراغ لگاتا ہے۔ جی کیا ہے؟ کیا ہے؟ کیسے ہے؟ کس لئے ہے؟ فلسفہ ان سوالات کو محفل کرنے میں محفل کا درمیان اختیار کرتا ہے۔ نقطہ کا پرف بھی یہی ہے کہ ہم محفل کے ذریعے حقائق اور پہلی کو جان سکتے ہیں۔ نقطہ سائنس کے عام مولد سے اپنے اصول وضع کرتا ہے اور حائل حقیقت کے ذریعے حقائق تک پہنچاتا ہے انسان چوں کہ اپنے عوام سے ذریعے علم حاصل کرتا ہے اس لئے نقطے کا حقیقی لقیات سے بھی ہے جب کہ شاعری میں نقطہ حقیقی انہوں کے قلم نہیں بلکہ ایک مدیہ کے قلم آتا ہے لہذا ہم شاعر کا نقطہ حقیقت کہتے ہیں یہ دراصل ایک عمومی دوج ہے جو ہر شاعر کے یہاں موجود ہوتا ہے خواہ وہ عقلی شاعر ہو یا نہ ہو۔ شاعر کو کہ چوں کہ حقیقی اور اک دکھتا ہے اور کہ چوں کہ صرف محسوس کرتا ہے۔ اور وہ چار ہوتے ہیں یہ اس کا عقلی اور اک ہے یا جیسے لغت کا حسن محسوس کرنے کی چیز ہے اسی طرح محبت 'قربت' 'فہم' 'جاد' دلچسپ اور رنگ بنیادی

طور پر امتیازات ہیں اس لئے شاعری اور فلسفہ دو فلک فلک مسائل میں اور فنی کی صورت میں ہیں شاعری فلسفہ ہی تو کہتی ہے مگر جبکہ اس کی شمعیت قائم رہے مینہ فلسفہ شاعری میں داخل نہ کتا ہے بلکہ بنی شاعری میں تو آکر لیا ہوتا ہے تاہم شاعری فنیادی طور پر جذبات اور امتیازات سے متعلق رکھتی ہے اور انہی کے دریغ سے ہمیں حقائق سمجھتی ہے شعربند ہند۔ امتیاز کے دریغے حقائق ہم تک پہنچاتا ہے تو وہ محسوس کو محسوس اور محسوس کو محسوس بناتا ہے جب ہی وہ ہمارے حواس کو متاثر کرتا ہے شاعری اور فلسفہ میں ہی حقیقت ہے اسی لئے شاعری اور فلسفہ یکجان تو ہو سکتے ہیں لیکن شاعری کبھی عمل طور پر فلسفہ یا فلسفہ کبھی عمل طور پر شاعری نہیں ہی سکتا مگر ہم کو یہود شاعری سے جو رہا ہے اس لئے کہ شاعری ہر صورت منطق نہیں ہے شاعری تجلی کی دست پہنچا کاہم ہے منطق تو فکر میں رابطے تلاش کرتی ہے اسے منہبہ کرتی ہے مگر شاعری فکر کو حقیقی سطح پر حرکت دے کر فکر اور ہندسہ کو تاہم جھنگ کر دیتی ہے اور یہی کام غالب کی شاعری نے ہی کیا ہے۔

درازدہ تھ لئے اپنے نظریے شاعری کے بیان میں کہا تھا کہ شاعری میں فکر ہندسہ کی آنچ سے پھسل اٹھتا ہے غالب کا کمال یہی ہے کہ انہوں نے فکر اور ہندسہ کو یک جان دو قالب بنادیا ہے۔ فلسفیانہ شاعری وہ نہیں جس میں کسی کسی کو محسوس کر دیا جائے فلسفیانہ شاعری وہ ہے جو ہمیں زندگی کے بعض پریشیدہ امکانات سے آشنا کرے اور جس میں حقائق کی جھنجھ کا عمل تو غیب دینے کی حد تک موجود ہو۔ دنیا کی حکم بنی شاعری یہ آزاد اپنے اندر لازمی طور پر رکھتی ہے وہ ہمیں زندگی کا کائنات اور انسان کے اندر سے کوئی نہ کوئی نئی بصیرت عطا کرتی ہے۔ غالب کی شاعری اپنی خیال افروز نئی بصیرت سمیڑی اور خودمدنی کی ہدایت دہنا کی بنی شاعری کی ہم پہلے سے اقبال نے تو انہیں بجا طور پر جو سلی کے منظر شاعر گوئے کا ہم پہلے قرار دیا ہے۔ غالب کا وہ مرحلہ اقبال نے لکھا تھا اس کا شعر ہے۔

کہ تو آزادی ہوئی دل میں تھرا میدہ ہے

کھنکھن دھڑک میں تھرا ہم نوا خواہیدہ ہے

غالب کا مزاج ایک شاعر اور عقلی کا مزاج تھا جس وقت سے ان کا دل دھڑکا تھا ہی جتنی سے ان کا دامن سونپا تھا ان کے نزدیک ہند۔ تجلی اور فہم و داخل یکساں حقیقت رکھتے تھے وہ جس چیز کو اپنے حواس کے دریغے محسوس کرتے تھے اس کا عملی تجربہ بھی کرنا چاہتے تھے ان کا یہی تجویزاتی رویہ انہی کی حقیقت کو جاننے کا طریق اور فلسفیانہ شعور غالب کے یہی ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ سدا وصل ان کے لئے بڑا اسباب تھا تو یہ ہی مگر بڑا ہو جانے کا خوف جان لیا ہے غالب کا فلسفیانہ دامن وصل سے شگاہم ہونے کا خوف تلاش کر لیتا ہے۔

گر مجھے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا دھال

سویج تمیذ آب میں مارے ہے دست دوا کہ یوں

اسی طرح غالب زندگی کے ہمسے کو حل کرنے کی آخر تک کو مشق کرتے نظر آتے ہیں۔

ہمیں کو ہے نشہ کار کیا کیا

دہ ہر مہر تو چپنے کا مڑا کیا

گویا غالب کتاب پہنچتے ہیں کہ زندگی کی ساری ہر ہی اور سارا نصف مرنے کی وجہ سے ہے یہ زندگی کا انحصار ہی تو ہے جو زندگی میں زیادہ سے زیادہ نصف اٹھانے پر آسنا ہے اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے غالب نے نشہ کے اس مہر کو کسی کو کہ چھری اپنی ضد سے چھپاتی ہائی ہیں ایک ہرچہ و شعری جواز کے ساتھ پیش کیا ہے۔

لیکن لوگ غالب کا درستہ پر ہی انسانی تاریخ سے غلط ہیں ان کا کہنا ہے کہ غالب کی فکر میں جامعیت ہے اور دنیا ہر کے داخل اور باہر نکلتے درہاں فلسفیانہ اور انشودوں اور شاعری کی فکر کا ان کا غالب کے یہی موجود ہے لیکن ہمے کسی لوگ ہیں جو غالب کی شاعری کا حقیقی امین رہے۔ پہل میں ان اور علامہ فضل حق خیر آبادی کی فکر سے قائم کرتے ہیں تاہم غالب کے سوانح مولو کو سامنے رکھ کر ہی ان کی شاعری کو سمجھا جاسکتا

ہے اور شاعری کو سمجھنے کے بعد ہی ان کی باطنی زندگی اور ان کے قصود و نیت اور تخیلات کی وسعتوں، بلندیوں اور گہرائیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ غالب کی شاعری کی تقسیم کے لئے تاریخ، تہذیب، روایات، ادب، شعری، فلسفہ، تعلیمات، مطلق تصانیف اور دیگر کی علوم، عقل و عقل کا پختہ شعور ہی ہے غالب کی شاعری میں چاہا فکر کے اثر، انگریزوں کے ہاں نہیں تھا صرف علوم کی مدد سے ہی سمجھا جاسکتا ہے وہ عقل طور پر فلسفی شاعر نہ تھے ان کے یہاں عقل جیسا کوئی مرتب فکر نہیں ہے بلکہ غالب کا ذہن خواہ صورت، دل یا پر اور باطنی عقلوں کا توازن تھا۔ یہ عقلیں خود بھی ہیں انوکھی بھی اور رکھتی بھی۔ انہی عقلوں کی جدوت غالب اپنے علمی تجربات کو بھی اداسیاتی رخ دے دیتے ہیں۔ غالب کے نظم کی ہدایات پر ان کی غرض و نیت عقلوں کے حوالے سے کام کرنے کی خاص سمجھ بھل بھی رہی ہے۔ غالب اداسیاتی مظاہر سے الگ کیلیات لفظ کر کے زندگی کا سراغ لگاتے ہیں یوں غالب کی منتخب نئے زندگی کو عقلی کی فکر سے دیکھا ہے اور شاعری کی حیثیت سے جان کیا ہے۔

دل آئینہ کہ سائل دیکھائے ہوں ہے اب

اس دیکھنے میں جلوہ گل آئے کرہ کا

نہیہ پھر نکالنے، آج ہم نے اپنا دل

ہوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پلا

نہیہ، دستکس، ہر ایک حالت معلوم

بہار، دل بیخ غالب گل پریشان ہے

ہوئے گل، ہار، دل، ہر چراغ معلوم

جو تری رزم سے نکلا سو پریشان نکلا

جلوہ گل نے کہا تھا وہاں چراغیں اب ہو

یا دہلی چرخچن چشم تر سے ہوں اب کا

آگ ما ہے وہ وہ دیوار پہ سبز غالب

ہم دیہاں میں ہیں اور گھر میں بہار تلی ہے

تخل، ہر جلوہ، نیرنگ، اعتبار

بہتی ہم ہے آئینہ کہ عینہ دہ

بھوم فکر سے دل شعلہ موج لڑے ہے

کہ شیشہ، نازک و سبائے آئینہ گہرا



جو تھو ہوں منتقل وہ شرم سوں لب نہیں  
جیوں کس آری میں مگر فوق تب ہوئے

میر تقی میر

چشم ہو تو آئینہ طالع ہے دور  
سہ نظر آتا ہے رازوں کے بچ  
ہر سر آئینہ رہتا ہے ترا سہ نکلا  
دل کی تھید نہ کرنا تو نہ جیوں ہوا

خواجہ میر درد

وحدت میں تھی حرفِ مدنی کا نہ آنکھ  
آئینہ کیا بھل تجھے سہ دکھا سکے  
مخلص و کس اس آئینہ میں جلوہ لگا ہو سکے  
ان نے دکھا اپنے تئیں ہم اس میں پیدا ہو سکے

علامہ مدنی سبکی

ہم بھی ہیں ترے حسن کے قربان اور دیکھ  
کیا آئینہ دیکھے ہے میری ہاں اور دیکھ

خواجہ حیدر علی آفندی

دکھا دی ہے دل کی صفا وہ جلی کی میر  
کیا آئینہ لگا ہوا اپنے منوں میں ہے  
آئینہ عین صائب نظروں ہے کہ یہ تھا  
چو شہرِ منصور میاں ہے کہ یہ تھا  
دل لپا آئینہ سا صاف صفت پاک دکھتا ہے  
تجھ دکھتا ہے حسن اس میں خود لپٹی کا

مرزا غالب نے بھی آئینہ کے استعارے کو روایت کی تعریف میں بھی استعمال کیا اور بے زبوں اور بے انداز اور بے پلوس سے بھی  
روشن کر لیا بھلاں گورکھپوری مرزا محسن طرہ و نظر کے ہی ہوتے نہیں بلکہ ان کا "استعارہ چلی" بھی اور ہے غالب کے اسلوب میں ایک  
روایت ..... منتقلی قریب اور ہادہائی تذبذب کا احساس ہوتا ہے الفاظ ہوں ڈانگھولت و استعارات وہ انہیں بڑی تکیرانہ فراوانی اور  
حسن کلام طریقہ سے استعمال کرتے ہیں



قاری شامی کی روایت اور اردو کے قدیم شعرا کے کلام سے ملتی ہو آ ہے کہ آئینہ غالب سے نقلِ نقول کے لئے کم اور حکمت و تصوف کے موضوعات کے حوالے سے اردو شامی میں لکھیاں دیا اور آج بھی ہے مگر آج آئینہ کا استعارہ میر جعفری آغلی کے عہد سے بھی کم معنی میں زیرِ استعمال ہے۔

صوفیاء کے نزدیک وجود و دراصل وحدت سے متعلق ہے کائنات بھی دراصل خدا کا خیال ہے خیال کا صاحب خیال سے الگ کوئی وجود نہیں ہو گا۔ خدا وجود حق تعالیٰ پر موقوف ہے اس کا تصور غائبانہ ذریعہ سے ہے دنیا میں ۔۔۔۔ جو مظاہر نظر آتے ہیں۔ جو دراصل عدم کے آئینے ہیں۔ جن میں حقیقت نے اپنا جلوہ دکھایا ہے وہ آئینے کے سامنے کوئی عکس ہو کر آتا تو آئینے میں برائیاں نہ ہائیں گی اس طرح کائنات کے جو نقوش نظر آ رہے ہیں معدوم ہو جائیں گے۔ وہ کی ضمیر حق تعالیٰ کے لئے مشغول ہے۔ جو غالب کے نزدیک صفت میں ذات ہے اس لئے کائنات حق تعالیٰ ہے اور تمام اشیاء وہ ایک ہی ذات کی مظہر ہیں تو ہر نام ممکن حق کی مختلف حرکات یا چہن کیوں رہیں۔

نوحا طوطی فلسفیوں نے حقیقت کی مادی اصل پر کی ہے کہ حقیقت مطلق اور تو ضرور ہے مگر وہ اپنے اظہار کے لئے بلا کا مکنج بھی ہے اور غالب بھی شاید یہی سمجھتے تھے کہ خود کی جلوہ گری کے لئے ہمیں جلتا کا وجود ضروری ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ۔

حکایت ہے کائنات جلوہ پیرا کر ہمیں نکلی  
ہمیں زائر ہے آئینہ باز بیداری کا

غالب صوفی مشرب تھے کہ ہمیں یہ ایک انگ ایٹ ہے مگر غالب کسی بھی مسئلے کو دینی نقطہ نظر سے نہیں سمجھتا تھا چاہے نئے رنگ کے لئے کائنات کے ساتھ ساتھ انکی ذات بھی ایک ہم مسئلہ تھی اور وہ فرماتے ہیں کہ

نعل ہے گوہر حضور حبیب طو شامی میں  
کہ پاں طعاس ہی نقول اور آئینہ دہا ہے  
آئینہ دلہا جوت و جوت کنگا داس  
سحاب بہتر اور دھو بہتر اور

لہر و گلیم آئینہ انصاف ہمار  
ہوں میں وہ دلہا کہ پھولوں میں ہوتا ہے مجھے  
دعا کو تڑپائے فکرت دل ہے  
آئینہ غلہ میں کوئی لئے ہاتا ہے مجھے

میرا نے تصوف کے علاوہ حکمت نقول سے ہر پر مطالعہ بھی آئینے پر ہاتھ لگایا اور کئی موضوعات کی تجربہ بدھنے کے ساتھ ساتھ روایت سے ہٹ کر اسلوب اختیار کیا غالب کے یہاں ایسے اظہار میں داخلی شدت بھی پورے صوبہ پر ملتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

لب میں ہوں اور نام یک شر آرد  
درا جو قوس آئینہ نقول دار تھا

ہلو تو ایک تھکنے تھک کر رہا ہے  
 اور کینہ بھی چاہے دکھ ہو  
 کیا کینہ جانے کا وہ تھک چکا ہے  
 کہ ہے تو خودیہ عالم تبسوں کا  
 یک طرفہ پیش میں کینہ ہلو  
 چاک کر رہا ہوں میں جب سے کہ گریہوں کبھی

عالم کسی نظریے کسی فکر کو آسانی سے قبول نہیں کرتے اور قبول کرنے کے بعد بھی اس کے بارے میں طعن ہو کر رہتا نہیں جیسے بکے لگے اند کا ہوتے انہیں ہر لمحہ مشغول دیکھ رہا ہوتا ہے وہ ہے عالم کے بل جیسے وہیں کے بارے میں انہی فکر اٹھتا ہے وہیں نہیں کہیں اس پابندی سے انکار بھی پوری شدت سے نظر آتا ہے۔

بقول ڈاکٹر ابوالیث صدیقی کے "مذہب میں کوئی خاص فکری راستہ چلا مشکل ہوتا ہے مگر دین عالم کے بطور مطالعہ سے ریاست وادخ طور پر نظر آتی ہے زندگی اور زندگی کے حقائق و مسائل کا واضح فکری میلان ہے۔ عالم کا احساس خودیہ سے محبت کے روپے کو دیکھ کر رہا ہے انہوں نے ظاہر اور باطن کو رکتے کے سلسلے سے مربوط کیا تھا عالم کے اس انداز فکر نے انہیں کبھی موت یعنی فنا سے خوف نہیں کیا اور حضرت علیؑ سے ایک خاص محبت و حدیث کے حوالے سے بھی عالم کے لئے موت کی کوئی حقیقت نہیں جڑا ہے کہ وہ اسے ایک اور ستر خیال کر لیں اور کہیں۔

ہو ہے کینہ طاق ہلو  
 تھکنے تھکنے سے پیدا ہے کل  
 وہ عیبت نعل و طور شدہ پراگندہ طیل  
 وطن جلم سے بھی کینہ قہر میں آیا  
 ہلو ہے فکر ابد ہم جتنی و ہم  
 تو ہے کینہ فراق ہلو و نسکوں

ہر شاعر و ادیب کے چند مخصوص استاد ہوتے ہیں جو دل کی گونجوں میں اتر کر انکی دنیا میں جا پہنچتے ہیں انکے دماغ میں سوانح کر جاتے ہیں اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان استادوں پر طعنیں رقم کرتا چلا جاتا ہے کسی کو اس امر کا احساس ہوتا ہے اور کسی کو نہیں شعور میں ہوتا ہے میر تقی میر کی شعری کی فضا، حق "دل" "نار ہلو" "ایر" "آئو" یا ایک کے استاد نے ہماری طور پر چھائے ہوئے ہیں اور میر بھی اپنے قدیم سے زیادہ۔۔۔۔۔۔ ہر چہ محفل میں استادوں سے کام لیتے رہے مگر مرزا عالم کی سی حدت و ترکیب اور ہلو دماغی انداز کے نہ کسی قدیم شاعر کے بل جاتی ہے اور نہ آج کے کسی شاعر کو قہر میں آتی ہے انکے کام میں حدت اور اور حدت جلی اٹھا ہوا ہوا اور ہلو ہونے کا محبت ہیں اور اس شعری پہلو داری دیکھئے۔ مرزا لہائے ہیں۔

ایک ہے تم جگر دیکھتے ہو کینہ  
 جو تم سے شرمیں ہوں ایک وہ تو کہ کر ہو؟

اس شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انسانی طرح کے ایک دو ممکن شرمیں اور ہوں تو نہ معلوم شرم کا کیا حال ہو اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم آنکھیں میں لپٹا کر کسی ہی دیکھ کر اس سے لپکتے ہو اگر ایک دو ممکن شرمیں اور بھی ہوں تو چاہئے بارے حد کے انفرادی کیا حال ہو۔

مرزا غالب نے بدعت ترکیب اور پیلوڈاری سے اور زبان میں دسمت و ارتقاء کے حیرت انگیز امکانات پیدا کر دیے اور اردو زبان میں نہایت عقلی افکار و خیالات کے اظہار کی راہیں نکالیں اور ان غالب کے مطالعہ سے انہی نیکوکاروں نے ترکیب اور اشعار طے جاتے ہیں جو مرزا غالب کی فلسفیانہ طبع اور بدعت مزاج کے آئینہ دار ہیں، اگر ہم اپنے مضمون کا دائرہ صرف آئینہ کے حوالہ تک ہی محدود رکھیں گے، مرزا کے دواں (مروجہ کل دواں پگندنا) میں آئینہ کے حوالے سے ۲۴ کے لگ بھگ اشعار ہیں اور ۱۰ غزلیں انہی ہیں جنکی مدح آئینہ ہے۔

بکہ باقی ہے وہ دلف بخت آئینہ ہے  
ہے شمس کہ شعلہ آئینہ آئینہ ہے

س ۱۱۸

اور غزل سات اشعار، محفل ہے  
جبکہ دوسری غزل کا مطلع ہے۔

اور مرزا بے درد دل و دل ہے آئینہ  
طولی کو شعلہ سے متعل ہے آئینہ

س ۱۱۹

اور غزل سات اشعار، محفل ہے۔ جبکہ نو گہر (۱۸۸۲ء - ۱۹۰۰ء) برطانوی دواں غالب کا کل مروجہ کل دواں پگندنا اور دواں غالب کا کل کے باب حقوق (۱۸۸۲ء ۱۸۸۳ء) میں (ص ۲۵۰ تا ۲۶۱) میں ایک شعر بھی آئینہ کے حوالے سے دستیاب نہیں ہے جبکہ نو گہر (۱۸۸۵ء) کے باب شعلہ دواں کا کل (ص ۳۱۷ تا ۳۲۲) میں آئینہ، مرزا کے صرف دو شعر ہیں اور دواں اشعار میں آئینہ بہت سیما کی ترکیب اشعار میں آئی ہے گہر اشعار کے مطابق میں بہت نقوت ہے۔

چا کہتے ہو طو میں دلوں کرا ہوں نہ کہوں ہوں  
بیٹا ہے بہت آئینہ سیما مجھے آگے  
سب کو حیل ہے دعویٰ تیری یکتائی کا  
دودھ کوئی بہت آئینہ سیما نہ ہوا

اور نو شیریں (۱۸۸۲ء ۱۸۸۳ء) کے (ص ۲۵۰ تا ۲۶۱) برطانوی دواں کا کل کے بھی صرف دو اشعار میں آئینہ کا استفادہ ہے۔

کب گھٹے کوئے یاد میں رہنے کی وضع یاد تھی؟  
آئینہ دار میں گئی حیرت عقل پا کہ ہوں

کہ تھو پہ کئے اظہار ہوائے میل  
دیکھ دہشت میں سبز آئینے کا ہوا

اس طرح نو شیریانی باب کلام بحر از ۱۸۶۱ء اور مکی و ۱۸۶۲ء کے حصے میں صرف ایک شعر میں آئینے کا استعارہ پایکا نظر آتا ہے  
(ص ۳۳۸ تا ۳۳۹)

کیا آئینہ قالے کوں نقشہ مجھ سے جلوے نے  
کسے ہو پہ تو نورشیر عالم بختی کا

نور بھوپال محیط غالب (۱۸۶۳ء تا ۱۸۶۹ء) میں سب سے زیادہ اشعار یعنی ۳۵۵ میں آئینہ کا استعارہ کیا ہے مگر نمبر ۳۳ سے شروع ہو کر  
مگر نمبر ۴۰۹ کے اختتام تک ہے اس کے بعد آئینہ پہ اشعار نور بھوپال (مشمول نو میندے) کے باب (ص ۳۳۸ تا ۳۳۹) اور (۱۸۷۱ء تا ۱۸۷۲ء)  
میں ہیں لیکن ۵۹ اشعار نور بھوپال کے بعد نو میندے میں ملتے ہیں۔ تکرر (نور بھوپال) باب تک کہ سورہ (ص ۳۳۹ تا ۳۴۰) بطریق (۱۸۷۳ء تا ۱۸۷۴ء)  
میں آئینے پہ صرف ایک شعر ہے اور وہ یہ ہے۔

غزل آفریں کچھ سرائی طبعی ہے  
آئینہ خیال کو غرضی بنا کہوں

مرزا غالب نے اردو زبان میں وصیت اور لڑکا کے پختہ اشعار مینا اور دہاکے انکی مثال ان سے پہلے کسی شاعر کے ہاں نہیں  
ملتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ یہ شعر بھی سطروں پہ (پہلو داری) سے زبان کا استعمال کر سکتا ہے وہ انکی ہی سطروں پہ کائنات کے اور اک  
کی علامت رکھتا ہے لیکن ایسٹ اینڈ ویسٹ میں گفتا ہے کہ "شعور کے (بحیثیت شعور) (فرائض قوم سے  
بالواسطہ جوتے ہیں مگر اس کا بارہ راست فرض تو اپنی زبان سے ہوتا ہے کہ ایک تو وہ اس کو محفوظ رکھے اور دوسرے یہ کہ اس کے پیمانے  
اور ترقی دے اور وہ چونکہ دوسروں سے زیادہ ہاشور ہوتا ہے اس لئے احساس و اوراک کی کئی شکلیں تلاش کرتا ہے اور ان سے اس اپنی  
زبان کو ترقی دیتا ہے اسے باہل کرتا ہے اور اس کے انداز میں اضافہ کرتا ہے۔"

آئینے کے حوالے سے غالب کے اوراک مشہور اور خصوصاً تراکیب کی جہت پہلواری اور عروت ہاں کے عروج کا اندازہ کیا جا  
سکتا ہے۔ انہوں نے آئینہ کو آئینہ بھی لکھا ہے اور آئینہ بھی یعنی (بے) کے بغیر بھی (بعض شعروں میں ضرورت شعری کے تحت ہادھا  
ہے) انہوں نے آئینے کے استعارے کو اپنے ہر سہ سے زیادہ داری تراکیب اور نئے سطروں سے اپنے اشعار میں ہادھا ہے جسکی مثال د ان  
سے پہلے کسی شاعر کے ہاں ملتا ہے نہ اس کے بعد کہ جب اردو زبان دنیا بھر میں پھیل چکی ہے اور وہ زیادہ ترقی کر رہی ہے) مرزا غالب کی  
جہت تراکیب اور پہلواری دیکھئے۔

آئینہ۔ آئینہ خیال۔ کشور آئینہ۔ آئینہ بے صری آئینہ کشل۔ آئینہ قہیر۔ آئینہ حسن آئینہ۔ آئینہ کہ۔ آئینہ دیوار۔ آئینہ احمق۔ آب  
آئینہ۔ جوہر آئینہ دل آئینہ۔ آئینہ دار۔ آئینہ الجہا۔ بچل آئینہ۔ آئینہ کار۔ آئینہ لا۔ آئینہ دوہلا۔ آئینہ گل۔ آئینہ دغل۔ پشت  
آئینہ۔ دار۔ حد آئینہ۔ (صحت آئینہ۔ آئینہ دیوار۔ آئینہ افکار۔ منہ آئینہ۔ آئینہ اعتبار۔ دامن آئینہ۔ گرد آئینہ۔ آئینہ دہم۔ آئینہ ہوا۔  
آئینہ گلشن۔ صہ آئینہ۔ صورت آئینہ۔ گو آئینہ۔ آئینہ طوطی۔ آئینہ غلام۔ دل آئینہ طرب۔ آئینہ دار۔ آئینہ موزوں۔ آئینہ قہیر۔ آئینہ سہل  
آئینہ خلق ہاں۔ آئینہ جہاں۔ ظلم آئینہ۔ آئینہ بند۔ طوطی۔ آئینہ بند لعل۔

اور سادگی درائیک کی ترتیب میں ہے کہ

ہام ہر آئینہ۔ آئینہ ہاں شربہاں ہر آئینہ۔ آئینہ نور ہر آئینہ۔ خد شمع آئینہ۔ آئینہ عاز ہے خاک۔ آئینہ پرداز  
 نقشب۔ آئینہ دارغ۔ حیرت۔ مٹانے حیرت آئینہ۔ آئینہ غرار قند۔ جاہلین ہر آئینہ۔ آئینہ مد خلوت۔ محل ہے آئینہ۔ چال ہے  
 آئینہ۔ افوق گل ہے آئینہ۔ آئینہ بھی در طاعت۔ شرم آئینہ تراں۔ آئینہ محض خاک۔ آئینہ اظلال بدلہ۔ آئینہ ہر اظلال قتل گداز  
 آئینہ۔ آئینہ حلت تب۔ قتل در آئینہ آئینہ فرقی شمس۔ زنگار نور آئینہ۔ آئینہ اظلال گرہ۔ آئینہ دست بہ دست۔ آئینہ  
 ہادی گویہ۔ جلت کرخی آئینہ۔ آئینہ حسن یقیں۔ ہر آئینہ سنگ۔ آئینہ غلاب گری شیریں۔ آئینہ بخت بدار۔ آئینہ ہر عشق۔ ہر دوست  
 آئینہ۔ آئینہ پرداز زلف خیال آئینہ ساز۔ بت آئینہ جملہ آئینہ گداز عاب۔ ہام آئینہ قصور لہ۔ آئینہ ہر اظلال قلع ستم آئینہ۔ آئینہ شکن  
 اظلال قتل۔ ہمار آئینہ۔ آئینہ فرقی اظلال و نمکس۔ آئینہ تیرا اظلال۔ آئینہ برگ گل۔ فن درائیک کے سرسری مطالعے سے بھی یہ احساس  
 ہوتی شہوت کے ساتھ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ غالب کسی بھی چیز کو ایک رخ سے دیکھنے کے قابل نہیں تھے انکی عواطف ہر لحاظ پر طبع  
 انہیں کسی حکم پر زیادہ دیر غور نہیں کرتی تھی وجہ ہے کہ غالب کے استعاروں تشبیہوں اور درائیک میں سے فن کا نظر جھٹکا ہے  
 اور یہی نہیں کہ غالب کے ہاں صرف آئینہ کے حوالے سے اتفاق اتنی عدوت اور درائیک کی بدلت ہے بلکہ وہ صفی کثر اظلالی کے  
 قابل تھے اور محض دو اظلال دو فن نہیں سمجھتا تھا اسی لیے فن کے ہاں خیال۔ قند۔ تہل۔ فنان۔ خود و دل اور گھر کے حوالے سے بھی  
 جی شاعرانہ رجحان ہی قصوریں نظر آتی ہیں اور اس کے علاوہ بھی دائروا استدلال ہیں جنہیں غالب نے دندہ و ہلہ دھاوا اور کوئی بھی  
 لنگے بعد اس مقام ارفع و ادنیٰ تک نہیں دیکھا۔

مگر غالب چونکہ لڑکا اور غیر آشنا زندگی پر یقین دیکھتے تھے غریبہاں تکلیف کے مقابلہ میں اور بھی کسی حکم سے کسی کام سے  
 مطمئن نہ ہوتے اور یہی فکر تکلیف انہیں عالم حیرت میں لے گیا جہاں سے ان کے فن میں کیوں اور کیا ہے؟ آنکا ہوا۔ اور ایک نوع  
 کی اتھا پندی اور انداز فن کے نو میں سرائت کر گیا اور انکی فکر پر چھائی وہ زندگی کے ہر لمحہ لڑکا پانہ ہونے پر یقین دیکھتے تھے اور بہت  
 دباؤ آواز کے شیکسیر کی طرح غالب کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آخری تجربے میں وہ قبولیت پند تھے یا رجعت پند  
 ان کا تصور حیات علیہ قیادہ طریقہ کیونکہ غالب کے مزاج میں سب عناصر شامل تھے اور وہ زندگی کو اپنی عناصر کا مرکب سمجھتے تھے غالب نے  
 بطور شخص زندگی کو ایک حقیقت پندارت نظر سے دیکھا برآ اور قول کیا اور زندگی کے بارے میں ان کا یہی رویہ مواد ہر لمحہ باطنی  
 حقیقتوں اور لڑکا کے بدلنے دہانوں کو دوسروں کی نسبت آسانی سے قبول کرتے رہے اور شعر میں غالب نے اپنا مقصد "آئینہ زلفوں و  
 صورت صفی نمودن" قرار دیتے ہیں چنانچہ صفی اظلالی کا ہر شکل غالب کی شاعری میں نظر آتا ہے وہ اپنی شکل آپ ہے صفی اظلالی اور  
 حقیقت پندی کی اس کوشش میں غالب کے گھر خیال کی لہریں ایک ہی رخ پر نہیں بہتی اور نہ لنگے سوار ہیں یہ ایک ہی لے کے نکلے  
 پھرتے ہیں غالب "تیرنگ صورت" اور تیرنگ قنار اور آئینہ ہر جہاں کے دراصل تھے ہفتہ جالی پر پڑیں کوئی غالب کی پہلو اور یہ قصوں  
 شخصیت کی ہی عکس ہے یہ فن کا سرمایہ بھی ہے اور فن کا اکتیاد۔

آخر میں آئینہ کے حوالے سے مرزا غالب کے گھر انہیں کو چلا دینے والے اظلال کا انتخاب کیے مرزا کے آئینہ عاز میں چلے ہیں  
 اور ہزار حوصلہ شکن جلوہ ریزی کرتے ہیں۔





## غالب پر رفیق خلود کی دو قدیم تحریریں

۶۵ برس پہلے نگارشات کی ہدایت

میں محمد رفیق حسین خلود "۱۹۱۶ء" کی سہولت میں فیملی کے بکرم پرچا تھے۔ ڈاکٹر صدیق حسین خلود ڈاکٹر محمد صدیق کے بھائی تھے۔ رفیق خلود ۱۹۵۸ء کو ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ خلود سید محسنی ۱۹۵۰ء کو کراچی میں فن کا اہلکار ہوا۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے (آنرز) کیا۔ پھر ان کا خاص مضمون قدس لوانک عری سے انہیں لکھنے کا شوق تھا۔ "راوی" (پندرہ گورنمنٹ کالج لاہور) میں فن کی نگارشات انہم و ستر ۱۹۷۷ء اور پھر کے شمول میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

میں صدیق حسین خلود (۱۹۱۶ء - ۱۹۷۷ء) نے ۱۹۷۳ء میں فن پر پندرہ فیملی سے ملنے پر فیملی کی ایک تصنیف کے لئے دیکھے: پندرہ فیملی میں اردو تحقیقی ڈاکٹر سید محسنی ارمین لاہور ۱۹۷۸ء میں ۳۰ ڈاکٹر محمد صدیق (۱۹۱۶ء - ۱۹۷۷ء) نے محمد حسین خلود پر تحقیقی کام کر کے ۱۹۷۰ء میں "غالب پندرہ فیملی لاہور" سے فیملی کی ایک تحریر حاصل کی۔ دیکھئے: پندرہ فیملی میں اردو تحقیقی "پندرہ" میں ۱۹۷۷ء میں ۲۸

رفیق خلود کو غالب سے بڑھ کر دل دہی "راوی" میں ان کا ایک مضمون "غالب کی ادبیت کا تاریخ پرچہ" ۱۹۷۲ء کے شمارے میں پہلا۔ اسے "راوی" میں پہلے دیکھے والے غالب پر پہلے لکھنے کی غلطی کا اقرار حاصل ہے۔ یہ مضمون غالب پر غالب محمد رفیق خلود کا پہلا مضمون بھی ہے۔ اس وقت وہ چار برس کے تھے۔ انہوں نے جاس برسی کی عمر پہلی۔ غالب سے ان کا شغف فن کے تمام اظہار تک دوسرا تھا۔ وہاں

مجھے غالب اور مصر غالب کے بارے سے ڈاکٹر سید محسنی ارمین کے کتب خانے میں رفیق خلود کی دو کتابیں ملیں۔

۱۔ "غالب پندرہ" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، صفحات ۲۲۲

۲۔ "غالب پندرہ" مطبوعہ کراچی ۱۹۷۸ء میں ۷۶

پہلی کتاب "غالب پندرہ" ذوق کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ اس کتاب سے مجھے غالب کے بارے میں رفیق خلود کی ایک "غیر مطبوعہ" کتاب کا سراغ ملا

"دور انک کے ماحول اس حقیر مضمون میں میں لکھتا ہوں۔ "دور انک" میں مرزا غالب کی شخصیت اور کام پر تبصرا کیا گیا ہے۔

(غالب پندرہ" میں ۲۳۸)

"غالب پندرہ" مطبوعہ ۱۹۷۰ء پر فتح ہو گئی ہے۔ مطبوعہ ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۲ء میں رولرز کی تصنیفات "غیر مطبوعہ" کے قسط میں صدیق حسین خلود میں محمد صدیق اور میں رفیق خلود کی مجموعہ "تصنیفات" (غیر مطبوعہ) کا تبادلہ کرایا گیا ہے۔ مجموعہ تصنیف دیگر "غالب کے بارے میں رفیق خلود کی کتاب کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ۔

"دور انک" بخاری مرحوم کے طرز میں غالب کی شاعری پر ایک پر سن تبصرا ہے۔ "یہ محمد

غالب" کے بعد وہ دوسری کتاب ہے جس میں مرزا غالب کے کام اور شخصیت پر ہر پہلو سے گہرائی





- ۱۸۔ جولائی ۱۸۵۹ء کو "کراچی فروری ۱۸۵۹ء" میں صفحہ ۲۱
- ۱۹۔ سرب فزولے قزوے "لہ نو کراچی فروری ۱۸۵۳ء" میں صفحہ ۳۸
- ۲۰۔ کلام غالب (نسطجیل قدوائی) پر تبصرہ "فروری ۱۸۵۳ء" میں صفحہ ۵۶-۵۷
- ۲۱۔ غالب۔ لیتھائی دور "ڈاکٹر خورشید مسعود" پر چھ سطریں "لہ نو کراچی فروری ۱۸۵۳ء" میں صفحہ ۵۷
- ۲۲۔ گنجشہ دار خیال (مضمون پر سلسلہ غالب):
- ۳۳۔ یوم قدح (پیش لفظ غالب نمبر) "لہ نو کراچی فروری میں صفحہ ۸۷
- ۳۴۔ رشتہ دلکش فارسی (غالب) "لہ نو کراچی فروری ۱۸۵۵ء" میں صفحہ ۳۸-۳۹
- ۳۵۔ DE PROFOUNDERS (ڈاکٹر جی ڈیٹر غالب) "لہ نو کراچی فروری ۱۸۵۵ء" میں صفحہ ۳۲-۳۳
- ۳۶۔ نذرانہ حقیقت پر غالب کا تذکرہ "کراچی" فروری مارچ ۱۸۵۹ء
- ۳۷۔ نذر غالب کا تذکرہ "کراچی فروری مارچ ۱۸۵۹ء" میں صفحہ ۴۰-۴۱

یہ تصدیقات اس امر کی توثیق کرتی ہیں کہ غالب "مدۃ العمر" رفیع غلام کے مطالعے کا مرکز اور ہی کے لئے پہلی تحریک توجہ اور تخلیق کا سرچشمہ رہے۔

ایک محفل میں رفیع غلام کی بہ نادر شائستگی کی باری ہیں۔ ان میں پہلی قرآن (غالب کی افتخار) دہلا "اروی" دہلا کے شانہ مارچ اپریل ۱۸۵۳ء میں چلی۔ اور دوسری قرآن (ممتازہ لائق و غالب) ان کی تیسرے مصروف کتاب خانگی پر ملبوس اور آخری ۱۸۵۳ء کے آخری باب کا چھ حصہ ہے۔ ان ۵۵ برس سے زیادہ قدیم تعلیمی پادہ پائے اب کو "لہ نو" کے نام غالب نمبر میں چھ دیا اس حوالے سے داسی ہو گا کہ رفیع غلام برسوں "لہ نو" کے بارے میں شہر اور گروں رہے اور اس حیثیت میں انہوں نے دہلا کے حصہ "غالب نمبر" پیش کیے۔

۱۸۵۶ء میں جید وقار عظیم نے "لہ نو" کے بارے کی حیثیت سے "فروری" کے پہلے کو مطالعہ غالب کے لئے مخصوص کرنے کی دلیت دالی۔ یہ خصوصیت بعد کے برسوں میں "لہ نو" کا انتہائی نکلنے والی رفیع غلام نے "لہ نو" کے بارے کے طور پر ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۶ء تک ہر برس فروری کی اشاعت میں ایک گوشہ نگاہیات کے لئے مخصوص رکھا۔

فروری ۱۸۵۳ء کا غالب نمبر اظہار قرینگی کی ادا کرتے میں شائع ہوا۔ اس شہرے میں رفیع غلام کو "انگراں لہ نو" لکھا گیا ہے۔ فروری ۱۸۶۶ء کی خصوصی اشاعت غالب پر رفیع غلام کا نام بطور "مشیر" درج ہوا ہے۔

## غالب کی ذہنیت

### محمد رفیع غلام

غالب کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دو باتیں خاص طور پر محسوس کرتے ہیں اس کی عام انسانی سرشت اور خلی تخلیق (High Minded men) بطور یہ دونوں باتیں مفصل معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کا امتزاج بھی شاد و ہر وقت میں آتا ہے۔ غلام کے لئے

ایک ایسے مزاج کی شہادت ہے جو دنیا جیسا ہے مجھ و جودہ کر خود و فکر کہ اس کا ایک دنیا کی آزادی اور داخلی سے مطہر کرے۔ ایک انسان کی طبیعت سے نہ دیکھیں اس لئے لانا ایک شخص جس کی طبیعت کا انہیں عنصر غلبت یعنی امور علیہ سے داخلی ہے۔ عام انسانی طبع اور افراد سے بہت مختلف ہو گا۔ ایک ہی طبیعت میں عام انسانی طبع یا دنیاوی امور میں دلچسپی اور فکر بشکل متبع ہوتے ہیں۔ لیکن دنیا کی بزرگ تر چیزیں جنہیں ان دونوں خصوصیتوں کی پہنچ ہے۔ شہسبہ۔ گنگے اور مدنی اس کی نہیں ملتی ہیں۔ غالب کی طبیعت اس لحاظ سے شہسبہ اور گنگے کی طبیعت کے ساتھ غلبت مطہرہ رکھتی ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ مرزا کی طبیعت (Commonness) شہسبہ سے ذرا مختلف واضح ہوتی ہے۔ اگرچہ یہی شاعر کی اس خصوصیت کا بعضی عام غلبت (Practicality) ہے۔ میں یہاں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ غالب اس قدر اہمیت عقلی اور فکر ہونے کے بدلہ عام غلبت کے کس قدر قریب ہے۔ اور وہ دنیا کو کچھ دے دے یہ کہتے ہوئے بھی اس کے عقلوں اور کاموں میں عام احساس کی طرح دلچسپی لیتا ہے۔ اسی کے سے جذبات اور خیالات کا خاکہ ہے۔ اور انہی کی بناء آوردہ میں اور امیدیں دیکھتا ہے یہ لفظ دیکھو غائبی و غائبی کی طرف مائل عام انسان کی بناء رد عمل کرتا ہے۔ وہ دنیا کی شے کی طرح اہمیت سے مرہون نہیں۔ اور نہ ہی اس کی طرح ایک صوفی ہے۔ اگرچہ اس کے ذرا غلبت شہسبہ سے ثابت کرتے ہیں کہ مرزا نے اسی طرح ملوک کے قلم بردار بننے کیلئے، جس طرح راستے نے روزگار اور جنت کے مراحل طے کئے۔ فرض غالب کے خیر (Mind) کی جیسے نزدیک سب سے لیاواں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں وہ زندگی اور کائنات کے قلم پلوں کا محقق و وسیع مطالعہ کرتا ہے وہاں ایک عام روزگار کے مخصوص رکھتا اور فکر سے بھی بچتا نہیں۔ اس کے خیر کا ایک بدلتی جلد ہے اور ایک دیریں ایک ارفع داخلی اور ذرا عام، کوئی غالب کی طبیعت کی یہ زندگی اس کے اعلیٰ سمجھ اور فکر اس سب میں جادو کر ہے۔ عقل کے طور پر ہم حلق کو لیتے ہیں۔

مرزا کی شاعری میں حلق کا عنصر کس قسم کا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس کا مطالعہ اقبال یا شے سے کرنا چاہئے۔ ان دونوں کے نزدیک محبت ایک ایسا ہی چیز نہیں، یہ ایک شہسبہ، ارفع اور داخلی جذبہ ہے۔ بدھ کی انسانی محبت ان کے نزدیک مضمون ہے۔ ان کی محبت کے لئے کاجو، راجہ، رعایت ہے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک قسم کی نفسی محبت کا اظہار کر رہے ہیں، جن سے عام انسان نا آشنا ہیں۔ اور اگر وہ انسانی محبت نہ ہو تو محض ہستی ہو اور نہ داخلی یا صوفیانہ۔۔۔ تاکہ بھی کہتے ہیں، تو اس میں شہسبہ کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ کم از کم اقبال اس قسم کی محبت کا اظہار نہیں کرتے۔ شے بھی محبت انسانی محبت کے گیت گاتا ہے، لیکن اس کی محبت ایک عقلی شے ہے، اس کا عام انسانی جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔ مرزا تو شے یا اقبال کی علامت محبت سے ہنس نہیں ان کی محبت زیادہ ذرا انسانی اور انسانی ہے۔ لگے اس سے شاعر کی اہمیت سمجھ نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اس کا حلق محض ہوسٹک ہے۔ میں اس کی عام نوعیت ظاہر کرنا چاہتا ہوں غالب کی محبت بدھ کی محبت سے ملتی جلتی ہے۔ اگرچہ اس میں وہ عقلی، تنہا، عقلی جذبہ اور عقلی مہارت نہیں جو بدھ کے مخصوص ہے۔ غالب کے مورد ذرا اعلیٰ شعور کا حامل ہوں۔

نہ اس کی ہے مدح اس کا ہے داعی، انکی ہیں	جس کے ہاں ہستی دھنیں پڑھیں ہو نہیں
وہ کیا بھی میں تو ان کی گلیوں کا کیا جواب	یہ نہیں جتنی دھنیں صرف وہیں ہو نہیں
گدا سمجھ کے وہ چپ قمری ہو شہسبہ ملی	اٹھا اور اٹھ کے قدم میں تے پاسوں کے تے

ان شعروں سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ ان میں کوئی روحانیت یا بزرگی نہیں پائی جاتی۔ مرزا کی محبت ایک عام انسان کی محبت ہے۔ آپ نے اپنے محبوب کی وفات پر ایک مرقع لکھا ہے۔

وہ سے میرے ہے قہر کا ہے قزاقی ہائے ہائے  
کا ہوئی غلام تری عظمت شہسبہ ہائے

دلی یا شیعہ بھی اپنی محبوبہ کا مزاج ان الفاظ میں نہ لکھتے۔ بدلی بھڑکیں یہ نظم سوسن کی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم غالب کی طبیعت کا اندازہ رکھیں (۱) ہم، حقیقت اصلی اندازہ ہو جاتی ہے۔ اس عام اللہ طبیعت کا نتیجہ ہے کہ مرزا دانش۔ اصلی حسن و جمال کی تعریف، ہر دماغ، رجحان، دلچسپی کے مطابق اس کثرت سے رقم فرماتے ہیں۔ جنوری مرحوم نے دوست فرمایا ہے کہ "مرزا غالب کی مشوقہ مرثیہ نہیں، جو خیالی غیر سے پاک اور جنس متعلق سے پاک ہے۔ بلکہ زیادہ ہے۔ وہ خود پست نہیں بلکہ سری کلین۔ اگرچہ آپ کرشن اور بیکس کے علی الرغم حسن سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے۔

اس کے برعکس غالب از عقل و محبت کا ذکر نہایت لطیف طریقہ سے کرتے ہیں۔ اور اس کا مدنی پلو واضح فرماتے ہیں۔

گرتے ہی میں ہو خیال واصل میں شوق کا نڈال      صبح میرا آپ میں بارے ہے دست و پاکیاں  
دائے دواگئی شوق کہ ہر دم اچھ کو      آپ چاہا فوج اور آپ ہی جیوں ہوا  
بھونڈا سر غلب کی طرح دست بھانے      خودنید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

یہی غالب کی رخصت پسند طبیعت دکھاتا ہو گی ہے اور اس حالت میں اس نے جو شعر کہے ہیں، ان کا شوقی شعرا کے دلوں میں جواب نہیں۔ بعض اشعار میں آپ نے دلی اور آکرم کی مانند خصوصیات اور کہیں کہیں کیرات شعر کہے ہیں۔ یہ شخص ان کی جلی بند نظری کا نتیجہ ہے۔ وہ نہ ایک عقلی صفت نہیں۔ ان کی تعلیمات سرشت خود بخود ان کو ان تعلقات کی طرف لے جاتی ہے۔ اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ غالب کے شوقی اشعار دو قسم کے ہیں۔ ایک ارض و آسمانی اور دوسرے عام چہرے کے انکیزہ دار اور یہ شخص ان کی دورگی طبیعت کی ظاہری علامت ہیں۔

اس طرح اگر ہم مرزا کے طرز فکر "شاعرانہ زبان، صورت (imagery)، اور کلمہ، آہستہ، قدرت، خدا، غلب، انسان و حیوان کی نسبت خیالات کا مطالعہ کریں اور ان کا قدرت یا زندگی کو سمجھ کر کے کا طریقہ دریافت کریں؟ ہمیں ان کی طبیعت کی دورگی صاف طور پر محسوس ہو گی۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات سرشت خود بخود ان کو ان تعلقات کی طرف لے جاتی ہے۔ اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ غالب کے شوقی اشعار دو قسم کے ہیں۔ ایک ارض و آسمانی اور دوسرے عام چہرے کے انکیزہ دار اور یہ شخص ان کی دورگی طبیعت کی ظاہری علامت ہیں۔

غالب کی طبیعت میں ہوش و فرنگ (balance) کا ایک لہلہا حیثیت حاصل ہے اور اس نے ان کی تمام خصوصیات اور عملی مرکز میں پے اڑایا ہے۔ یہی سب کہ بعض اصحاب غالب کو محض عقلی شاعر تسلیم کرتے ہیں اور جس۔ ہم ان سے اس بارے میں متعلق نہیں، ہم اس شعری استعداد کی سے انکار نہیں ہو سکتا غالب کے لئے یہ جو ہر ایک دوست صلیف قدرت تھا ایک طوق گم افشار۔ قدرت اس نے ان کو ایک باطل جدید رنگ اور چہرہ طبیعت کا نقشہ بنا دیا اور اپنے اندر کی کوئی شامی سے بھر کر کے ان سے بے غوراء اجلاص صادر کر دی۔ مرزا نے اپنی سادست فکر سے ہم نے کہ اور غزور خطا فرمائی کا رنگ ہی بدل دیا۔ اس دو فنی طبع اور تصور نے ان کو بدلی "ناصر علی سہری اور قصوری اور دیو کے بخور سے بھنے میں مدد دی اور وہی فراوانی نے ان کو ہر جہاں، تسلیم سے غفلت نہ ہونے دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مرزا نے اس کی بدلت اور کیرات اور عاقلانہ شعر کہے ہیں پے دیا کتب بھی سواد عقلی ہے۔ ان کا اور دواں داخلی قسم، واصل اور عقل کی مداخلت سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے اچھا جواب نہیں دے سکتا ہر ایک کام میں یہ دونوں قسمیں کسی قدر ہم پے بھی ہیں لیکن دونوں نے اپنی انتہائی شاکت کو بھر دیا (۲) یعنی "معاذت (Compromise) پیدا کر لی ہے۔ اس لئے عظمت کا رنگ دانس ہو کر ایک فصیح و لطیف شامی اندازے سامنے آگئی ہے۔ غالب کی یہ شامی تیشیر کے درمیان دور عقل سے عظمت تمام رکھتی ہے۔ دونوں کی زبان سے یہ مدد ملتی ہوئی مسطورہ و مکتوب ہے جس طرح کسی حادثے کی سلفی تسلسل مدافعتی ہے۔ اس میں انقلاب کا پاء و چال نہیں پایا جاتا مرزا کا شعری کام بھی مستعد ہے۔ مگر آپ کے اور دواں کے پے حوا آپ کے فیضی مجلہ میں وہی عظمت یا رخصت عقل

اور نمونے فکر کا نوٹھارا اخراج دیتے ہیں۔ جو آپ کے ”برگ و دم“ کے کھڑی چکر میں جلوہ گر ہے اور اپنی کو عقل میں باہم رہنے کے باعث اس سے محروم نہیں ہوتے۔ غالب کے ہادی کام کی نوعیت انکو اس قسم کی ہے کہ ہم اس کا بجائے خود ہون کی اور ہادی شاعری کا خیال بھڑو کر ساتھ کرنے کے بغیر اچھی طرح دلو نہیں دے سکتے۔ مزاحی ہادی شاعری زیادہ تر عقلی اور لڑک (Logic) ہے اور اور ہادی شاعری نکتہ ہے۔ چونکہ یہی میں عقلی عالم میں ہیں۔ اور دوسری میں نوازہ۔ پہلی میں وہ شوکت عقلی اور ہادی فکر نہیں جو دوسری میں ہے۔ ہم لازماً دوسری کو پہلی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اب تنقید کو چاہئے کہ وہ غالب کے ہادی کام کا بجائے خود ہادی کی رنگ میں پیش کریں۔ اگر اس کی اپنی جگہ قدر و حرمت ہو۔ اور کام کے ساتھ پیش کرنے سے ان کی ہادی شاعری بھی جلیل عام نہ ہو گی۔

غالب کی طبیعت کا دوسرا بڑا جزو ان کا نہ دست عقلی ہے۔ یہ اور دیگر عقلی شاد و راحت جزئی۔ اور عقلی۔ دوسری۔ عقلی خوش اور دلوں کا قانون۔ طبیعت کی ہادی اور عقلی رہی۔ وسیع انسانی۔ عقائد ہادی (Artisticness) غلب سے بیکار۔ عقلی صورت (Moral Idealism) اور یہ عقلی خیالی اور ہم عقلی اقام سے مخصوص ہے، بہت طویل کام چاہتے ہیں، اس لئے ان میں سے ایک یا دو پر اہتمام خیانت کیا جاتا ہے۔ غالب کا عقلی محدود رنگ عقلی ہے اور ہادی شاعری کے ہر کیر عقلی کا مطالعہ نہیں کر سکتے۔ گراہنے محدود عقلی میں یہ عقلی منطق (Absolute) ہے اور انکا کو کچھ کیا ہے۔ یہی سب ہے کہ ہادی کے دعو کا انکا کر اس کا شکریہ جیسے شاعر اصل سے متعلقہ کرتے ہیں۔ ہمیں تک عقلی کی دسلٹی ہادی اور دست کا عقلی ہے۔ غالب دنیا کے کسی شاعر سے زیادہ نہیں۔ اور عقلی قوت جان میں ہم اس کو شکریہ سے بہرہ بخشے ہیں۔ لیکن آپ کی شاعری کا دوسرا وسیع نہیں اور نہ ہی عقلی بھیجہ قسم کا ہے۔ یہ دانش من کو دنیا کے بڑے گزشتہ شعرا کا ہم رنگ بننے سے باز رکھتی ہیں۔ پہلی دہائی دیگر خصوصیات۔ ان کا یہی استعداد نہیں ہو سکتا ان میں سے بعض مثلاً آؤرگی۔ ہادی اور تک نظر ذہنیت یا غلب سے بیکار۔ انکی نہ دست دانش ہیں۔ اور غالب میں اس انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہیں کہ ہم ان کی دلو دینے بغیر نہیں دے سکتے۔ غالب مشرق میں ملی و ادبی آزادی۔ ہادی و عقلی اور وسیع انسانی (Liberalism) کا سب سے بڑا ستارہ ہے اور ایک نہ دست عقلی قوت (Cultural force) بن کر ہادی کے لوگوں کو ایک اور غلب و دامن کی طرف لے جا رہا ہے اور ہادی ہادی وقت گزرتے گا، ہم اس کے تدریجی اثر کو اور بھی محسوس کریں گے۔

ایک منظر کی حیثیت سے غالب کی چہ زبانی فطرت عجیب ہے۔ اس کو انارے نکھوں نے ابھی تک محسوس نہیں کیا۔ مزاحی طور پر ایک صوفی شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ مرزا ایک فطرت آزاد اور عقلی طور پر سوچنے والے فطری ہیں۔ یہ خصوصیت ان کو ایک بالکل ہمدرد شخصیت بنا دیتی ہے۔ اور غالب ایک خاص صوفی شاعر نہیں۔ صوفیوں کی فطرت کا ایک جزو ہے۔ طبیعت کے اٹھنا سے آپ نے بالکل مختلف اور متحد سوارف کوہ و خاک کی دو راہیں کا انکشاف فرمایا ہے۔ اور دنیا کے ہادی تجربے نے ان کو گرم ہادی ہادی دکھایا کہ یہ زندگی ایک فم اور دیکھ و دیکھ کی زندگی ہے۔ عقل کے اٹھنا دینے اور انان فرمایا کہ غالب نے کس کس قسم کے منظر موضوعات پر اہتمام خیانت کیا ہے۔ اسکی سوہم کا فریب۔

ہادی خود فریب ہے اہل فکر کا عقلی  
بچہ گرم حیرت اور دہرہ خدا

دعا میں عقلی و ”بندہ“ ہادی کے ہر نفس ہتھکڑ کا دھو۔

دعا ایک شیریں وحشت میں ابرائے ہار  
سزا بیکار۔ ہادی نور۔ عقل کا اٹھنا  
عقلی ہے سلطان طراز کوش اور اب ہار  
دعا صرا و شک و نظر دہرہ اٹھنا !

ترغیبات کی ہر پختہ کی کوئی نہ کوئی ضرورت تھی ہے۔

یک ذرا بھی نہیں بیکار رہا کا  
ہاں ہمارا بھی فیلڈ ہے اس کے بارے کا  
انہی کے دھار اور ہم میں چنی کا سناں پہلے ہی سے سہرا ہے۔

میری تصویر میں ستر ہے ایک صورت غزال کی  
توئی ہنر فرس کا ہے خون گرم و بھس کا  
کائنات ایک ٹکڑا رہا ہے صرف نگہ گو میں کی صورت ہے وہ اس راگ کیجے۔

عزم نہیں ہے تو بھی ٹوٹے راز کا  
ہاں راز نہ جواب ہے وہاں ہے سدا کا  
ہماری ہستی کا غوی باطن طاق و گول ہے کہ نہ یہ ہمیں ہستی واجب سے جدا کرتی ہے

نہ قہر کو تو خدا کا جو نہ ہوا تو خدا ہوا  
تو خدا کو کہنے نے نہ ہوا میں تو کیا ہوا  
انہی کا قلم "کرنا"۔

شہر نہ انہیں قتل سے ہمارے کچھ  
اگر شراب نہیں انتظار سارے کچھ  
اسی ہنر و خلق کے پادشاہ دیتا ہے رنگ۔

قوت سے گھن گھن قوت سے بھن  
ہمارا آئینہ ا سحر میں ہم  
تیر ہستی۔

کائنات اپنے ہستی سے کہے کہا سنی تیری  
جہلی زکھر من آب کو فرصت دہانی کی  
دینا ہمارے نبیات کا کس ہے۔

بقدر ظلم و سنی قدرت انہم کہیں ہیں  
وگرنہ کچھ نہ وہاں ہم لیاں ہیں  
ہماری حقیقت مسلم میں ہو گئی۔

شیخ میں لکھی ہے یاد رفتہ یاد ہوا  
معاذ گم گم ہو ۳۰ ہر طرف ہوا ہوا میں  
ہماری ہستی کا پھل۔

کوئی کھ نہیں دیکھ سکتا ہے  
ہے ہر اک قہر میں ہی رقی ہوا  
نیر کا قلم۔

اگر نہ ہوتا ہے رنگ خوب صرف شیراز  
قلم دفتر رہا حلاج رہا ہے  
دنیو و دنیا۔

دینا کے سچ قہریت صاحب کو جسی قہر کی طرف لے گئے۔  
تو نہایت دہم و سحر میں دلوں ایک ہیں  
سوت سے پہلے کوئی قلم سے بھلت اپنے ہیں

صاحب دینی اور مانتا دیکھ دینے ہی کو خبریں دار اور ہادی کی ہاتھ لک میں ادا حاکم آباد ہوا  
کلی صباں ہستی بھی صوبوں  
ہے کہ نہیں۔ دینی حکومت پر لکھتے تھے جتنی لکھتے ہیں۔

گھن فریدی ہے کسی کی شوقی قہر کا  
کھدی ہے وہاں ہر جگہ قصہ کا

اس شعری تخریج میں شاد بھی نے جب اہم کتب پر دائروں کی ہیں۔ مرزا کے زمانہ میں منکس تو تیس (Inverted commas) کا صحت صرف کا دلچ د تھا۔ اس لئے آپ ٹھہری طبیعت سے کام نہ لے سکے۔ اور ہندو شاد میں کو اس کے صحت دریافت کرنے میں اس قدر دقت ہوئی۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ کائنات اپنے خالق کی لیا دتی ہے کہ اس نے اس کو اتنا بے خیال اور نکل کیں بھلا وہ اپنی مخلوقات پر ظلم کیا کرتا ہے۔ اس مضمون کو موافق دوم کی نظم سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ اور یہ نکل مرزا کی فلسفیانہ طبیعت کا نتیجہ ہے۔ جو ہر دقت سے بے خیانت کی تلاش میں غور کرتی ہے۔ یہ خصوصیت غالب کے سوانح میں یادداشتوں کے کسی شاعر کی طبیعت میں نہیں پائی جاتی۔

(راوی مارچ اپریل ۱۹۴۴ء)

## موازنہ فوق و غالب

دلی کا سودا افکار میر اور دیگر قدیم شعرا سے متعلق کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سلسلہ صرف غالب ہے۔ شاعرانہ تخلیقیت کے لحاظ سے دونوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ کی کم نکلی نے دونوں کو صرف ادھر گرنا دیا ہے۔ اس لئے ہم اس درجہ نفاذ کا قیام کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دلی اور غالب دونوں میں کس کو تخلیقیت کا شرف حاصل ہے اور کون دلی کے شعروانہ مزاج کی نسبت سحرور بنا اور گزشتہ مہلت ایک مضمر تشکیل ہیں جس کی تخریج یہ ہے کہ وہ ایک بڑے بڑے شاعر ہیں۔ اب غالب کی طرف اپنے غالب کی شاعری پر تنقید کرنے والے اس کی شخصیت کو بالکل بھڑکتے ہیں۔ گویا یہ ان کے نزدیک نکل مصلح نہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ تنقید کا مقصد ہی شخصیت کی توضیح ہے۔ غور میں کامیاب ہے خصوصاً دقت اور دھڑ بادی پر غور و فکر کے ساتھ انسان اور اس کے حقیقتات پر خیال کرنا ہے۔ کثرت انسانوں کو انہیں میں دو شاخ کرتا ہے اس لئے تنقید کا نصب العین بھی شخصیت کا مطالعہ ہونا چاہئے۔ اب تک غالب پر پختہ تجربے شائع ہوئے ہیں ان کی شاعری سے تحقیق دیکھتے ہیں اور ان کی ذہنیت دھکت اور دل و دماغ پر بہت کم دقتی دالے ہیں۔ موافق علی کی طرف کئی چاہتے کہ آپ نے غالب کے حالات و حوالوں کو اس غلطی سے واضح کیا کہ تنقید مرزا کو ایک جانے بچانے ہوئے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ گویا ہم نے ان کی حیرت کا مطالعہ پر ہم پتہ کے کسی نکل میں کیا ہے مگر غور میں دلی نے مرزا کے عین شخصیت افکار و عقائد اور مکتب پر غور میں دلی اور آپ کے مشکل اشعار کامل اور غریب دالے پر استعارہ۔ آپ جیسا کہ دس گور اس کام کو اہم دینا تنقید اس کام کے لئے مزہ تصانیف کی ضرورت نہ محسوس ہوئی۔

بجوری مرحوم کا خیال ہو۔ ایک ذمہ دار کتب یادگار بھڑکتے۔ آپ نے غالب کی شخصیت کو نگاہ کی کوشش کی اور دیگر نقادوں کو تنقید علیہ کا راستہ دکھایا۔ معروض کہتے ہیں کہ آپ نے مرزا کی شاعری میں وہ باتیں ٹھہری ہیں جو دراصل اس میں موجود نہیں۔ یعنی غالب کی شخصیت میں بجوری کی دین کا حوالہ ہو گیا ہے۔ مگر دینی تنقید کو استعارہ سے کیا تحقیق؟ تنقید بھی ایک فن ہے اور اپنے اظہار میں ناہم ہے اگر عین حقیقت یا تحقیق کی نثر میں کھد کھد لکھنا بھی کہ کیا جن کو اصل کی مدائی سو حوالی درست تسلیم نہیں کرتی تو پتہ بہت اہم رہے گویا بجوری نے مرزا کی شاعری کی نسبت جو کچھ کہا، پڑی مد تک درست ہے۔ جیت بعض اشعار ایسے ہیں جن میں زہد جی ایسے معنی دالے کی کوشش کی گئی ہے جو شاعر کے دماغ و گمان میں بھی نہ تھے۔ اس طرح بعض خصوصیتوں کے بیان میں شاعر دیکھوں سے کام لیا گیا ہے اور دھکت کی تصور پر محاسن کے ساتھ بھیجی ہے۔ غالب جیتا قلم میں جیت شاعر کی سبقت کو نہیں پہنچے۔ جیسے سے متعلق غیر مستطاد اور غیر بھڑکتا ہے۔ غالب کے دو معنی اشعار افکار ہیں وہ مرزا کے جیت علی کے مستقل دہر نہیں۔ ا

ایں ہمہ فاضل خدا نے شاعر کے انداز، ادبی خیالات، و معانی اور طبعیت کے بعض پہلوؤں پر جو اعلیٰ روشنی افلاں ہے، نہایت بصیرت افروز ہے۔ یہ طبعی زبان میں شخصیت کا سب سے پہلا مطالعہ ہے، نگلی جانے مضمون نگار کو اہانت نہیں دی کہ وہ غالب کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالے، اور نہ قریح تنقید غالب کا تذکرہ نہیں نہ ہوگی۔

مولانا نظام گنی الدین لارہ پر غالبؔ آؤ گس کے صوری طنز ہیؔ مزا کی، نہایت میں دلچسپ کا مضرب سے زیادہ دیکھتے ہیں۔ اہل تنقید کو نگاروں سے ایسا چٹا چاٹا اور شاعری فطرت کا وسیع انکسار کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔ جب لارہ نے ایک نگار سنا ہے اور مزا غالب کو شاعر کرتے کرتے آپ اپنے فکر کا شکار ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ وہ عام رسم بھی کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا غالب کی طبیعت میں صرف دلچسپ و صمدی کی گہرائی تھی اور باتوں کو اس میں کوئی دخل نہ تھا؟ کیا ان میں تخیل۔ محض و قسمؔ 'ذائقہ' 'اداس' 'تجربہ' 'شرقی' 'ہندو' 'قبت' اور اس قسم کی دیگر قریحیں باطنی مضمون تھیں؟ شاعر کے تخیل کی خیالات، 'مستند' نہایت اور مولانا عقیدہ کیا یہ سب معمول باتیں ہیں کہ ان کا مطالعہ نہ کیا جائے؟ جب لارہ کی کوئی نگاری ہے کہ وہ شاعر کی طبیعت میں دلچسپ کے سوا اور کوئی خصوصیت نہیں دیکھتے یا فرض کر رہے ہیں، جیت بھی ہو جائے کہ مرزا غلام رحیم دلچسپ و صمدی تھے تو کون ہے جو اس کو ایک اہل مطالعہ کے؟ اور کون ہے جو حضرت لارہ کو ایک ہندو کا تذکرہ تسلیم کرے؟ اس سے تو خود شاعر کی نہایت شک و شبہ کا عمل ہی جاتی ہے۔ کیا وہ انسان خود جسدانِ مرشد کا رنگ نہیں جو اور سب باتوں کو بھونڈ کر شاعری طبیعت کے ایک لونی پتلو کا چٹل نظر دیکھتا ہے؟ یا میرے اہل مسلم نہیں ہو تاکہ مرزا کو اس لئے دلچسپ و صمد کا پتا لڑا دیا جاوے۔ کیا دیگر شعراء نے دلچسپ و صمد کے مطالعے کی ضرورت نہیں کے؟ اگر غالب نے ان کو لڑا تو انہوں میں پڑھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اور سب شعروں سے زیادہ صاحبِ تخیل ہیں، وہ دلچسپ کو مختلف پہلوؤں سے دیکھتے ہیں اور پھر کہ لڑا ان کو اہانت نہیں دیتی کہ وہ شاعر کی ہندو تخیل پر کٹر تعلق کریں، وہ انسانی فطرت کے مطالعے کا مشورہ انشراح کی صورت میں دیتی کرتے ہیں۔ اگر خود محض بڑا نظم آؤ گس میں کہ لڑا تو شاعر کو دسا کریں تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔

دورانِ غالب کے اعلیٰ ادبیات میں ہمارے بعض لڑی باتیں کی گئی ہیں جن کو اسکا لڑی کی ہے سوا ہرگز زبانیں کتا چاہیے۔ ان کی زبان کا اثر خیالات کا انہیں قیادت پر ہے جو محض لڑا کو دور منہ بہر لگا کتا ہے، نہ کوئی سیاسی خیالات دیکھتا ہے نہ ان کا انشراح میں افسار کر سکتا ہے۔

پروفیسر محمد رفیع ناظم فرماتے ہیں کہ دکن کے ایک خدا نے غالب کی شاعری کو ایک انگریز لڑا کے نظریہ شعری سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور اس کو تحت اثری سے بھی لے کر لڑا ہے۔ لڑا اہل ہے کہ اگر غالب کی شاعری کا اس نظریے کی رو سے سوا کچھ کہ مطالعہ کیا جائے تو ہم یہ عہد انقلاب سے باطن برعکس دیکھ کر ہلکیں گے۔ یہ صاحب کی تنقید یوں درست لڑا ہے، مگر بھی آپ نے بعض باتیں درست فرمائی ہیں۔ آپ کی رائے میں غالب کی شاعری باطن محلی اور انجیلی ہے اس لئے آپ ایک جیسے شاعر نہیں۔ جو شاعری اس دعویٰ کی باتیں میں چٹل کی گئی ہیں ان کو ہر صاحبِ ذوق درست تسلیم کرے گا۔ ہمیں آپ کی باتوں کو دیکھیں یا نہیں، اس لئے ہم اپنی رائے کا انشراح اپنی طرف سے کر کے دیتی کرتے ہیں۔

خوش پاؤں میں دیکھا ہے اہلی جان سے	کہ سبب طوفانِ صدا ہے کہ ہے
خدا حافظ مگر سزا صدا ہے کہ ہے	خدا کا کھلا آگاہ ہے
آجید ہاں صدا ہے کہ ہے	شب خدا خلقِ ساقی و سحرِ لہو کی تھا
ہم تک ہوتا رہا ہے جی جی جی	ہاں یہ ہے چارہ ہاں دیکھ رہا کی



اس کہ میں غالب میری میں بھی آفتل رہا  
سوئے آفتل رہا ہے جلد میری دلچسپ کا

میں شاعر میں کوئی جذبہ نہیں۔ کوئی حقیقت میری نہیں۔ ادبی کی بات ہے سربا میلالت ہے۔ جس کو عقل کی دوس سے غلط کاہلہ پتا نہ  
گیا ہے۔ غالب کے ہمت سے شاعر اس قسم کے ہیں۔ کیا ان شاعر کی بنا پر غالب کی شاعری کو انتہائی قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ شکہ اہم  
سوال ہے اور اس پر مرزا کے جیسے دہم کا دلور وار ہے۔ جب تک یہ فیصلہ نہ ہو کہ غالب کی شاعری دہی ہے اور عقل سے پیدا ہوئی  
ہے، اہم کسی عقلی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ادبی کی بات مرزا بھی عقل و شعور کی دوس سے شکر کہتے ہیں تو ان کی شہرت کبھی پتا نہ نہیں

ہو سکتی۔ اگر آپ کی شاعری فلسفیانہ ہے تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ شاعر کی شہرت کیا ہے؟ اس پر مسرت نہ نہیں دیکھنا کیا اس  
شعوریت کی وجہ سے اس کے غالب عقل ہو سکے ہیں یا نہیں؟ اگر عقل ہیں تو اس کا اس کی عقل سے کیا اثر پڑا ہے؟

اس سوالات کا جواب دینے سے پہلے چند امور کا فیصلہ ضروری ہے۔ پہلی شاعر کی زندگی میں شعور پانچ سو سال پہلے کی مجاہدوں اس کے  
تخیل اور طبیعت پر کس حد تک اثر ڈال رہا ہے۔ وہ لپٹ حد کی عام سطح سے کس قدر اونچا اڑا کیا اس میں بہت کاہلہ تھا کیا اس نے  
اپنی شخصیت کے انداز کی کو شش کی؟ یا اس کا لائی نہایت ناقص ہے۔ کیا وہ اس کے باوجود اپنی شخصیت واضح کرنے میں کامیاب رہا؟  
اور سب سے بڑا کہ اس کی شاعری کے عناصر اس کے ہول کا نتیجہ ہیں یا اس کی حالت سے شعور میں ہے۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے  
کہ جدید قول گوئی کی شاعری تعلیم و تربیت کی سولت اور بصیرت ضروری کے باوجود کس خوب کی حال ہے اور غالب کی شاعری کے  
مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اگر مرزا غالب اپنے ہول کی مجاہدوں کے باوجود عقل کے اس حتم پر پہنچے ہیں جدید شاعر بھی تعلیم  
کے باوجود نہیں پہنچ سکے تو ہمیں شاعری غیر معمولی عقلت تسلیم کرنی پڑے گی۔

غالب کی شاعری تمام کی تمام انتہائی نا عقلی نہیں۔ یہ مدد لطیف نے بہت عقلی کی کہ اس کو سراسر عقلی و تعبیلی قرار دیا۔ یہ  
صاحب کا مذاق ملو شاعری کی طرف اس ہے۔ لطیف متعجبانہ شاعری سے آپ کو کوئی نہایت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اہل کی  
شاعری کو پتہ نہیں کرتے غالب کی شاعری کی دوسرے کے لئے لطافت اور دھیمی کو پتہ کرنے والا مذاق چاہئے۔ یہ مدد لطیف 'عقل اور  
عقل کا طرز پتہ کرتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ اہل اور غالب کی شاعری کو انتہائی اور پر غلف قرار دیں تو چند اس کی بات نہیں۔

غالب کی شاعری فلسفیانہ ہے۔ فلسفہ جیسے حقیقت اور فکر کا نتیجہ ہوتا ہے غالب نے حقائق و معارف کا اور اک اپنی زیورست قوت فکر  
کی بدولت کیا لیکن اس کے باوجود خیالات انک مہلت میں وہ نہیں کے گھٹ۔ جس شاعری قوت فکر اپنی ہے لہذا اس کا تخیل پر  
شوک ہے۔ اس لئے وہ اپنے فلسفہ کو شعور اور اداس میں پیش کرتا ہے۔ دیکھنا کہ بہت کم شعور نے فلسفہ جی شکر جی کو مرزا سے بہتر  
انداز میں نظم کیا ہے۔ ان کی فطرت سراسر شعری ہے۔ اس لئے ان کے تخیل خیالات بھی شعور میں لہے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو بڑی  
بے کیف زبان میں پیش نہیں کرتے، بلکہ شعور اور مصدر اور اداس میں جلا کر کرتے ہیں۔ مثلاً

حالت پائے توں ہے ہمارا کہ ہے یہی دہم گفت خاطر ہے پیش دنیا کا  
مری خیر میں مضر ہے آگ صورت غلامی کی بھلائی غم غم کا ہے لون گرم دھن کا  
ہے تجلی تری سلطان دہر اور ہے تو خورشید نہیں  
آرائی دہلی سے درخ نہیں اور فانی فکر ہے ہمید دہم شب میں

دیا تہہ عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے

بہرے ہیں جس قدر دہم دوسو چھٹا غلامی ہے



اس قدر کہ ان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی۔ لیکن غالب کی شخصیت کاسب سے روشن ہوتی ہے کہ جہاں وہ ایک عظیم انسان عظمیٰ تھیں وہیں ایک عظیم انسان بھی تھے۔ ان کی شاعری کو صرف ان کے فلسفہ ہی نے مشہور نہیں کیا۔ بہت سے ناظرین نے ان کے فلسفیانہ افکار سے دلچسپی لی ہے۔ غالب کی شہرت نے تمام انسانوں کے دل کو مس لیا۔ یہ ان کی اور اور شاعری شاعری ایک دور و زمانہ کی تخلیقِ راہی ہے۔ ان کی راہی جس کو سن کر ہر کارا دل بھی موم ہو جاتا ہے۔

غالب کی دنیا سے محبت خیالات تک ہی محدود نہیں۔ ایک فلسفی اور بلند فکر صوفی ہیں مگر حقیقت کے سلسلے کے لئے ہلکی فکر فریب دہانی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ مینوں کے فن و مشورہ اور کے دلدلہ ہیں۔ اور حقیقت و محبت میں عام انسان کی مانند وہیں لیجے ہیں۔ یہی تھے بھوری مرحوم نے کہا ہے کہ

غالب نے ایک حقیقی انسان کی مانند زندگی بسر کی۔ اور زندگی کے تمام مسائل میں حصہ لیا۔ یہ وہی عظیم انسان ہے جس نے اپنی جہاں کی ہے۔ اور کہا ہے کہ مرزا کی زندگی میں کوئی عظیم مفکر یا دستور العمل فکر نہیں آتا۔ گویا اس زمانہ میں یہ دونوں باتیں ملن نہیں سکتی۔ زندگی بسر کرنا تو مشہور زمانے میں بھی مشکل ہے۔ معلوم نہیں یہ صاحب کس قسم کی زندگی کے حقائق ہیں۔ دیکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ غالب کی پہلی زندگی کس قسم کی تھی۔ اس دہائی کے فلسفیانہ دیکھا جائے تو ہمیں مرزا غالب کی زندگی میں تمام وہ باتیں نظر آتی ہیں جو بلند ترین انسانوں سے مخصوص ہیں۔ انہوں نے ایک حقیقی شاعر کی مانند دنیا کی ہر بات میں حصہ لیا۔ یہاں تک کہ اپنے حقوق کے لئے جہاد جاری رکھی۔ اگر شکسپیر کے لئے یہ بات مایہ ناز خیالی کی جاتی ہے کہ وہ دیوانی سلطنت میں بھی نصرت ہو شیدا اور دہرک تھا تو غالب بھی عیاں ہے اپنی عظمت اور فزائیگی پر کھڑے ہیں۔

غالب کی زندگی ایک مشکل زندگی ہے۔ آپ نے زندگی کے واقعات کا بڑا بڑا تجربہ حاصل کرنے کے لئے تمام حالات میں اٹھے۔ آپ کی سے روشنی افکار و افکار اور دیگر روشنی کی ہر جگہ میں آپ نے ان کا اپنی شاعری میں خود افکار کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ۔

میرے لم غصے کی قسمت جب رقم ہوئے گی گھبرا گھبرا نہ ہو  
میرے دم کی قسمت جب رقم ہوئے گی گھبرا گھبرا نہ ہو

مرزا غالب نے داشت یہ دیر تیاں اور پرتیاں مٹی میں۔ اپنی غلامی کی وجہ سے صلیب اور رنج و غم میں جھکا ہوئے اور تجھ کے طور پر دنیا کو انکی منہ فیہات دیں کہ لوح ہجران کے اسرار سے بھی بیکدوش نہیں ہو سکتی۔ دنیا کے افکار غالب کے تجربہ زندگی کا پتہ ہیں۔

ہے انہوں سے کہ سب میں ہم ہوئے  
ہم قسما سے ہیں قسما نہ دکھ کہ رنگ  
ہاتا ہوں داغ صرست ہستی لئے ہوئے  
قلب سے ہم کو پیش رخ کا کیا کیا تھا ہے  
ہم ہر صبح میں ہے حلقہ حد ہم تک

اور ہزار سے لے آئے اگر لوٹ گیا  
نارنگ ہوں نہ ہو مگر ہوں نہ  
بازوں خواہیں لکے کہ ہر لفظ پہ دم لگے  
اے کہ دارمیں بدلا ہوئے اور

ہم دنیا ہوئے لئے ہی کم ہوئے  
میرا نام جنت ہے اس نام گھ کا  
ہوں شیخ کتبہ وہ خود فعل نہیں ہا  
حق ہوا کہ کہے ہوئے ہیں قریل دینوں ہ  
دیکھیں کیا کدو ہے فکر ہے مگر ہوئے تک

ہم ہم سے ہر ما ہم سنا چھا ہے  
کیوں شہر گس پانچ سے ہزار میں آوے  
ہم لئے مریے انہیں لیکن ہر بھی کم لگے  
دندار مگر نہیں ہوں ہر دوش ہے

بہارِ نغمہ خواہ فرخِ آری کا اثر جاننے کے لئے وسیع الشہیہ محبت اور محنت کی تعلیم دینے ہیں۔ ہندوستان میں انسانی عقل کے باعث ایک بحث سے قصبہ کی گرم پڑاوی سے غائب کے زمانے میں قصبہ نے اس قدر زور نہیں لگایا تھا۔ لیکن عہدِ حاضر میں یہ ایک حاکمیت

وہاں کر چٹک کے طول و عرض پر چھا گیا ہے اس وقت ہمیں ایسے ہی شاموں اور صبحوں کی ضرورت ہے جو قصب کی جگہ کی کہے اور  
 وطن میں ایک ٹوٹکار بھائیوں کی رہنمائی سے اس وسیع المشرقی کی تعلیم کا اس وقت اور اک کیا قصب کا زبرد کام و وطن کی آزمائش  
 کر دیا تھا اور رگ و پہاڑ میں نہیں اترا تھا نہ لہاتے ہی کہتے

دھڑاری بڑا استواری اصل تھی ہے مرنے والہ میں تو کہہ میں گالہ برہمن کو  
 نہیں کچھ بھر و زہر کے پتھر میں گھیرائی دھڑاری میں شیخ و برہمن کی آناکل ہے

غالب نے ایک نثری زہر اور قصب کے خلاف ایک جھوٹی مگر زبردست احتجاج کیا مگر ہم آج بھی کی قصب نہیں اور نہ دھڑاری  
 تعلیم پر عمل کریں تو بھڑاری مرحوم کا یہ دعویٰ تھا "وہاں" درست ثابت ہو گا کہ قصب سمجھنا "تعلیم" صحت طہارت کوئی زندگی کا کیا پہلو  
 نہیں جس پر (گوسے اور غالب) کا اثر نہ پڑا ہو۔ گوسے کا کام قوی اور نکل ترقی کا کام ہو چکا اور لہا خاص غلام پورا کر دیا غالب کا کام  
 اب قبول ہوا ہے اور آئندہ نہیں اس امر کا موازنہ کریں گی کہ ان کی ترقی میں غالب کے کام کا جزو اعظم کہاں تک ہو اور سلطان ہوا  
 ہے۔

(مقتضیٰ ہند، لاہور ۱۳۳۳ھ میں ۱۳۰۹ء-۱۳۱۱ء)





غالب کی متعدد ملازمتیں تصوف "لہ نو" کے ادبی یا صوفیائی ذہنیت میں رہی ہیں۔ غالب کی ہمارے غائب تصور کے طور پر "اساتذہ معارف" کی چار کی پہلی شہسبخت، غالب کی اسے انکے اور تصور غالب پر بھی ماحولی کے انہوں نے تصوف اور انہوں نے بھی دیکھا "لہ نو" کے صفحات میں یک جہتی ہے۔

غائب غالب کی تصور اور علمی تحریریں غالب کی دینی تحریریں، انکے غائب غالب کی دست نوشتہ تحریریں کے عکس اور تصانیف غالب یا معاصرین غالب کی دینی یا غائب کتابوں کی افواج اور عکس اپنے صوفیائی بھی "لہ نو" میں لکھا جاتا ہے۔ ان ہمارے کے حوالوں سے بھی "غائب غالب" میں "لہ نو" کا ایک مستقل مقام تصور جاتا ہے۔

دستاویز "لہ نو" (انگریزی کا دور) میں چھپنے والی غالب سے حاصل کردہ شائستگی، نظم و انضام کا اشارہ ترتیب دینے کی فوری "لہ نو" کی دینی افواج پر بھی لکھی گئی۔ انکے اشارے مرتب کرنے یا کرنے کے لیے لکھے جیتے "ما تین دن سے لکھا نہیں ملے۔ نظم کی تکمیل میں وہ خاصہ وقار کی حامل اور معائنات سے ملنے ہوئی۔ اشارے "لہ نو" کے صرف ان غائب کی تخلیق، مرتبہ "لہ نو" ہے کہ ہر سہ ماہیہ انکے اشارے میں صوفیائے حق اور باطن میں لکھے۔ انکے تحریریں میں یہ انچیز نہ ہو تا تو انہیں کا لکھا نہ ہو انہیں سمجھیں غائب کی دینیت میں بھی اشارے "مرتبہ" لکھا یا کر لکھا "مرتبہ" کے مسئلے سے ملنے یا چل مل نہ ہو تا اشارے کے آخر میں اپنے اشارے اور معائنات کی نگاہ سے لکھی گئی ہے۔

یہ اشارے "لہ نو" کے غائبوں کو چھپا نہیں لیکن میرا احساس ہے کہ اس میں ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۸ء تک کے "فردوسی" کے دیگر غائبوں سے ظاہر ہوا ہے کہ اسے غائب نے لکھا جس لیے اس اشارے میں "لہ نو" میں چھپنے والے ایک بہت بڑے حصے ظاہرات کا عکس سمٹ گیا ہے۔ اور اس وقت تک کہ "لہ نو" کا کوئی جامع اشارے "مرتبہ" ہوئے لازمی اشارے غائب رہنا کا کام دے گا۔

۱۸۴۸ء تقریبی

## الفبائی ترتیب سے مصنف دار اشاریہ نگارشات "مختصر" پر غالب

(مطبوعہ "لہ نو" ۱۹۳۸ء آگے ۱۹۸۹ء)

۱۔ آریہ لاکھ ہزار لکھی گئی	۲۔ غالب سے ایک طاقتور (۱۸۸۹ء میں "لہ نو" فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۲۰۸۰)
۳۔ آریہ لاکھ ہزار لکھی گئی	۳۔ بزرگ غالب، نام غالب فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰
۴۔ آریہ لاکھ	۴۔ میرزا غالب کا طرز گفتار، فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸
۵۔ آریہ لاکھ	۵۔ میرزا غالب سے ایک طاقتور، فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸
۶۔ آریہ لاکھ	۶۔ میرزا غالب کے چند اور طرز گفتار، فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸
۷۔ آریہ لاکھ	۷۔ تحفیات غالب و دیگر فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸
۸۔ آریہ لاکھ	۸۔ طرز گفتار غالب، نام غالب فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸

فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸-۳۱۸

۱۔ غزل پر زمین غالب فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰

۲۔ میرزا غالب، نام غالب فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸

۳۔ غالب کے تقریرات، نام غالب فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸

۴۔ غالب، نام غالب فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸

۵۔ غزل افواجی، نام غالب فردوسی ۱۸۵۳ء میں ۳۰۸

۱۔ غالب زمین سرانی

۲۔ میرزا غالب، نام غالب

۳۔ غزل افواجی، نام غالب

۱۔ اڈا گھنٹی	۳۰۔ غالب کے اہل اقبال کے مطالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۳۲-۳۱
۲۔ احتکام الفوج والہانہ	۳۱۔ غالب کے بعض غیر منطوق اشعار اور لکھنے فوری ۱۹۵۵ء میں ۳۲-۳۱
۳۔ اختر حسین راستہ پر رہی	۳۲۔ فوری فوری ۱۹۵۶ء میں ۳۸-۳۷
۴۔ لہار	۳۳۔ غالب کی باب الفیاض خصوصیت فوری ۱۹۵۶ء میں ۳۹
	۳۴۔ جنیل کتاب کے مدعا پر "بھرا نور" جنیل کی کچھ اشعار فوری ۱۹۵۵ء میں ۵۸-۵۸
	۳۵۔ حیات غالب کے خود نقل فوری ۱۹۵۶ء میں ۹۵-۹۵
	۳۶۔ فوری ۱۹۵۶ء میں ۳۵-۳۵
۳۷۔ غالب کی عظمت فوری ۱۹۵۵ء میں ۳-۳۰	
۳۸۔ بھر صدی گجرات غالب کا ڈاکٹر بھوری فوری ۱۹۵۶ء میں ۸۷-۸۷	
۳۹۔ اعظم مفضل مسکین	۴۰۔ نزل ہم طرح غالب فوری ۱۹۵۶ء میں ۳۹
۴۰۔ اقبال مسکین رضوی سید	۴۱۔ غالب نظم و فکر کے آئینے میں فوری ۱۹۵۵ء میں ۵۱-۴۹
۴۱۔ اقبال مسکین انکرا	۴۲۔ شلو (غالب منظوم ترنہ) فوری ۱۹۵۶ء میں ۱۸
	۴۳۔ ڈاکٹر غالب منظوم ترنہ فوری ۱۹۵۶ء میں ۱۸
۴۲۔ اقبال طعن	۴۴۔ اقبال غالب فوری ۱۹۵۶ء میں ۳۳-۳۳
۴۳۔ اقبال طعن	۴۵۔ "گجرات" میں غازی کے ترنہ بھوری فوری ۱۹۵۶ء میں ۱۵۹-۱۵۹
۴۴۔ اکبر سیدی	۴۶۔ اقبال غالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۳۱
۴۵۔ اکبر علی خان (عرفی) لکھنا	۴۷۔ غالب میدان مشترک فوری ۱۹۵۵ء میں ۳۱-۳۱
	۴۸۔ نقل ہائے رنگ رنگ غالب کے چند غزل غازی (منطوق) فوری ۱۹۵۸ء میں ۳۳-۳۳
	۴۹۔ رنگ رنگ (غالب کا شعر) تراشیدہ طائر نام سید فوری ۱۹۵۶ء میں ۳۹-۳۰
۴۶۔ علوم اہل کوثر ڈاکٹر	۵۰۔ گئے نور غالب بھوری فوری ۱۹۵۶ء میں ۱۵۵-۱۵۵
۴۷۔ نور سیدہ ڈاکٹر	۵۱۔ غالب کی انگریزی کے چند پہلو بھوری فوری ۱۹۵۶ء میں ۳۸-۳۸
	۵۲۔ نور غالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۳۶
	۵۳۔ غالب اور شلو سیدہ بھوری فوری ۱۹۵۵ء میں ۳۹-۳۹
	۵۴۔ غالب اور راجہ سیدی علی خان فوری ۱۹۵۵ء میں ۵۸-۵۸
	۵۵۔ غالب کے چند مسائل فوری ۱۹۵۶ء میں ۵۷-۵۷
۵۵۔ باگتہ دھرم پٹیل	۵۶۔ صاحب گھنٹی میں اود تپتہ (غزل غالب شاعر) اگست ۱۹۵۷ء میں ۱۸
۵۶۔ سیدہ ڈاکٹر جگر دھرم	۵۷۔ منہ سے لے لے علی علیانی انکس پر غالب و فوری ۱۹۵۵ء میں ۹۷-۹۷
۵۷۔ حسین سوری	۵۸۔ گنت لخت (سلسلہ غالب) فوری ۱۹۵۶ء میں ۳۳-۳۳
	۵۹۔ راجہ علی غالب کی چھٹی اشاعت کامیاب فوری ۱۹۵۶ء میں ۵۵-۵۵
	۶۰۔ فوری فوری ۱۹۵۶ء میں ۵۵-۵۵
	۶۱۔ اقبال جیل اور (نور غالب) فوری ۱۹۵۶ء میں ۵۵-۵۵



- ۱۸۔ چائلہ لکھنؤ: ۳۳۔ سید فقیر غالبؒ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۰۹
- ۱۹۔ مجلس امروہو (مترجم): ۲۳۔ گفتگو غالبؒ اور مسلم شیعہ کی کاغذ و خنجر، ونگٹھس، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۰۲۔۲۳۔
- ۲۰۔ جمیل پاشا لاہور: ۳۳۔ غالبؒ کی باہر افغان خصوصیت، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۲۱
- ۲۱۔ جمیل لکھنؤ: ۳۵۔ غالبؒ اور سرسیدؒ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۰۵
- ۲۲۔ غفران علی، لاہور: ۳۶۔ رام گیل، (غالبؒ کی مدافعتیہ) منظوم، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، ص ۲۶۔۲۷
- ۲۳۔ غفران علی، لاہور: ۳۷۔ غزل، ہم طرح، غالبؒ، ۱۹۵۵ء، ص ۵۰
- ۲۴۔ غفران علی، لاہور: ۳۸۔ سیدہ (غالبؒ) منظوم، لکھنؤ، ۱۹۵۵ء، ص ۱
- ۲۵۔ غفران علی، لاہور: ۳۹۔ غالبؒ کی باہر افغان خصوصیت، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۲۵۔۳۳
- ۲۶۔ غفران علی، لاہور: ۴۰۔ غالبؒ۔ ایک ڈراما نگار، لکھنؤ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۱۔۳۳
- ۲۷۔ غفران علی، لاہور: ۴۱۔ غالبؒ اور زبان عشق (ادبیاتی فیچر)، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۵۰
- ۲۸۔ غفران علی، لاہور: ۴۲۔ انجمن کی پاشی (غالبؒ کی صد سالہ برسی)، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۶
- ۲۹۔ غفران علی، لاہور: ۴۳۔ مرزا غالبؒ کی ادبی زندگی، (تہذیبی)، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۳۱۔۳۶۔۷۷
- ۳۰۔ غفران علی، لاہور: ۴۴۔ غفران علی، ۱۹۵۱ء، ص ۳۴۔۳۵
- ۳۱۔ غفران علی، لاہور: ۴۵۔ انجمن کی پاشی (غالبؒ کے بارے میں)، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۸
- ۳۲۔ غفران علی، لاہور: ۴۶۔ انجمن کی باہر افغان خصوصیت، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۵۔۲۵
- ۳۳۔ غفران علی، لاہور: ۴۷۔ غالبؒ کا فن، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۲۷۔۳۳
- ۳۴۔ غفران علی، لاہور: ۴۸۔ غالبؒ، (عارف)، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۰۰
- ۳۵۔ غفران علی، لاہور: ۴۹۔ غالبؒ کا قصہ، خلق، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، ص ۲۳۔۲۴
- ۳۶۔ غفران علی، لاہور: ۵۰۔ غفران علی، (سلسلہ)، غالبؒ، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، ص ۵۳
- ۳۷۔ غفران علی، لاہور: ۵۱۔ غالبؒ کے بھائی، گفتگو، لکھنؤ، ۱۹۵۵ء، ص ۳۲۔۳۹
- ۳۸۔ غفران علی، لاہور: ۵۲۔ تعطیلات، غالبؒ، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص ۲۵۔۵۱
- ۳۹۔ غفران علی، لاہور: ۵۳۔ غالبؒ (منظوم)، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، ص ۵
- ۴۰۔ غفران علی، لاہور: ۵۴۔ غالبؒ (منظوم، تراجم)، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، ص ۱۰۰
- ۴۱۔ غفران علی، لاہور: ۵۵۔ غالبؒ اس کی زندگی اور عادی کام، (عارف شو گیلانی)، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، ص ۷۰۔۷۱
- ۴۲۔ غفران علی، لاہور: ۵۶۔ آجنگہ، غزل، ترجمہ، ہم طرح، غزل، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، ص ۸
- ۴۳۔ غفران علی، لاہور: ۵۷۔ غالبؒ کی ہم طرح، غزل، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، ص ۳۱
- ۴۴۔ غفران علی، لاہور: ۵۸۔ غزل، (غفران علی)، غالبؒ، ۱۹۵۵ء، ص ۳۹
- ۴۵۔ غفران علی، لاہور: ۵۹۔ غالبؒ و انجمن کی اپنے کام پر اصلاحی نوٹ، ۱۹۵۵ء، ص ۱۰
- ۶۰۔ غفران علی، لاہور: ۶۱۔ غفران علی، (ادبی)، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء



- ۱۰۔ سید محمد کریم : ۱۰۰۔ دیوان غالب کا پہلا شمارہ 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۱۰۰۔  
 ۱۱۔ سلطان صدیقی : ۱۱۔ غالب اور نثر 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۱۱۔  
 ۱۲۔ سلطان محمد نقوی : ۱۲۔ غالب کا مجموعہ قصور 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۱۲۔  
 ۱۳۔ سلیمان احمد نقوی : ۱۳۔ نفاذاتہ ۱۰۱ (غالب کے بارے میں) 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۱۳۔  
 ۱۴۔ سلیم اختر ڈاکٹر : ۱۴۔ موشائخ کی مثال غالب 'فوری' ۱۹۹۶ء میں ۱۴۔  
 ۱۵۔ غوری 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۱۵۔  
 ۱۶۔ غالب کی انکسیرت 'فوری' ۱۹۹۷ء میں ۱۶۔  
 ۱۷۔ غالب کتب 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۱۷۔  
 ۱۸۔ شہزادہ اشعور اور اشعور کا شمارہ غالب 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۱۸۔  
 ۱۹۔ غالب اور فلم 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۱۹۔  
 ۲۰۔ غالب کی چند 'فیلم ملود' 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۲۰۔  
 ۲۱۔ سلطانہ طوطا غالب 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۲۱۔  
 ۲۲۔ غزل غم طرح غالب 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۲۲۔  
 ۲۳۔ غالب 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۲۳۔  
 ۲۴۔ غزل بہ زمین غالب 'فوری' ۱۹۹۷ء میں ۲۴۔  
 ۲۵۔ مسکن کھنہ کی کہتے ہیں فدا بخش 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۲۵۔  
 ۲۶۔ غالب کی قصور نگاری (چند شمارے) 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۲۶۔  
 ۲۷۔ غریب گلشن کا سفر (نثر غالب) 'فوری' ۱۹۹۳ء میں ۲۷۔  
 ۲۸۔ سو پرے (فلم بسطہ غالب) 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۲۸۔  
 ۲۹۔ ادا ادا جاں اور (نثر غالب) 'فوری' ۱۹۹۷ء میں ۲۹۔  
 ۳۰۔ غزل چارہ غالب 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۳۰۔  
 ۳۱۔ 'حقیق' غالب کا انگریز سید معین الرحمن پر تبصرا 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۳۱۔  
 ۳۲۔ غالب کی طرف ادا نقوی کی دور چہرہ دانشا 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۳۲۔  
 ۳۳۔ غالب کے دور کوام کی شناخت 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۳۳۔  
 ۳۴۔ غوری 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۳۴۔  
 ۳۵۔ رنگ و رو (غالب کا ایک نقیضی طبع) 'فوری' ۱۹۹۳ء میں ۳۵۔  
 ۳۶۔ غر غالب اور موشائخ کا سفر 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۳۶۔  
 ۳۷۔ نقیضیں غالب 'فوری' ۱۹۹۷ء میں ۳۷۔  
 ۳۸۔ نقیضیں غالب 'فوری' ۱۹۹۷ء میں ۳۸۔  
 ۳۹۔ غالب اور قاری 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۳۹۔  
 ۴۰۔ غالب بحیثیت شاعر 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۴۰۔  
 ۴۱۔ سید محمد کریم : ۴۱۔ سید محمد کریم :  
 ۴۲۔ سلطان صدیقی : ۴۲۔ سلطان صدیقی :  
 ۴۳۔ سلطان محمد نقوی : ۴۳۔ سلطان محمد نقوی :  
 ۴۴۔ سلیمان احمد نقوی : ۴۴۔ سلیمان احمد نقوی :  
 ۴۵۔ سلیم اختر ڈاکٹر : ۴۵۔ سلیم اختر ڈاکٹر :  
 ۴۶۔ غوری 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۴۶۔  
 ۴۷۔ غالب کی انکسیرت 'فوری' ۱۹۹۷ء میں ۴۷۔  
 ۴۸۔ غالب کتب 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۴۸۔  
 ۴۹۔ شہزادہ اشعور اور اشعور کا شمارہ غالب 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۴۹۔  
 ۵۰۔ غالب اور فلم 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۵۰۔  
 ۵۱۔ غالب کی چند 'فیلم ملود' 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۵۱۔  
 ۵۲۔ سلطانہ طوطا غالب 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۵۲۔  
 ۵۳۔ غزل غم طرح غالب 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۵۳۔  
 ۵۴۔ غالب 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۵۴۔  
 ۵۵۔ غزل بہ زمین غالب 'فوری' ۱۹۹۷ء میں ۵۵۔  
 ۵۶۔ مسکن کھنہ کی کہتے ہیں فدا بخش 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۵۶۔  
 ۵۷۔ غالب کی قصور نگاری (چند شمارے) 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۵۷۔  
 ۵۸۔ غریب گلشن کا سفر (نثر غالب) 'فوری' ۱۹۹۳ء میں ۵۸۔  
 ۵۹۔ سو پرے (فلم بسطہ غالب) 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۵۹۔  
 ۶۰۔ ادا ادا جاں اور (نثر غالب) 'فوری' ۱۹۹۷ء میں ۶۰۔  
 ۶۱۔ غزل چارہ غالب 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۶۱۔  
 ۶۲۔ 'حقیق' غالب کا انگریز سید معین الرحمن پر تبصرا 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۶۲۔  
 ۶۳۔ غالب کی طرف ادا نقوی کی دور چہرہ دانشا 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۶۳۔  
 ۶۴۔ غالب کے دور کوام کی شناخت 'فوری' ۱۹۹۵ء میں ۶۴۔  
 ۶۵۔ غوری 'فوری' ۱۹۹۸ء میں ۶۵۔

۳۶۔ غالب سے اشرف (ملفوظ غالب کی قیاد پر) 'نوری' ۱۹۵۵ء میں ۳۷۲۸

۷۱۔ سطور محمودی: ۳۵۰، داغچہ غالب کے انشائیہ 'نوری' ۱۹۶۹ء میں ۲۱۰۲۳

۷۲۔ ملاحظہ فرمائیے: 'غالب' ۱۹۵۵ء میں ۱۰۰

نوری 'نوری' ۱۹۶۹ء میں ۱۵۰

۷۳۔ غالب کی تصنیف پر اشرف چاروں خیالات 'نوری' ۱۹۵۵ء میں ۳۸۰۳۲

۷۴۔ 'غیر اشرف' ۱۹۵۵ء میں ۸

۷۵۔ غالب کا قصہ 'دلق' 'نوری' ۱۹۶۳ء میں ۳۳۰۳۳

۷۶۔ غالب کی 'نور شعری' 'نوری' ۱۹۵۵ء میں ۳۰۰۳۴

۷۷۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۵۰

۷۸۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۷۹۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۸۰۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

نوری 'نوری' ۱۹۶۹ء میں ۱۵۰

۸۱۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۸۲۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

نوری 'نوری' ۱۹۶۹ء میں ۱۵۰

۸۳۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۸۴۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

نوری 'نوری' ۱۹۶۹ء میں ۱۵۰

۸۵۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

نوری 'نوری' ۱۹۶۹ء میں ۱۵۰

۸۶۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۸۷۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۸۸۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۸۹۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۹۰۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۹۱۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

نوری 'نوری' ۱۹۶۹ء میں ۱۵۰

۹۲۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

۹۳۔ 'نور' ۱۹۵۵ء میں ۳۰

نوری 'نوری' ۱۹۶۹ء میں ۱۵۰

۱۱۱۔ غالب نامہ میں اسلئے غالب فروری ۱۸۶۳ء میں

۱۱۲۔ غالب کی اپنی قلمی تحریریں بلکچ ۱۸۶۵ء

۱۱۳۔ غالب فروری ۱۸۶۸ء میں ۲۳۳-۲۳۴

۱۱۴۔ غالب کی چند اپنی قلمی تحریریں فروری ۱۸۶۷ء میں ۲۰۸-۲۰۹

۱۱۵۔ غالب فروری ۱۸۶۸ء میں ۲۳۳-۲۳۵

۱۱۶۔ میرزا غالب کا راز کچھ "مختصر" ۱۸۶۷ء

۱۱۷۔ غالب فروری ۱۸۶۸ء میں ۳۳۳-۳۳۴

۱۱۸۔ غالب کا دوبارہ اور شکستہ "مختصر" فروری ۱۸۶۸ء میں ۳۸۰-۳۸۲

۱۱۹۔ دجوان غالب اور ایک اہم مکتوب نسخہ بدلیوں فروری ۱۸۶۵ء میں ۳۸۳-۳۸۴

۱۲۰۔ غالب کا انفرادی مکتوب فروری ۱۸۶۵ء میں ۳۶۹-۳۷۰

۱۲۱۔ علی محمد خان:

۱۲۲۔ غالب کے سیاسی افکار فروری ۱۸۶۹ء میں ۴۰۷-۴۰۸

۱۲۳۔ غالب نمبر ۱۸۶۸ء میں ۴۰۷-۴۰۸

۱۲۴۔ غالب فروری ۱۸۶۸ء میں ۳۸۸-۳۸۹

۱۲۵۔ میرزا غالب کا اپنی زبان میں دجوان غالب فروری ۱۸۶۳ء میں ۳۹۰-۳۹۱

۱۲۶۔ غالب نمبر ۱۸۶۸ء میں ۳۹۰-۳۹۱

۱۲۷۔ "نہ نو" کے چند نمبروں میں نظم و نثر غالب اور نثریں اپنے قریب

۱۲۸۔ غالب نمبر ۱۸۶۸ء میں ۳۹۰-۳۹۱

۱۲۸۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۲۹۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۲۹۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۰۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۰۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۱۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۱۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۲۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۲۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۳۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۳۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۳۴۔ غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸









۱۹۶۸ء	۱۹۶۶ء	۱۹۶۷ء	۱۹۶۸ء	۱۹۶۹ء	۱۹۷۰ء	۱۹۷۱ء
۱۹۷۳ء	۱۹۷۴ء	۱۹۷۵ء	۱۹۷۶ء	۱۹۷۷ء	۱۹۷۸ء	۱۹۷۹ء
۱۹۸۰ء	۱۹۸۱ء	۱۹۸۲ء	۱۹۸۳ء	۱۹۸۴ء	۱۹۸۵ء	۱۹۸۶ء

### ماہنامہ مصلحت

"ماہنامہ" کے قیام کے دوسرے مہینوں کے درمیان اہل انصاف کے حوالے کیے گئے تھے تاہم اس سے پہلے یہ مجھے یہاں دیکھنے کے لئے

میں چلا

شمارہ نمبر ۱۹۵۳ء	تقریباً ۱۹۵۴ء	اگست ۱۹۵۵ء	فروری ۱۹۵۶ء
فروری ۱۹۵۷ء	فروری ۱۹۵۸ء	مارچ ۱۹۵۹ء	اپریل ۱۹۶۰ء
مارچ ۱۹۶۱ء	تقریباً ۱۹۶۲ء	اگست ۱۹۶۳ء	فروری ۱۹۶۴ء



## غالب پر "ماہِ نو" کا انتخاب

(۱۹۷۰ء تا ۱۹۹۷ء)

غالب کی سہ ماہی کے مروج پر بلوری فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۰۸ صفحات پر مشتمل "ماہِ نو" ایک ایسا براہِ رناب نمونہ بنا گیا جو ۱۹۷۸ء تک "ماہِ نو" میں چھپنے والی غالب کے بارے میں ہم غریبوں کے انتخاب اور بارے میں شکوک پر مشتمل تھا۔ اگلے صفحات میں نکاشات کے انتخاب پر جی جی ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۷ء تک "ماہِ نو" "ماہِ نو" میں لکھی گئیں۔ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۸ء تک کے درمیان چھپنے والی کچھ ایسی فوری بھی آئی ہیں جو "ماہِ نو" کے ۱۹۷۸ء کے غالب نمونہ تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ اس کاغذ پر ہے کہ صفحات کی کمی کے باعث کچھ اہم انتخاب میں غالب سے مشتمل بعض ایسی نکاشات اور شعری تخلیقات اور ڈرامے غالب کے لیے بالکل ہی نئے نہ لکھ سکے۔

### غالب: سہ ماہی

جہات غالب کے حدود	اول	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۰۸
غالب کی کتب پر انکس پر چھاپہ خلیات	سید محمد حسین رضوی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۲
غالب کا اہم حالات علم تعلیم کی روشنی میں	محمد انوار الحق	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳-۲
دانشِ غالب کے اثرات	سید محمد	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۰-۲۳
غالب سے ایک طاقت ۱۹۷۸ء میں	ڈاکٹر محمد علی احمد	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷
چتا جان	سید محمد حسین رضوی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷
غالب کے کتابی فوری	مسلم نیلی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۰-۲۷
غالب کی وفات	نور علی احمد	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۰-۲۷
وفات غالب پر مروج کا ترجیح نہ	محمد شفیق صدیقی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۰-۲۷
غالب اور بلوری نمونہ	سید محمد حسین رضوی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۰-۲۷
سید محمد حسین رضوی نمونہ	انکس دہلی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷
مرزا غالب کے چند طبعی	انکس دہلی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷
مرزا غالب کا ادبی سہ	بیش پٹ	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷
ادب و ادب کا اہم نمونہ	سید محمد حسین رضوی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷
غالب کے طبعی طبعی	اکبر علی خان	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷
نور محمد غالب	ڈاکٹر محمد حسین رضوی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷
انکس دہلی نمونہ	سید محمد حسین رضوی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۸-۳۷

## نقد و نظر

غالب کی طرف طراغِ تنہدی رومی	ڈاکٹر عظیم علی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۲۸-۳۳
غالب کا اندازِ ادبی و علمی گفتار	امیر عظیم شاہی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۶۳
غالب اور جدید ادب	ڈاکٹر وکیلی آغا	فروری ۱۹۵۳ء ص ۶-۱۰
غالب کا اثر علامتِ ادب اور لہجوں پر	ڈاکٹر فریدان بیگ چوری	فروری ۱۹۵۰ء ص ۱۱-۱۲
غالب کے فلسفیانہ افکار	محمد عہدائے قرنی	فروری ۱۹۵۳ء ص ۸-۱۳
غالب کہ جانشین باد	دہبخت حسین سولی پتی	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۷-۲۰
غالب کا زبانی لہجہ	سید قدرت نقوی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۷۰-۷۱
غالب شعور و دانشور کا شعور	ڈاکٹر سلیم اختر	فروری ۱۹۵۰ء ص ۳۶-۳۸
محمد غالب کے چند مسائل	ڈاکٹر اور محمد	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۱-۱۳
غالب اور فلم دور	سیح اللہ قرنی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۱-۷۵
غالب کی عظمتِ علموں کے آئینے میں	ظہیر صدیقی	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۸-۱۹
مطالعہ علموں غالب	ڈاکٹر سہیل امیر علی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۳۵-۳۸
فصل ہائے رنگ و رنگہ		
غالب کی قصیدہ گوئی	ڈاکٹر محمد ریاض	فروری ۱۹۵۰ء ص ۳۵-۳۸
غالب آفتاب کے عظیم جلی رو	ڈاکٹر محمد ریاض	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۲-۱۳
غالب کے تاریخی شخصیات	ڈاکٹر خواجہ حمید چوہانی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۳۶-۳۷
آئینتِ غالب در نظری	ڈاکٹر خواجہ حمید چوہانی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۱۶-۲۵
شرحیں اور شاعرِ مجنوں غالب		
غالب کے بعض اشعار کے مطالب	ابو گسٹوی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۱۷-۲۱
ہجرتِ غالب کے چند شعر	مولانا قاسم رسول مر	فروری ۱۹۵۱ء ص ۱۱-۱۲
دعویٰ غالب کی شرحیں	مسلم فیاضی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۳۳-۳۷
دعویٰ غالب کا پہلا شاعر	محمد اکرم سید	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۱-۱۲
تعلیقاتِ غالب مستقل شعری ادب	غالبیاتی جائیزہ ہے	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۷-۲۰
کلامِ غالب کے جذباتی تراجم پاکستان میں	ڈاکٹر سید حسین احمد علی	فروری ۱۹۵۱ء ص ۳۳-۳۴
رنگِ سبک (مستطاب) غالب ایک جائزہ	آکبر علی خان قرشی زامہ	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۱-۱۲
جینے والا قادیان کا رنگ غالب زوداد	ڈاکٹر ابو سلطان شاہ جہاں چوری	فروری ۱۹۵۵ء ص ۸۹-۹۰

## پڑھ کر سن: انتخاب اشعار غالب:

"..... غالب کے اشعار کا یہ انتخاب میرا یا آپ کا کیا ہے انہیں ایک

انتخاب مریخ کا ہے اور دوسرا الکحل کا۔۔۔ اور اس طرح اس یاد

کسی میں یاد تو کی قسمت تھی ہے۔۔۔" — سید وقار عظیم

فروری ۱۹۵۰ء ص ۶

مرید احمد علی

اشعار رنگ و لہجہ غالب کے انہیں شعر:

فروری ۱۹۵۰ء ص ۶

عارف سرور اقبال

انتخاب غالب (مختصر)



# انتخاب ماه نو

ماه نو

فصلنامه

ماه نو

فصلنامه

ماه نو

فصلنامه

ماه نو



ماه نو



## اشعارِ ریختہ

(غالب از سریندا)

صبح کرتا شمع کا دھنا ہے ہوئے شیر کا  
 سخت مشکل ہے کہ یہ کلم بھی آسان لگا  
 اڑنے سے پتھر بھی مرادگ درد تھا  
 ہائے اس درد پشیمں کا پشیمں ہوتا  
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ پڑھ جائیں گے کیا  
 لب تک تو یہ توقع ہے کہ دل ہو چٹکا  
 میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا  
 یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر  
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ شمع جل نہیں  
 میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے خواب میں  
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں  
 رکھوں کچھ اپنی بھی مڑکھن طوفان کے لئے  
 اٹھا نور اللہ کے قدم میں نے پاس کے لئے  
 ہے ہے خدا نہ کہہ تجھے ہے دعا کہوں  
 یاد لائے مری باتیں پہ اسے ہر کس وقت  
 دیکھتے ہیں آج اس بت نازک بان کے پاؤں  
 ہم کو پیچھے کی بھی امید نہیں  
 تا امید ہی اس کی دیکھا چاہئے  
 ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھتے تھے

کل کھر سخت پائی ہائے عملی نہ پوچھ  
 حتیٰ کہ آسودہ غصت دشوار پسند  
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا  
 کی مرے حق کے بعد اس نے جہا سے توپ  
 دوست فزائی میں میری سنی قربانیں گے کیا  
 دئے کر میرا ترا اصف محشر میں نہ ہو  
 دیوانے محاسن تک تلی سے ہوا شک  
 سر پھوڑا وہ غالب شوریہ حال کا  
 جاں ہے ہائے یور دئے کیوں کئے ابھی  
 حامد کے آتے آتے خدا اک اور لکھ رکھوں  
 میں اور حق وصل خدا سزا بات ہے  
 بلا سے گرمیہ یاد چیتے غلوں ہے  
 کرا کچھ کے وہ چپ قاری جو شامت آئی  
 ظالم مرے گلیں سے مجھے مضطرب نہ چلا  
 مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آگئیں غالب  
 شب کو کسو کی خواب میں کیا نہ ہو کہیں  
 کہتے ہیں پیچھے ہیں امید پہ لوگ  
 خضر مرنے پہ ہو جس کی امید  
 زندگی اپنی جب اس شکل سے گمراہی غالب

فصل کو اس کے مقصود پہ بھی کیا کیا ناز ہے  
 کھینچا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچا جائے ہے  
 کرچہ ہے طرزِ تھافل ہوا دارِ رازِ عشق  
 پہ ہم ایسے کھوئے جلتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے  
 یہاں تک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ بس  
 دلف کر بن جائیں تو شانے میں الجھا دے مجھے

## انتخاب غالب

(قبل)

ہمارا آفریقہ کھنڈ میں ہم  
 تھم تھما سے ہمارا جیہ ہم  
 یارب بیان شدہ سنی مکتور نہ ہو  
 میں دشت غم میں آہوں سپاہ بیدہ ہوں  
 کہ یاد کھنڈ کہ ملک پوشیدہ ہوں  
 یاد سورج تپ زبان بیدہ ہوں  
 اوزکے سخی غم ہزار پوشیدہ ہوں  
 میں معرض مثل میں دست بیدہ ہوں  
 نے دائرہ قہر ہوں نے دم چیدہ ہوں  
 ہر مایوں کے زموں میں میں برگزیدہ ہوں  
 یقین کلام قہر نے پوشیدہ ہوں  
 میں حلیب کشن تا آفریدہ ہوں  
 لیکن عہد کہ ختم خورشید بیدہ ہوں  
 ذرا ہوں آئینہ سے کہ صوم گزیدہ ہوں  
 خانہ آگنی غروب دل نہ سمجھتا ہوں  
 دشت ہر خطر کو یاد دارما ہوں  
 کہے خدا کی یاد ہے کلفت ہوا ہوں  
 شوق کو مفضل نہ کر باز کو افلا ہوں  
 اسے دل و جان خلق تو ہم کو بھی جتنا ہوں  
 تم ہو بیدار سے خوش اس سے سوا اور سی  
 تم خداوند ہی کھلا خدا اور سی  
 میر کے واسطے توڑی سی فضا اور سی  
 صرا کھل کہ دعوت دیا کرے کوئی  
 یہ محشر خیال کہ دنیا کہیں ہے  
 کہ یوں غواں ہے قتل اور آئینہ دیا ہے  
 وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو چلنے

تلاشے کشن کشنے چھن  
 اسد کھنڈ کھنڈا کھنڈا  
 راک خیال ٹوک و اقدار بیدار  
 کشن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں  
 ہوں درد مند بحر ہو یا اقیانوس ہو  
 پیدا نہیں ہے اصل تک و باز جنو  
 جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دین  
 نے جو سے طاقت نے سفر سے واسطہ  
 ہوں خاکسار ہر کسی سے ہے مجھ کو راک  
 اہل درج کے ساتھ میں ہر چند ہوں ذلیل  
 ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ  
 ہوں گرمی و خشک تصور سے نظر آج  
 میں چشم دا کھنڈ و کشن نظر قریب  
 چپنی سے تک گزیدہ دارے جس طرح اسد  
 کھنڈ و شکر کو شریعہ واسطہ کا سمجھ  
 دشت درد نیکی ہے اثر استعد نہیں  
 مجھ پہ خدا امیدوار کہ پہ جیم دم پاک  
 اسے پہ سرب حسن خلق تھو سنی اچھی  
 نے سو برگ آرد نے وہ درم مکتور  
 میں ہوں مطلق جفا مجھ پہ جفا اور سی  
 تم ہو بت پر قہیں چارہ خدائی کہیں ہے  
 کہیں نہ قہوں میں دولت کو مالیں یا رب  
 عرض سرتک ہر ہے فضائے نلد تک  
 یا رب ہمیں تو غلاب میں بھی مت دکھانے  
 دل ہے گوہر مقصود جیب خود کشاں میں  
 خرگاہ کوکہ چشم کو بدو چلنے

## میرزا غالب کے چند شعر

آئے ہیں کہ ہے یہ سطلوں جہاں میں

غالب میری جگہ فرات سواں ہے

یہ کتا بیٹا "سطل" ہے کہ قدرت کی کن کن ی کشیں اور موسس ہر کوئی کے لئے مطلق بھاری وسف، انہیں صبا کرتی ہیں ہمارے اوصاف و خصائص کے طرح، انہیں مطلق شریعت کا بندہ ہے، سطلے مات اپنے شاعروں کی ایک طویل صفِ رسد ہے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شعر میں بسر ہوا، ایک محدود دائرے سے باہر قدم نہ رکھ سکے انہوں نے ہوش کی فتح کھل تو دیکھا کہ پتھروں، شمع بزاؤں، سطلوں مختلف صورتوں میں بندہ بچے ہیں۔ اس انہوں نے اپنی عمری انہیں میں سے عام سطلوں کی انت پلٹ کر پڑی اور کشادہ دست میں گزار دیں۔ کبھی کسی سطلوں کی بندش میں درا ہوتی ہے اور کبھی کھلا، ذرا اچھا، سوں کھلا میں بندہ کیا تو خوش ہو گئے کہ بڑا کاربہر انہماں آیا کیا، رخ میں موسم کی طرف سے متاثر و تقریر کی صدا میں بندہ ہو گئے۔ ہم انرا صحت ہو گئی اور انہیں آگے بڑھنے یا پھر تھکنا میں اسنے کا کبھی خیال ہی نہ آیا تاہم کہ بچے کہ ان کے گرا عمر میں راحت نہ آئے یا غالب غافل کی سے صحت و صلاحت ہی محدود نہ تھی۔

## حقیقی شعر:

کبھی کبھی ایسے شاعروں کی جگہ ترقی سے بھی عام دور طور پر نامہ انہیں لے لگی ہے نہ دیکھا کہ انہیں قصیدے کا سہارا کیا ہے، انہوں میں ضرورت نہیں کہ حاصل ہو سکی ہے؟ بیش ہے؟ سوچا کہ وہ کچھ کما پائے وہ جانتے پائیدار مستند اور نہ دار ہونا چاہیے۔ اگرچہ انہوں میں اس پر دل بندگی کے سوا کچھ نہ ہو تو انہیں کے لئے چار نہ ہو تو انہیں کے لئے کے سطلوں، بیش میں جھلکتے، کلام سطلوں و کلام انہوں دے کہ۔

مستور گور کی دھل گور دھل

جس کی خوب است غلب کو بیجا ہے

(انگور گور کرے اور دھل پھل کرے آنچ اچھی ہو گی تو ضرور قیمت پائے گی۔ (جہاد)

## میرزا غالب:

میرزا غالب اپنے ہی شعروں میں سے تھے۔ ان کے لئے انہوں نے خود ہی دھل میں دھل میں دھل اور وصل فرما دھل کی تھیں میں جانا غیر ضروری ہے۔ طور میرزا کے ہری اور لہو کلام میں اس کی خاصی شگفتہ میں ہے۔

نہ سطل کی تیرا نہ سطل کی پدا !

کر نہیں میں مرے شمار میں سطل نہ کسی

پر نام غالب لا دھل کی تیرا نہ کسی

مر سطل خوب دھل نہ سطل دھل

تو اسے کہ کو سطل مستور گور



مہاں مگر غائب کہ در زلف است

غائب سوز ہوں دل پہ یہ کھتا، غری

یہ دودھ کے دھواں نکلیں اچھلیں

آہِ دواغم کہ سر مست غنِ خواہد شدن

ہیں سے از قند لہرائیں کس خواہد شدن

شعر گوئی کی امتحان گزرتا

شعر گوئی کے وقت حقیقی محسوس ہو جو حالت طاری ہوئی ہے مجھے معلوم نہیں کہ کسی شعر نے اسے جان کیا ہے یا نہیں۔ مگر کے ہاں بعض اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً

از بند لب نہ دلم چوں شود؟ ایک آنکہ

کز دل بگم فساد درخوں سے رود

بسکہ خونِ تھوہ خیزد رود از طبع دلم

درد ہوا کے غلغلہ پھلتا درخوں سے رود

یعنی مجھے معلوم نہیں کہ بات لب سے باہر نکلتی ہے تو کیا کیفیت پیدا کرتی ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ دل کی گھڑی سے اٹھ کر لب تک آتی ہے تو خون میں ات پت آتی ہے۔ میرے دل کی طبع سے جو دھواں اٹھتا ہے وہ خون سے بھرا ہوا ہوتا ہے میری گھڑی میں پودا طبع کی طرف جاتا ہے تو خون میں تھوہ ہوا جاتا ہے۔

میرزا غالب نے اپنی شعر گوئی کی حالت ایک جگہ وضاحت سے بیان کر دی ہے اگرچہ اس کا صحیح انداز اس وقت تک نہیں ہو سکا کہ اب تک گورا اپنے لب پہ حالت نہ گزر سکتا ایک غزل کے مطلع میں لکھے ہیں۔

بسیب از گدلائی اور بکر حلقہ چلتی

غائب فکر دم غنِ مدہ خیر میں رہتی !

یعنی اسے غائب ! اگر شعر گوئی کے وقت تو میرے خیر میں دلوں ہلکتے تو دیکھو کہ دل میرا گدلا ہے اور بکر میں اُٹ کا ایک تیل

سوزتا ہے۔

غور فرمائیے کہ اشارے ہاں کتنے شمار کر رہے ہیں۔ انہوں نے ہاں کی اس خاصیت پر امتحان لکھ میں دیکھ کہ شعر کے

میرزا کی ہینگوئی کیلئے

میرزا غالب نے اپنی شاعری کے حقیقی جگہ ہینگوئی ہاں کی جس کو درست ثابت ہوئی، مثلاً کہ قند

کو کیم دودھ دم دوج لعلے پودا است

شربت شمع پہ تکی بعد میں خواہد شدن

میرزا کی زندگی کے آخری دور میں ہاں کی شاعری خاصی شہرت پائی تھی لیکن کوئی شبہ نہیں کہ قول عام کا وہ تمام افسانہ میرزا کے بعد حاصل ہوا اس کی نظیر غنِ طغی ہے۔ مگر کے حقیقی جگہ نہیں کہ ہاں کا سکا ہے ہم اب تک کہ ہاں کی بات ہے ایک سو سال گزار چکے ہیں لیکن کی شہرت میں نصف غنِ ہوا ہاں اور پاک دودھ کا شایہ ہی کوئی شمار ہو جس پر اتنی کتابیں اور اتنے مضامین وضاحت لکھے گئے



صبح سویرے دو گونہ و گونہ دروازہ چلا دست

کی دروازہ کھلا اور کتبہ کا کتبہ لکھ دیا

جی گری کا موسم ہے۔ بھڑکی کے چاندوں طرف دروازہ کھلے کوئی مکان میں اور اس بھڑکی میں فداوت کے لئے جو جس میں  
لے جاتی ہے وہ رات ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک گری کی حدت و بکری برداشت کرتے ہوئے لوگ بھڑکی تک پہنچ گئے تو وہ رات  
ظہیر میں کے کیا وہ دست ہی میں غم نہ ہو جائے گی؟

گوا میر نے بظاہر انکاداری کے مراسم قائم رکھے ہیں جن کی حیثیت کا مزاج کو چھین دیتا ہے کہ میرت پاس جو جس ہے اس  
کے ہتھ لور فداوت ہونے کی کوئی صورت نہیں وہ جو غم ہی رہا ہو جائے گی۔

شب یہ سحر صبح نور ٹھیک سے پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ جی ہے کہ اس کے مختلف درجہ مختلف مظاہر ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے اور یہ  
مظاہرات گھر کے اور بیٹے بیٹے میں سے جاسکتے۔

تیسری مثال:

ناری کا ایک اور شعر ہے۔

براد کعبہ دلاوم نیست شوم کہ بہک ہادی

یہ وطن پائے برقرار ملیا غم لئے آئے !

فرماتے ہیں۔ میں نے حرم پاک کا سزا اختیار کر لیا ہے۔ لیکن دلوں میں نہیں اور یہ امر حقیقی تصریح میں سمجھا سکا کہ کوئی بھی سزا  
دلوں کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔ اس سے مراد کسی سے میر نے دل کی تسلی کے لئے ایک کتبہ پڑھا اور حوالہ ہونے کے بجائے کوئی  
ہو گئے۔ کتبہ یہ ہے کہ اگر دلوں کا سوا سلطان پاس ہو آقا اسے اذیت دینا اور بیچنا وہ بہت بھاری وجہ ہو کہ وہ اس میں بھاری وجہ سرے اذیت  
ہے تو پہلے وقت وہ سنبھل کر پاس نہیں دیکھ سکتا۔ وہ جتنا زیادہ دلتی ہو گا سنیں گا پھر ان کی نظروں میں وہ جائے گا۔ راستے میں کتبے بھی  
ہوئے ہیں اور سنگ و صفت بھی۔ حالت اضطراری میں وہ ان آزاد دلوں میں جوں سے بچتا ہو ان میں جوں سے بچتا ہو ان میں جوں سے بچتا ہو ان میں جوں سے بچتا ہو  
نہ ہو تو وہ ہر قدم و کچھ کر دیکھ گا اور کاتوں سے محفوظ رہتا ہو۔ حوالہ دلتی ہو کر آجائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ مضمون بھی کتبہ مظہر کا  
نتیجہ ہے جس میں میر نے بطور دیکھا ہو گا کہ جب لوگ بھاری وجہ سرے اذیت ہیں تو ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور اگر میر دلتی دلتی  
سے کتبہ ہوں تو چٹا کی دودھ سلی ہو آجائے اور پاس کو ہر گز سے کیوں کر محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

بہار و حقیقت:

آپ نے بہار و حقیقت اور صورت و معنی کے بعد سے شعر لے ہوں گے۔ میر کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیے۔

دلہ لا باطلہ تا کے جہنم کم میں

ی کی دلی کہ یک جہانہ فصل کردہ دم

یعنی اسے دلہ! ہم نے آپ کو انکسار کا ایک خوش بطور انداز دیکھا تو اسے معنی اور حقیر نہ کہجے۔ ہاں یہ ظاہر ہے انکسار کا ایک خوش  
ہے جس کی قیمت زیادہ نہیں لیکن اس کی حقیقت و معنی یہ ظہر بھی جائے تو ظہر کا ایک جہانہ ہے جسے ہم نے آپ کی فکر کو دلوں  
خود انکسار اور انکسار اس لئے کہ اہل معنی سے آپ لذت اندوز نہیں ہو سکتے۔ صرف ہم دلوں ہی کے دلتی اور بیانی ہم دلتی  
کا مراد ہے۔

بندش مضمون کا اکتال:

میر کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ ہر مضمون کو کچھ اور ہر اقتدار سے سوا ان میں دوسرے کے لئے مشغول کرتے ہیں۔ ہر شاعر اس قدر

میں کی ایسے مضمون ہیں جو وہ سب کو سوجھے لیکن وہ انہیں فطری اور طبی امور میں پاندہ نہ تھکے۔ میرے سامنے اس کی صورت چلیں ہیں  
 ان میں میں صواب ایک مثال پیش کروں گا  
 درگزر وعلیٰ کا ایک شعر ہے۔

ہر کہ لب پہ سے تھکے ترکہ چاہے رحم

ہر برکت طوفان چلنے پہ اپنی پہلو کر رحم

یعنی لب میرے چاہے سے محبوب نے اپنے لب شراب سے تھک کر گئے تو اس نے اپنے ایک پہلو کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا اس میں مسکھایا  
 اور عالم سستی میں کسی سے عقل دوست کی امید ہی نہیں، رنگی چاہتی تھی میرے پاس میں اس کے ساتھ کہ عرض کرنے کی ضرورت  
 نہیں کہ مسکھایا ہوا کسی کا عقل نام پر لکھا ہو چلا بلکہ عقل نام کرنا کوئی عقلی دھڑلہ نہیں۔  
 میرزا قہقارے فرماتا ہے

ہم سے کھل چکا ہوا وقت سے پہلے ایک دن

دو دن ہم چلیں گے رکنا کر طوطا سستی ایک دن

ہم تو سے پہلے ہیں ہی ان کا ہم بھی بے شک ہو کر طوطے ساتھ چلا چکا۔ خوب یاد اور چلا۔ اگر یہ نہ کیا تو دیکھو بھی کھلے دینے  
 ہیں کہ ہم کسی روز آپ کو چلیں گے اور طوطا طوطہ ہو گا کہ بی کر مست ہو گئے تھے اور دیکھ نہیں نہ دبا کر کیا حرکت کر رہے ہیں۔  
 اس مضمون کی طبی صورت عقلی اور دوستی کے عالم میں محبوب کی مجلس کے کو لب سے ہے پیدا ہو چکا کہ جو میں کہتا ہوں ہے ایک پہلو  
 کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا کر دیاں میں جا سکتا ہے؟

میرزا کے فطری جوہر

اگر میں ان کا اور عرض کر دیتا ہوں کہ میرزا غالب کا یہ دعویٰ بھی حقیقت پہ مبنی تھا

توہمیں ہری مرتبہ داخلی غالب

میرزا غلام غلامی میں کہ کہ کہ وہی ا

اس میں ظاہر ہوتا ہے کہ میرزا ایک بھی ہی ایک سرحد سے سستی اور سمجھ بڑی سستی ہے۔ کمال دل لعل  
 اس پر ہزار ضرورت تھی وہ نہیں۔







اس صورت میں حق و عوامی دونوں کے اشعار کی تعداد ۳۰۰ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ میں نے لٹو موشی (طبع اول) کے دیباچے صفحہ ۳۳ میں بیان کیا ہے۔ رام چور کے سب سے پرانے محفوظ نسخوں میں اشعار کی تعداد ۶۶۶ ہے اسی نسخے میں روایت الہام کا یہ شعر موجود نہیں ہے۔

شرح بانگہ ہستی ہے زبے مہم مکی

دھڑھکا جادو ہے خوشا سوچ شریب

چونکہ یہ شعر لٹو بہاول کے جانے ہوئے لٹو شیرانی کے حق و عوامی میں ملتا ہے لٹو رام چور سے پرانے ہیں۔ اس لئے اس شعر کو کتب کے سوسے سے حذف بنا جانے کا اور اس صورت میں لٹو رام چور کے اشعار کی کل تعداد ۳۶۸ ہو گی۔

لیکن جیسا کہ اس کے کچھ سے ظاہر ہوتا ہے لٹو بہاول کا حق و عوامی ۳۶۸ شعر ہیں یا عقلیں ہے اس سے ظاہر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ لٹو بہاول رام چور کے قدیم نسخے سے گزریں ہاں ہے لیکن واقعہ اس کے برعکس ہے۔ جیسا کہ آج میں واضح کہیں گا اس کی وجہ لٹو بہاول کے کتب کا سوسے اس لئے روایت غزل کی ایک ۳ شعر کی غزل میں کا مطلع ہے۔

یہ ام ہو اگر میں دلا دلا دو کہ دیکھتے ہیں

کبھی سہا کو کبھی ہار کو دیکھتے ہیں

حق میں نہیں کبھی ہے اور غلطی سے آگاہ ہونے کے بعد جانے میں اس کا انکار کیا ہے۔ اگر یہ ۳ شعر حق میں ہوتے تو لٹو بہاول کی تعداد اشعار غزل بھی ۳۷۱ ہو جاتی اور اس لحاظ سے کل شعراء ۲۰ تک پہنچ جاتے۔

حق کے اشعار کی یہ تعداد لٹو دہچور سے ۲ کے بقدر اس لئے بڑھ گئی کہ لٹو بہاول میں ایک غزل کے ۲ شعر ایسے ہیں جو لٹو رام چور میں صرف سے ۱۸۲ نہیں ہیں اور چونکہ یہ لٹو ۳۳۸ (۱۸۳۳) کا مرتب ہے اور یہ شعر ۳۵۰ (۱۸۳۳) کے آگے ایک کے لئے ہیں اس لئے ان کا حق لٹو رام چور میں ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ ان اشعار کا آگے خصوصیات لٹو بہاول کے تحت آ رہا ہے۔

زمانہ قرطبہ

اس نسخے میں غالب شاہ غریبی اور علی بلور غریبی کبھی پہلی بار ہی تقریباً ہی پائی جاتی ہے۔ تقریباً کامل ٹائپ موجود ہے جو تاریخ ۱۸۳۸ء سے شروع ہو کر ۱۸۳۹ء کے تاریخ ہی پر ختم ہوتا ہے۔ حق میں لکھی کوئی نظم موجود نہیں جو اس سال کے بعد لکھی گئی ہو۔ قضا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ یہ اسی سال کا مرتب لٹو ہے۔

ایسا یہ وہی اصل لٹو ہے غریبی کی تقریب کے ساتھ پہلی بار لکھا گیا قدس کا وہاب میری دانت میں "ضمی" ہے۔ کیونکہ اس میں اس قسم کی لفظی غلطیاں ہیں جو غریب کو دانت میں کرنا چاہئیں لیکن یہ ہے اس کی نقل اور نقل میں میری دانت میں میرا مناسب کے حق دوست نے کئی جہی اس کے بارے میں انہوں نے اپنے لورہ غزلوں میں جگہ جگہ لکھا ہے کہ وہ میرا کام حق کرتے رہتے ہیں۔ یعنی صحیح میرا اس خیال کی قیاد اس صرح ہے جو اس میں ثبت ہے اور میں میں "تھو دھندل لہریں میرا" لکھا ہے "کیونکہ صحیح میرا کا بڑا ہم یہی تھا اس کی آواز" اسی کے مندرجہ ذیل سے ہوئی ہے اس طرح کہ "وہ نے شعر وہی حالتوں پر لکھا کرنا رہے۔ بالکل مرزا





۱۰۔ میں در میں سنت اور اعلیٰ جام شعر

ان اشعار میں پہلے چھ شعر رام چور کے قدیم نسل کے متن میں موجود ہیں۔ چونکہ وہ نثر و عروض کے تدریج ذریعہ تھے اس لیے یہ ۱۱ ہے۔ اس لئے میری رائے میں یہ کتب نثر کا مسودہ جس کی جانچ میں بھیج کر دی گئی ہے اس نسل میں یہ بات نہ گئی کہ رام چور کے نثر و نظم کی طرف توجہ سے کیا ملاحظہ

دور ۱۱۔ پہلے کتبکی مستحق نہیں

ہم کتب ہوتے اگر حسن نہ ہوتا طور ہیں

اس نسل کے متن میں بھی نہیں ہے بلکہ یہاں جانچے ہوئے کتب ہوا کرتا ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ مطلع ۱۸۳۳ اور ۱۸۳۶ کے درمیان کسی وقت لکھا گیا ہے۔

آخر میں غالب کی مذکورہ بالا دہائی کی تدریج کے متعلق اپنی تحقیق بھی عرض کروں اس کا چھ خاصہ یہ ہے:

یہ اب کے شب قدر و دہائی نام

اسی مصرع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسل یہ دہائی کسی کسی حق بعد مسلم یہ تصور صحیح ہو گئے تھے یہ بات مسلم ہے کہ دہائی بعد ۱۸۱۵ء کی آخری کسی تدریج کو ہوتی ہے اب کہ چار بھپ چکا ہوتا ہے اور شب قدر عام طور پر رمضان کی ۲۷ تدریج کو تسلیم کی جاتی ہے۔ اس اور کے پہلی نظم نظم حضرت کی مشورہ کارخانہ پر غور کیا جائے تو صحیح ہو جاتا ہے کہ بعد مسلم تدریجوں کا یہ آغاز ۲۷ رمضان ۱۸۵۷ء مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ۱۱ نومبر ۱۸۸۶ء کو ہوا تھا۔ لہذا یہ دہائی ۱۱ نومبر ۱۸۸۶ء کو یا اس سے ایک دن پہلے کسی گئی ہوگی۔

اس نتیجے سے ایک اور نتیجہ بھی نکلا ہے اور وہ یہ کہ دہائی شروع کا پہلا ایسا سال اس وقت کے اعتبار سے ۱۸۵۷ء مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۸۶ء کو ... چھپا ہوا تھا لیکن اس قیامت میں مذکورہ بالا دہائی بھی داخل ہے۔ لہذا اگلے ۱۷ اکتوبر کے ۱۱ نومبر کے بعد چھپا نام ہونا چاہیے اور اس صورت میں مسودہ کی تدریج کو کتب و کتب نثر کی تدریج قرار دینا چاہیے اس خیال کی بناء پر اس سے بھی دہائی ہے کہ مسودہ کا نمبر مضمون کی حدودی ترتیب میں شامل ہے۔ بدلائل نمبر کے ساتھ نہیں چھپا ہے۔ اگر یہ مطلع اصل کی کتب کے بعد لکھا گیا ہو تو لپکا بدلائل نمبر صفحہ بھی دکھاتا ہوگا جیسا کہ ملاحظہ ہوا کرتا ہے۔

اس اسباب و سبب کی بنا پر مطلع بدلائل غالب پر ہم کرنے والوں کے لئے دلچسپ بھی ہے اور نام بھی ۱۸۶۰ء میں یہ نثر پمائل میں لکھی گئی ہے۔

## غالب کا انداز گل افشانی و گفتار

مرزا احمد لطف علی غالب کی وفات کی دسری صدی کے آغاز میں بھی اس کے فن کی بڑی اور اس کی شخصیت کی توانائی میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس اس بڑی اور توانائی میں بے حد و حساب اضافہ ہوا۔ یہی غالب نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ وقت کی دھندلوں سے آزاد ہے۔ غالب شاعری کی دنیا کا وہ منقہ آلقب ہے جس کا لوہا اس کے طبع سے بھی نہیں ڈھلا، تندر اور دلچسپی ہے۔ صفت غالب کو اپنی کسوٹی پر کس کر اسے سدا کے لئے کھرا قرار دے چکا ہے۔ فن کی ان غیر قابل قطعیتوں میں شامل ہو چکا ہے۔ جو قیمت تک توفیق سے نا آشنا رہیں گے۔

غالب کے فن کی اس اہمیت کے سبب چند ہی مگر سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ وہ خیالی و انفرادی دلوں میں محو نہ رہا۔ ایک ایسے دور میں پیدا ہوا جب معاشرے کا فکر محو اور عقل کا شمار عقلی ہوئی تھی۔ جتنی چاہی تھیں۔ لوگ نئی بات سوچنے سے بے یار و مست تھے۔ جیسے سوچ بیٹھے تو دین پست جاننے کی اور آسمان ٹوٹ چلے گئے تھے۔ اپنے دل و دماغ اور ہمدردی و مہمت پر چند فرسوں و مبالغہات کے غلچہ چل چل کر اسے غیبی شاعر میں غالب کو ثابت کرنے آپاد مغرب نے اسے ایک ایسا منصب سونپا تھا جو صرف غیر معمولی ذہنی اور عقلی قوتوں کے مالک ہی کو سونپا جاسکتا ہے۔ اور غالب نے اس منصب کو پورے حسن و وقار سے ادا کیا۔

آئیں تو سے ادا ملز کہیں چ ادا  
حلی کیا تھیں ہے قوموں کی زندگی میں

غالب ایسے ہی تھیں وقت میں پیدا ہوا۔ اب قوم نے طرز کہیں کو اپنے چہرے سے لگا رکھا۔ اور آئیں تو کی دھند میں چلنے کے باوجود وہ اس کے دھند سے بھر چکی۔ اس عالم میں قوموں کو آئیں تو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی نصیحت دینے کا ہم کسی کے لئے بھی تھیں ہو سکتا تھا۔ مگر جب یہی منصب کسی شاعر کے سپرد ہو اور ہر اس شاعر کے ساتھ سپرد ہو کہ وہ فن کے تمام عناصر کو چلی بھر دے کہ اسے پورا کرے تو پھر یہ ہم قلمی دانشمندیوں کے سامنے کھڑا ہے۔ غالب کو اس دانشمندی کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس سے اپنی فکر اور عقل و نزاکت کے ساتھ لڑنا کہ جن میں اس کے عقل کے ایک سو بیس برس بھر بھی بہت کم ہیں اس کی خدمت میں خداداد حقیقت چلی کھڑے ہیں تو یہ اصحاب قدم قدم پر اسے دھوکے دہن مگر ہوتا ہے کہ ہم اس سے چار اضعاف نہیں کر رہے ہیں۔ کسی شخصیت کی شخصیت میں بہت اضافہ ہو کر ہوتا ہے تو اس کی شخصیت کی بے چینی اور بے گنجی کا ثبوت ہے۔

غالب ایک عظیم شاعر ہیں۔ وہ نے کاغذی لکھنے تھا کسی نے کئی حق بات کہی ہے کہ عقلی تشکیب کا بدلا حسن اور قہر غالب کے انداز گفتار میں سمٹ کر آتا ہے۔ یہی جتنا اس تشکیب کا فائدہ ہوا اس میں ہے مگر وہ ان عظیم باتوں میں انوں کے خطوط پر وہ سانس بھی دیتے ہوئے دیکھ لیتا ہے۔ وہ نے حد کے قریب ہیں۔ یوں غالب مسلمان برصغیر کی تاریخ کے ایک دور ہے۔ مگر کڑا ہے مگر ترقی کے طرے اس سرے سے وہ حیران و سراپا نہیں ہے۔ اس کا مہل صرف چند اور وہاں ہوتے تو ممکن ہے وہ اختیار و دل دتا مگر وہ اور اور ہادی کا پیدا ہوا تھا جس نے عقل و دانش کی لگی میں کی۔ جب کوئی شاعر کے کہتے

عالم کو چاہیے ہر رنگ میں دا ہوا

تو اس کے لیے کہ کلمہ نہیں ہو سکتی یہ "عالم کا دا ہوا" خود شعری کیلئے باطل کی جڑ تھی۔ غالب سے پہلے تو دہلوی شعری پر اس اہل ان کے پیم لڑا تھا جو غالب دیکھنے کی حد تک جیتے۔ ہزار رنگ خود ہی ہے مگر میں نے اگلے ہی خود دشمنی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ غالب نے د صرف خود ہی پر پیم کٹائی کی بلکہ اپنے لیے کے لیے ہر اسے ایک حسنی سے گراستہ کیا اور میں خود کا پہلا خود منہ صاحب داخل اور تھیں یہ شعر قرار پڑا۔

اسے جسے کام کے لئے اس کے پاس جو زبان تھی اس کے الفاظ مرقا میں جب ایک سے معلوم میں استعمال ہونے کے باعث ہے بلکہ وہ بچے تھے۔ الفاظ کے معنی کی اس یکسانیت اور یک رنگی نے غالب کو د صرف نے الفاظ کی حفاظت پر لکھ دیا بلکہ مروجہ الفاظ کی سے مناجم سے آراستہ بھی اس کا مشعر شخصی ہیں اس نے بھی قری مجھ کو تو انہیں اپنی مجھ ہی علم کیا اور میر تقی میر کے بعد ایک بار بار آمد کی دکان میں نے الفاظ اور ہر اسے الفاظ کے لئے سے معلوم کا یہی طریقہ دلائے لگا، انہیں میں نے الفاظ سے صواب سے بارے تھے غالب کے ہاتھوں باطل ایک تھا کہ "محبوب تو" سے مراد ہوئی اور جو شعری سڑک پر کھڑے تھے۔ اور "محبوب تو" کھلائے تھے۔ "کے کلمہ میں جتنی تھی غالب کے قلم نے سے بلکہ اپنی گھڑی کہ شعریں صدی کے نصف آخر میں تھیں، وہیں کی د فرسنگی کا ایک دور بھی لا کر نہیں پڑا۔

غالب کو بھی اپنی اس جہانگاہی کا دور اس حاصل تھا اس لئے تو وہ جسے دعوے سے نکاتے کہ۔

کعبہ معنی کا قسم اس کو کھٹے

جو تھا کہ غالب مرید اشعار میں آگے

اپنے اشعار کے ایک ایک لفظ کو کج معنی کا قسم قرار دینے میں غالب نے شعراء کو نہیں دیا بلکہ ایک اپنی حقیقت جان کی ہے جس کا اعتراف بڑا دلیلی علی ظم نے کیا ہے۔ ہر کسی تو وہ ہے کہ ہم نے غالب کا وہ شعر میں دے پہلے پڑھا تھا وہ شعر کج پڑیے تو اس کے الفاظ پڑے تو معنی سے لڑنے نظر آئیں گے۔ غالب اس کے تو یہ لکھیں وہ پاناک اس کا ہر لفظ لفظی کثیر کرنا بھی تا ہے۔ غالب سے اختلاف تو اس کے بعد کے بھی شعرا نے کیا ہے مگر باقی تک کسی نے "شکوکوں کھلائے" کے جملے کی باقی نہیں کی تھیں۔ د کسی کو محبوب کی "معنی ہونے والا" کے لکھنے اس اثر میں تھا تھا الفاظ کے اس لحاظ میں معنی کا وہ مصدر لکھیں مار دیا ہے خود میں طبع ایک معلوم کی مر کے خود دے معلوم کی مرید ہو کر ہر لفظ کا سفر لے گئے تھے ہے تو یہ غالب ہی کا حصہ ہے۔

مروجہ الفاظ کو لے معنی کا سیریل بنانا یا غیر ہر اس الفاظ کو شعری زبان سے حریف کرنا شعری قوت گہائی کی سہ کڑی تھا باطل ہے۔ شعرا اگر جو مدت صرف اس لئے دوا دیکھتے ہے کہ وہ اپنے ہم صوبوں سے حریف نظر آئے تو وہ محض فحاشی کا کارہ ہے کہ وہ چاہا ہے اور اس کے معنی الضمیر ہے یہ الفاظ باطل کی صورت میں گر گراستہ بلکہ دینے ہیں اور صاحب اپنے جیتے تھیں اگر اس حد کا مشعر باطل معنی جو میں اگر شعرا کا دیا ہے وہ کہ وہ الفاظ کے لئے حاکم کی دے باطل قاری کے دلی کو دلیا سے لڑا، سمجھ گئے تو اس کی یہ مدت پڑی ایک قہری اور فحاشی کرنا لگاتی ہے خود وہ محض اپنے دور ہی پر نہیں بلکہ نسلوں پر بھی چڑھا ہے۔ غالب کے بد سے میں کسی نے باطل اور درست کہا ہے کہ اس کے ہاں خیال کی بارگاہی ہے مگر یوں کی بارگاہی نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ غالب تھا کہ بلکہ اس سلیقے سے استعمال کرتا ہے اور صریح میں اس کی شہت اپنی صاحب ہوئی بلکہ اس پاس کے الفاظ بھی اس کے سے معلوم سے چمک دیک

لکھتے ہیں۔ اس کے لئے اللہ اور انی دیکھیں اپنے معنی کو اپنے اندر چھپا کر نہیں نکلیں، راجس بلکہ وہ لوحِ مستقل ہوئی ہیں اور ہر ہری یا صاحب کے ان پر عزم ہو جاتی ہیں۔

یہ بھی خود ہی نہیں کہ غالب صرف قاری علی کے الفاظ و ترکیب کے مسلسل مستقل سے اپنی جدت طرازی کا اظہار کرتا ہے۔ اگر بے الفاظ مستقل کرتا ہے تو موجود الفاظ سے دست کش نہیں ہو جاتا بلکہ انہیں بے بے معنی کی لٹی لٹی پر تیں بٹاتا ہے کہ بے پتہ، بے کھولتے، بے جائے اور بے بے سے معنیوں سے لفظ باب ہوتے جیسے۔ اس کی کئی فرائیں اس اٹھاکہ سٹیس میں ہیں کہ غالب کا ذخیرہ الفاظ بڑی فکر ہو تو اس سلاست پر حیرت ہوتی ہے مگر جس طرح مولانا علی جو ہر نے کہا کہ اس میں طویل طویل لولہ ہے اس لئے لکھتا ہوں کہ شعر لکھنے کا میرت پاس وقت نہیں ہو گا یہی طرح اس قسم کی بلیغ سلاست بھی بہت دشوار اور وقت طلب کام ہے۔ فور کرنے کی بات یہ ہے کہ سلاست کی لائحہ فرائیں تو غالب سے پہلے کے شعراء کے ہاں بھی بکثرت موجود ہیں مگر غالب کی سطحیں غزل ان فرائیں سے اتنی مختلف کیوں ہے؟ فرق وہی انداز گل افشانی تکثیر کا ہے کہ غالب کی سلاست میں بھی بالکل ہے۔ اس کے لئے الفاظ بے پتہ ہی پر کار ہیں یعنی تکنیک معنی کا عزم ہیں۔ سادگی اور بے کاری کا یہ الفاظی غالب کا اسلوب صحیح کرتا ہے۔

غالب کی جدت طرازی اور تکرار کوی محض اس کے اسلوب بیان پر اس کے طرزِ اظہار پر محصور نہ تھی بلکہ وہاں تو صرف ایک وسیع قیام اور غالب کے ان کا ذخیرہ وسیع ہے اس فکری مواد کا جتنی سلاست طلب کے دلال کے بعد یہ صبر کے مسلسل ان کے انہیں ہر سلا ہو چکا تھا کسی بھی شاعر کے ماضی شعرو اور انوار شعر کو الگ الگ غزلوں میں نہیں پایا جاسکتا کہ وہاں کے درمیان اتنی گہری وابستگی ہوتی ہے کہ ان کا الگ الگ تجزیہ جانن سے گوشت کو جدا کرنے کے حروف ہے مگر محض سمجھنے کے لئے اس قسم کی دلائل تھیں ضروری ہوتی ہیں۔

غالب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عمر بھر ایک "انٹروڈکٹ کب" میں جکا رہے ہیں اس پر کوئی الزام نہیں ہے۔ انٹروڈکٹ کب میں صرف وہی لوگ جکا ہو سکتے ہیں جن کی داخل بیدار ہو ورنہ خود غالب کے زمانے میں ایسے انٹروڈکٹ کب تھے جن کی داخل عمر بھر خواہد رہی۔ غالب کے ہاں تو "آئینہ بکری صبا سے بچھا جائے ہے" ما شعور سے لیا ہوا کب سے اور اس کے ہاری کو بے گئی کہتا ہے مگر دوسرے انٹروڈکٹ کے ہاں صبا سے جبر سے آئینے کے اس پار دیکھنے کی سکت ہی نہیں تھی۔

غالب نے ایک غالب شاعر کی دماغ کی سطحیں اور زبان کو آواز اور بظاہر کے امکانات کو وسیع کیلئے روایت کی دماغ میں سے نکال کر بکری کی دھوپ سے متعارف کرایا اور یہ غالب ہی کی اس جرأت و فطرت کا اظہار ہے کہ غالب کے لفظ صمدی بعد ہی لود کو اقبل کا سا شاعر نصیب ہوا جس نے لود کی ذلیل معنی کی صلاحیتوں کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ غالب اور اقبل نے لود زبان کو بڑے الفاظ اور چہرہ ترکیب سے ملائی تھی کیا اور یہ امتیاز بھی کی کہ ان کی تکرار کوی سے الفاظ بولنے لگیں اور معنی پر واضح نہ ہو جائیں۔ اس با معنی اور شہت جدت طرازی کو علی اظہار صمدی اظہار پر لکھ کر لکھتے اور یہ وہ باتیں ہیں جسے اپنے کام میں برحقان شعراء کے لئے دشوار تر ہے جو سچ پر جیسے رہنے پر قائل نہیں ہوتے بلکہ تمہاں میں قیام نہ ہوتے ہیں اور مگر خیال کے لئے سے سے صوبوں سے اپنے صمدی آئے والے دور کی بھولیاں بھر دیتے ہیں۔

غالب نے ہی زبان کے ساتھ ہی ہی فکر کا بھی اتحاد کیلئے کام کیا کی ایک بہت بڑی تبدیلی نے اسے کلمہ کا اظہار نہیں ہونے دیا بلکہ اسے اس چیز کی وحدت بخشی کہ کائنات میں موجود کا وہی نہیں۔ کائنات مسلسل حرکت میں ہے اور مسلسل حرکت سے تبدیلی پیدا ہوتی ہے تبدیلی کا یہ ہے انتخاب آتا ہے اپنی قدروں میں سے جتنی اپنی اقدار کو تخلیق ہیں "ہی قدروں کی تخلیق ہوتی ہے انہیں کے ان وسیع ہوتے ہیں صوب کی پرواز افشانی ہو جاتی ہے پہنچا کر انسان ماضی کا نام کہنے پر مجبور ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ

مستحق کی طرف اپنی باتیں بچھا نہیں سکتا، اگر مستحق کی نفی کرے گا تو خود ہی باطنی کا صدمہ بن جائے گا۔ چنانچہ ایک دانشور اور مذہب انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ باطنی کے تجربات سے لاپرواہ نہ ہوگا۔ جسے یہ سمجھنا چاہیے کہ مستحق کو ایسے معیاروں کے مطابق احوالے کی سہی جاری رکھے۔ اس لئے تو غالب کہتا ہے۔

مد سے مل کر افسوس ہے غم تھا ہو  
کہ چشم تک شیلہ کھڑکھڑا سے دلو

اصطلاح غالب کے ذاتی اور لائیکل رشتوں کا طور ہے۔ غالب کو یہ اصطلاح اس اجڑے دی گئی۔

ہے کائنات کو حرکت دینے والی سے  
ہے تو سے آفتاب کے گروے میں جان ہے

اسے یہ یقین ہے کہ رب "راست دان گردش میں ہیں سدا آملی" تو ہر کیسے ممکن ہے کہ غیب کے ہر طور کا مروط نہ آئے اور ہر طور شید سے شہتوں میں آئندہ غلے نہ ج جائیں۔ اس لئے تو غالب کا رب ایک مثبت رب ہے۔ نہ وہ جتنی پاؤں توڑ کر جینے دیتے ہے  
بگور کرتے وہاں رب ہے اور نہ بددلیت کے دھڑکوں میں بھٹکا دینے والا کہے اس رب کی پشت پناہی غالب کی عقل و دانش کے سپرد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب نے برصغیر کی تاریخ کے سب سے بڑے افسانے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بغیر بھی ہر نہیں جلی اس لئے  
کئی گفت تسلیم نہیں کی۔

یہ درست ہے کہ وہ اس صورت حال پر اپنے غم میں وہ دہ دیا ہے۔ اپنی شادی میں اس نے اپنے رب کو پہانے کی کوشش  
نہیں کی اور یہاں کہا ہے کہ

دایہ زلف صبت شب کی غلی ہوئی  
اک شمع وہ گئی ہے سو وہ بھی غوش ہے

اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ

بے مل ہائے کشاکش نہ صبر ہے نہ ادب  
بے کسی ہائے فنا کہ نہ دلا ہے نہ دی

ہر لہ ہے نغمہ زہد دم سختی و ہم  
تو ہے آئینہ فرق جان و نسکب

نعل سن ہر نماز عرش صورت  
خس حق ہر چاند ادب حسین

حق ہے رعبی شیراز اڑانے حواس  
دمل دلاہ مرغ آئینہ صحن یقی

کس نے دیکھا صبحِ اہلِ وفا آفتابِ نیر؟  
کس نے پلا اڑا کر دھلتے حسین؟

مگر، ساتھ ہی یہ بھی تو کہتا ہے۔

آفتابِ کدو ہے سیدِ مزارِ پتلی سے  
اے داسے فکرِ صحرایہِ اقلاد میں کوسے  
اکھڑوں کی زلفیں سوکھ گئی برباد سے  
اک کلمہ پڑا دلی پہ خار میں کوسے

غالب کو اس کلمہ پا کر تو کاشمیری قداسی نے اسے قذیب اور قزاق اور القاد اور حاکمیت کے کلموں میں بھی بنے ایم فیل کی  
بیلوں دیکھ لی دے گئیں

ایک لمحے کے لئے عرض کر چکے کہ غالب ایمان نہ ہوتا؟ محض ایک غمگین شاعر ہوتا تو تصور کیجئے کہ ہزار گزشتہ ایک صدی کا ادب کتنا  
سہاگ تھا بھول ہو گئے غالب ہی کی قدر اور شخصیت کا جہاں ہے کہ اداری شاعری دھلتے اقل کے اداری پتے سے نکل کر مساکنِ حیات و  
کائنات سے باہر آتا ہوتا ہے۔ غالب کے بعد اس منظر پر بازی نے دل و بصر کی صورت میں جہان کے ہی کو عشق کی کرنیں شاعری پر  
غالب کے اثرات اپنے سلی اور لڑائی نہیں تھے کہ غالب کے اقل کے چند ہی برس بعد نظم ہو جلتے۔ اقل تک پہنچنے پہلے قدیم شاعری  
نے مدت طرازی اور تکرار سے بہت سخت جنگ لڑی مگر اقل نے اس شاعری کے دھڑلے اور روانی پہلوؤں کے عمل خاتمے کا اعلان کر  
دیا اور یوں اداری شاعری اور ادرا ادب وہ یکجہ بنے جو آج ہیں۔ اس صورت میں غالب کی شخصیت کو بچا سلا ہے۔

آج غالب کی وفات کے اتنے برسوں بعد بھی ہم انہی حقیقی سوالوں سے نمٹ رہے ہیں جو انیسویں صدی کے اس بے مثال  
حیرتیں (GENIUS) نے اٹھائے تھے۔ حقیقی سوال حقیقی فکر کی پیداوار ہوتے ہیں ورنہ دماغی برضا قسم کی فکر کو سوالوں سے کوئی  
تعلق نہیں ہو سکتا۔ سوال دراصل اس قدر سوال کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب انہیں ان حقیقی سوالوں کے جواب  
ہموئے نہیں ہیں تو انکشاف کے سے اہل کئے ہیں اور انکشاف ہیہ تشریفات کے لئے گنا ہے۔ ادرا ادب کی تاریخ میں شاعر غالب ہی  
نے سب سے پہلے ان سوالوں پر غور کیا تھا کہ

بہر تھو بن نہیں کوئی مسعود  
بہر یہ بھلا اے خدا کیا ہے  
یہ ہی چو لوگ کیسے ہیں  
فرز و عشق و لہو کیا ہے  
ظن زلفِ حمیری کیوں ہے  
کہ چم سرور سا کیا ہے؟

ہوا دھول کیل سے کسے ہیں  
لوہ کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے

یہاں غالب ایک طرح سے ہندو تہذیب میں سوچ رہا تھا اور ساتھ ہی غریبوں کو توڑنا تھا۔ یہاں ان کے رشتے پر غور کر رہا تھا اور  
اپنے قاری پر بھی ہندو دلائل کر رہا تھا کہ

ہیں کو اکب بکے، نظر آتے ہیں بکے  
دیتے ہیں دھوکا و ہازی کر کلا

ہاں اس واقعہ کا نتیجہ ہے کہ غالب کے افکار کے کوئی مضبوط میل ہمہ اقبال اپنے قاری کو مطلع کرتا ہے کہ

مسترد کیا میری تقدیر کی خبر دے گا  
وہ نور فراخنی خاک میں ہے خود اوزوں

یہاں غالب دشمنی کے نور زندگی کے مسائل کو حل دیتا ہے اور ہندو اہمیت پرستی سے دامن چھڑاتا ہے کہ وہ تو ان میں مشعل و  
دلائل کا نگر و مضبوطی کا شاعر ہے۔ اس کا موضوع بھی اس کا اپنا ہے اور اس کا انداز بھی اس کا اپنا۔۔۔ اور جب ہم آج اس کی غزل  
سننے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ آج بھی ہمارے دو مہاں زندہ ہے اور بیسویں صدی کے نصف آخر کے لیے اور ہمارے میں ہم  
سے ہم کلام ہے۔



## غالب اور جدید ذہن

اس میں کوئی کام نہیں کہ غالب دراصل انیسویں صدی کا انسان تھا جو لفظی سے انیسویں صدی میں پیدا ہوا تھا اور اس ہفت کی اسے سوا بھی ٹپا۔ اس کی شعری کو محض "اس کے انداز فکر کو بخانوں اور اس کے اسلوب عبارت کو کھلی اعتراض قرار دیا گیا مگر جب غالب تقریباً ایک سو برس کی مسافت طے کرنے کے بعد لہذا میں پہنچا تو زندگی نے اسے اپنی کھول کر اس کا استقبال کیا۔ بعض نے اس کے دماغ میں اسی کھول میں شامل کرنے کی جملہ کی اور محض نے اسے انیسویں صدی کا فانی در قرار دیا۔ جوہر "اس کا اسٹے بیسے پختے ہے غالب کے کام سے متاثر ہوا اس وجہ سے تھا کہ دونوں ٹوک کو ایک ہی WAVE-LENGTH پر محسوس کر رہے تھے۔ لیکن جوہر "دور کے ہر قسم کے RECEIVING SET میں غالب کے دماغ سے شرمسارے دھماکے ہو رہے تھے۔ سوئی "بیانی یا مٹی، دھوکے کے برابری درست موصول ہو رہا تھا۔ دیکھا جائے کہ یہ کچھ دور تھا۔"

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ انسانی ذہن کی کھلی یا فانی ہفت زندگی کے خاص حالات کے تابع ہوتی ہے۔ شاید جب زندگی سے دوری کا مظاہرہ کرنا ہے تو روایت منظم ہوتی ہے، "تخلیقات زندگی بھر میں پختے ہیں تو اب وقار میں مٹا بیٹ نہایت ہے اور لوہ ایک ہفتے کی طرح خود کو طرح کی شخص کے ساتھ جڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔ لازم ہے کہ ایسی صورت میں اس کا دماغ بھی تخلیقات کے پھڑکنے والی کھلی ہو کر کا کھول دیا کرتے۔ سوہ کرتا ہے۔ چونکہ اسے خود سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ یہ سب کام اس کا دماغ سرانجام دے رہا ہوتا ہے لہذا اس کے دماغ کو اپنے ٹیکرٹ میں توسیع کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ دوسری طرف جب زندگی قیامت کی چال میں رہا ہو "فاصلے سے رہے ہوں اور تیز رفتاری کے باعث سارے تخلیقات ٹکڑے ہو رہے ہوں تو انسانی ذہن کو بھی ایسی صورت میں سے پختے کے لئے اپنے ٹیکرٹ کو فوری طور پر کشیدہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اگر وہ دردم بردار ہوئے تاثر سے مسلسل اور حوازا آنے والے پھیلتے کو وصول کر سکتے۔ رفتار کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ سست رفتاری کے باعث فکر کے سامنے قدم قدم پر جو دھوکے ایسے کہ انسانی ذہن کی پہلو کو مدد کرتی ہیں۔ تیز رفتاری کے باعث اپنی نہیں رہیں اور فکر ہوا اور ہوا ہوا کی سرحد تک کہ پھولنے لگی ہے۔ اس ضمن میں کوئی دوسرے نے ایک حوالہ دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "دوسری مثال اس زندگی کی طرح ہے جس میں ہر طرح کے بعد ایک ہڈی کی دھڑکتی ہے۔ اگر آپ دیکھ کر اور اس کے ساتھ اپنی آنکھ لگا کر دیکھیں تو آپ کو زندگی کے دوسری طرف کا ایک محدود باوجود یہ نظر آنے کا لگتا ہے کہ آپ سبائل پر سوار ہو کر تیزی رفتاری سے زندگی کے پاس سے گزری تو تمام دوسری کجاہوں کی اور آپ کو زندگی کے پد کا پورا ماحول دکھائی دے جائے گا مگر رفتار خودی سے ہی مٹی انسانی فطرت کا ہے اگر اس کی رفتار تیز ہے تو اجمال اس کی دورانی قوت بھی زیادہ ہو گی اور وہ اپنی سمتی سے وہ سب کچھ دیکھ لے گا جسے طرح کی رنگ کھڑا سڑکوں نے اس کی نگاہوں سے بچا رکھا تھا۔"

جوہر "انسانی شعریں صدی کی پیدائش ہے انیسویں صدی ایک انتہائی تیز رفتار صدی ہے۔ کھلی یا فانی تخلیق اس کی ارض کو دھوکوں میں کے فاصلے سے دیکھ رہی ہو تو وہ حیرت زندہ ہو پختے ہو جاتی کہ اس کی ارض کو کہا ہو گیا کہ ٹاپک اس کی ساری تخلیق بشر کی کھلیوں کی طرح چاندوں طرف اڑنے لگی ہے اور بعض کھلیں تو قریبی سیاروں تک پہنچ رہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی ارض پر تواریں کا کمر

ہوا ہو گیا ہے جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ سو پچیسویں صدی نیز دہائی بیس انتہائی بدترقی صدی بھی ہے ہم سب تک وقت نہ صرف چاندیوں طرف دلائل وار ہمارا دے ہیں بلکہ ہر وقت دنیا سے زیادہ بولنے اور اپنی آواز کو اپنے سے بلند کرنے کی فکر میں بھی ہیں۔ لہذا تنقید اور مبالغہ سے بے گریزیت ہوئی مجاز اور بابر ہو رہی ہم تنقید کو لڑکے دھڑکے پھیلنے ہی چلے گئے ہیں۔ فقیر اور تہذیب کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ ہر شے جنم دینے میں اپنی دکانیں دینے لگتی ہے چنانچہ ایک THROW AWAY CULTURE نمودار ہو رہا ہے جس میں فضیلت حرکت کی طرح اپنے رنگ بدلتے ہیں۔ یہ تیز رفتاری ایک وقت تیزی بھی ہے اور تیزی بھی۔ تیزی میں کہ اس نے صدیوں پرانے ماضی اور بعد ازیں باقی نظام کو لڑا ہوا تمام کر دیا ہے اور اس کی پرشور اور سہ کا اظہار کے سامنے ٹھہرے مسلم اور چھٹی ہندو کے ہندو کی طرح ٹھہرے گئے ہیں۔ تیزی میں کہ دشمن کی تیز رفتاری نے ہم سے پہلوں کو فوج کر دیا ہے پیچھا ہوا ہے اور اسی طرح تیزی کائنات انہر اور کائنات افسر دونوں کا مطالعہ کر رہی ہیں۔ تخلیقات نے کائنات کو لڑا ہوا سچ کر دیا ہے کہ اس کا اور اک کرنے کی کو مشق کریں تو تخلیق کے بھی پر بل اٹھیں۔ حیاتیات کے مطالعہ نے خلیہ کی کونکہ میں ایک کائنات افسر کا مطالعہ رکھا ہے بلکہ GENE-SPLICING یا RECOMBINANT D.N.A سے تخلیق کاری کا ایک نیا باب کھول دیا ہے۔ تخلیق نے اسی ماضی کے اعلان میں اذکار نہ صرف اس کے پورے ماضی کو ماضی اہم کرنے کی کو مشق کی ہے بلکہ شخصیت کے نونے ہونے اسیکا کہ ہونے کی طرف بھی ایک قدم اٹھایا ہے۔ اس سب کے نتیجے میں انسان کو ایک نیا دماغ مل رہا ہے۔ گویا تیز رفتاری کے باعث نظریوں کے سامنے پیچے ہوئے تنگی کی حدیں نکلا ہو کر ایک کونکہ ہی میں گئی ہیں اور اس کونکہ میں سے انسان کو ایک نیا جہاز مل رہا ہوا دکانیں دینے لگا ہے۔ جدید انسان ایک وقت پرانے جہاز کے اندام کا ارتقا بھی ہے اور ابھرتے ہوئے نئے جہاز کا بنکر بھی۔ وہ رفتار سے نہیں بھی ہے اور فکر سے آگیا بھی۔ وہ اندہ سے نکل کر اپنی انوکھیت کو بھی نکھار رہا ہے اور تخلیق خود بے دلیل ہونے کے باعث اپنے اچھائی دھپ کو پہچاننے پر بھی قادر ہے۔ اعلان الہی میراثی کا انداز بھی ایسی شاعری کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے جس میں اس کا سارا تاثر منقش ہو رہا ہو۔ غالب کی شاعری جدید انسان کو اسی لئے عزیز ہے کہ اس میں اسے اپنی اہانت اور نفاق "انوکھیت اور انوکھیت" اپنی تخلیق اور تخلیق اس طرح ایسے انداز میں کر سکا ہے جتنی ہوئی محسوس ہوتی ہے وہ اصل نوعیت تو کائناتی شعور کے مقام تک بھی جا پہنچا ہے۔

جدید انسان دو دنیاؤں کا عظیم ہے۔ اس میں سے ایک دنیا تو وہ ہے جو ہم دم لمبے میں تبدیل ہو رہی ہے۔ جس میں سخت و ریخت کا فعل اس قدر تیز ہے کہ شیا اور مظاہر کے علاوہ ماضی و حال کے اور غور و فکری حدود میں بھی مسدود ہو رہی ہیں۔ نئی نئی "ایبیت نے اپنی شاعری میں اسے ایک ایوان WASTELAND کہہ کر پکارا ہے۔ وہ کہ جدید انداز شاعری میں اسے صحرا یا برف وار کے دھپ میں دکھایا گیا ہے۔ مغرب کے جھنڈے جسے لٹل برٹن ماضی (پختی) پنگلر "ماضی" نے اور سودا گری نے اسے نال مغرب سے موسوم کیا ہے اور یہ بلا دینے کی کو مشق کی ہے کہ انسان کی ماضی تخلیق اہانت لب اس جہاز کی دی میں ہے وہ انسان کے اہانت میں کہیں چھپا بیٹا قلب غالب کے دماغ میں جب ماضی و حال کے مطالعہ افسر مطالعہ "ماضیوں پر قرار اور دماغی رفتار کم تھی تو شاعری میں کہیں دھبے لپڑ کے آثار کا نظر تافریز قیاس میں تھا۔ جبکہ مطالعہ افسر شعور نے ماضی کے اعلان کا ذکر کیا تھا مگر ایک پوری دنیا کے اندام کا مطالعہ کی نظریوں سے کو عمل قلب غالب وہ دماغ منقش تھا جس نے اسیچیسویں صدی کا پاسی ہونے کے بعد پچیسویں صدی کے دھبے لپڑ کے ابھرتے ہوئے ماضیوں کو دکھا اور پھر اس کی ایک صورت مل کو اپنے اظہار میں سوتا چلا گیا۔

لب میں ہوں اور ماتم یک شہر تھوڑ

۱۱۵ ہر قولے تینہ شکل دار تھا

مگر طراغ نہ دھتے بھی تو وہاں ہوا  
مگر گر گر نہ ہوا تو بھولیں ہوا  
وہ میں ہے رقتِ عمر کب دیکھنے آئے  
لے ہاتھ باگ ہے نہ ہاتھ دلب میں  
نہ کل نظر ہوں نہ یہ سزا  
میں ہوں اپنی قسمت کی نوا

قسمت کی نوا ہمیں بھی ہوئی ہے اور انسانی بھی اور لہذا میں ہر لمحے شعور کے ہاں ذاتی رخ کا شبہ کسی نہ کسی حد تک خود اٹھاتا رہا ہے۔ اور میں اپنے کے جا میں اور جی نور ہے سو مطلق کے حاضر بھی ملنے آئے ہیں مگر م شعور کے ہاں انسانی رخ کی قسمت و ریت کا احساس نمودار ہوا ہے۔ غالب اپنے حاضری سے اس اعتبار سے بھی مختلف ہے کہ اس کا دم لگتے کے اس حوالہ سے آیا ہے جو دنیا و حقیقت کا گوارہ ہے اور جس میں پوری نسلِ بشری کے اندیشے اور سیریں نمودار ہیں۔ یہاں ان کا انتہائی وصف بھی یہی ہے کہ وہ ذات کے انسانی رخ سے متعلق ہو رہا ہے۔

مگر جیسا کہ میں نے کہا صوبی صوبی عقلی فیلے دور روز روز ہونے کا شعر میں دیکھا وہی جگہ اس کی تحریک میں ضمیر کی ایک صورت بھی ضرور ہے۔ تخلیقِ کلام میں بھی جب ایک رخ لڑتی ہے تو اس کے لیے سے ایک ہی نورِ حقیقت رخ ہو جاتی ہے۔ صوبی صوبی کا وہی اس کی انسانی شیریں بختی کا شعر ہے اور غالب کے ہاں بھی یہی خاص اثرات صاف نظر آتے ہیں۔

ہوں مری انکارِ حضور سے فکر  
میں صلیبِ گلشن کا تعلق ہوں

غالب کے ہاں تو اصل بہار کا فرق اور گلشنِ واقفہ کی مختلف اس بات پر دل ہے کہ بے پناہ فوجیوں کے بددور غالب اس حقیقت کے لمس سے کتنا حیران و استعجاب ہو رہی تھی مگر اس کے حاضری کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر تھیں۔ چونکہ صوبی صوبی کا وہی قسمت و ریت کی لڑتی ہوئی گود میں سے آئے والے نسل کی ایک مختلف پائے پر نور ہو گیا ہے اس لئے جب اسے گلشنِ واقفہ کے ہونے کا احساس شعری صورت میں گواہ ہوا ہے (جیسا کہ غالب کے شعور میں) تو اسے قدوسی طوع و سبوح کا احساس بھی نمودار ہوا ہے۔ یہاں وہ میں غالب کی عظمت کی ایک اہم وجہ بھی ہے کہ اس کے شعور آج کے شعور کی انسانی طلب کو چا کر کہتے ہیں اور دم یہ دم بچھتے ہوئے آکل میں نہ سرب اس کا ساتھ دیتے ہیں بلکہ اسے کہنے والے لہجے کو بچھتے اور ہمارے تھک چکے ہیں، اگل بھی کہتے ہیں۔ یہاں وہ سے گل کا کوئی بھی نہ سرا شعور آج کے وہی کو اس اثرات میں جھکنے میں نہیں کر سکتا۔

صوبی صوبی جیسا کہ آپ پہلے ہیں، چاہی انھوں سے ایک نسلِ فعل صوبی ہے۔ اس میں تقویٰ سکون سے بھی زیادہ کھٹے کے اس پرانے کو حقیقت حاصل ہے جسے انھوں کا نام لا ہے۔ انھوں کا کہم یہ ہے کہ آپ چاہیں، ہاں چاہیں، ہر گرج ساری دنیا کو آپ کی دلیلیں لا کر کرنا کرتا ہے۔ یوں کہ دنیا کے ہر ترین گوشہ میں بھی کوئی دھڑ بولتا ہو تو اس کی دھک آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر محسوس ہوتی ہے۔ صوبی صوبی کا نور ہمہ قوی و دلگیروں کے چہرہ اپنی میں افواجی عظمت میں نمودار ہو رہا ہے اب اسے دلا کا شری WORLD CITIZEN کہنا شاید زیادہ سہول ہو۔ یہ شری انسانی حس باختر اور پاک پنچنے میں بات کی کہ تھک چکے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چونکہ

آج کا شعر بھی بیسویں صدی کا پای ہے غالب اس کی شاعری میں بھی مدح مصر کو نہیں ملتی ہوئی صرف نظر آتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج کا قاری بھی اس کے شعور کی بجلی سے بجلی کوٹ کر گرفت میں لینے پر قادر ہے "علم عقلم کی ہمت ہے کہ مظاہر میں وہی شعر سب سے پہلے نور سب سے زیادہ مقبول ہوتا ہے اور بین السطور بعض سیاسی یا ملکی کرداروں کی طرف اشارہ کرتا ہے" کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جدید شاعری سیاست زدہ ہے بلکہ صرف یہ کہ اس میں وہ ذہن اپنا اظہار کرتا ہے وہ مدح مصر سے آشنا ہوتا ہے نہایت شعر میں ایک ایسی سچائی ہو چلی ہے کہ ایک وقت نور اور معاشرے کی ہلکے لوہوں کو متفکس کر رہی ہوتی ہے بیسویں صدی کے اس خاص دور میں کا ذکر چوں ہوا کہ غالب کے ہاں بیسویں صدی کا پای ہونے کے باوجود یہ دوسرا دور کیا عقد ہے شک بیسویں صدی میں بھی سیاسی سچ کے حدود واقعتاً دو گنا ہوئے اور ان واقعات کی تصویر کے لئے بعض انقلابات نے بھی جنم لیا لیکن وہ شے جسے "سیاسی شعور" کا ہم دنا چاہئے۔ یا وہ احساس ہو "کونیا کا شہر" ہونے سے جنم لیتا ہے غالب کے زمانے میں کسی شعر میں ایک۔ خود غالب کی عام زندگی میں بھی انگریزی گولڈنری سے بے گت یا پادشاہت کے قصور سے الخراف کے شاہد دکھائی نہیں دیتا۔ اس سب کے باوجود جب غالب کے اشعار کو چمکا جائے تو ہماری کو فوراً "اسراں ہوتا ہے کہ وہ بیسویں صدی کے وسط میں رہنے والے کسی شخص کا کام نہیں چاہ رہا بلکہ بیسویں صدی کے ایک ماس اور باشعور فرد سے متعارف ہوا ہے مثلاً۔"

کیا کیا شعر نے سکھ سے  
لب کسے رہا کرے کوئی

بکہ تو دے لے شک تا اصف  
کہ دنیا کی رخصت ہی سی

پتا ہوں تھوڑی دور ہو اک تیر دوسے ساتھ  
بچاؤ نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں  
دلہ حد میں اس کے ہے کو تو اٹھ  
بہیں کے اور سترے لب آہل کے لئے

دلت دن گردش میں ہیں سات آہل  
ہو رہے گا کہ نہ کہ گھبراہٹیں کیا

اپنے مزاج اور لہجے کے اعتبار سے غالب کے یہ اشعار بیسویں صدی کے اشعار ہیں اور ان کے ہماری کو چمادی طرح ملنے کرسکتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو یہاں لگتا ہے جیسے ہماری جدید غزل غالب کے لہجہ "ہمت اور مزاج سے جڑا ہے اور اس فن کی غزل میں "دہر" "دھن" "سلا" "دھن" "غم" "مگر اور غزل وغیرہ الفاظ کے لئے خاص ملایم زیادہ راست غالب سے آئے ہیں مثلاً فیض کے کام کو لکچہ ہو گھرے سیاسی شعور کے لئے ہمت منظور ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فیض کس حد تک غالب سے جڑا ہے "اس ہمت سے قطع فکر کو ان کے وہ جملوں میں "فصل فریادی" "دور" "دست و سنگ" کے ہم تک غالب سے مستعار ہیں "اپنے حدود اشعار میں بھی فیض نے غالب سے استفادہ کیا۔ مثلاً فیض کا ایک مصرع ہے۔

اور بھی دکھ ہیں دنائے میں میت کے سوا

نور غالب کا تصور ہے ۔

جیسے سوانحی ہم پہست سے قسم ہوئے

اسی طرح فیض لکھتے ہیں ۔

مخلع صبح و غم بھی مٹی تو کیا تم ہے  
کہ طوائف دل میں ڈال لی ہیں انگلیاں ہم نے

نور غالب کا شعر ہے ۔

درد دل گھسوں کب تک ہڈیاں انگو دکھلاؤں  
انگلیاں انگو اپنی خند ٹوٹیں اپنا

مخصوصاً غالب نور فیض کا لفظی ہرگز نہیں بیکر محفل اس بات کا اہتمام ہے کہ غالب کے کلام میں ایک ایسا ذہن کار لیا نظر آتا ہے جو سوویں صدی کے ذہن کا جوش دکھاتا ہے۔ غالب سیاسی مصلحتات میں نہیں ملوثی مصلحتات میں ابھی غلبا ہشور ہے اور گہری افسانہ سے تو وہ سوویں صدی سے پہلی صد تک ہم آہنگ ہے ۔

ہے کوئی بجانے نور اک صخرِ خیال  
ہم انجمن سمجھتے ہیں عظمت ہی کیوں نہ ہو  
ہمکے دشوار ہے ہر کلم کا آسماں ہوا  
کوئی کو بھی ہر قسمیں آسماں ہوا  
خیال کے گدھدار پہ ہیں بندہ ہائے گل  
کہتے ہیں جس کو مصلحت عقل ہے دماغ کا

مگر غالب کا صریح مصرعے حجاز ہوا اس بات پر مبنی ہرگز نہیں کہ وہ صاف صاف کا بیخ مصل ہے وہ اصل انجمیت کے ابھی وہ پہلو ہیں ۔ ایک یہ کہ نور فیض کا جوش ہنسٹ لکھی صورت میں لگے کی وہ ذہنیت انجم لکھی ہے جس کا نتیجہ نے انتہائی عمارت سے ڈاکر کیا ہے وہ سری صورت یہ ہے کہ نور اپنی ذات میں صخرِ انجمیت کا موزون حاصل کرے اور یہاں انجم سے لیے انجم کو اپنی انجمیت کا احساس دہانے سونپا کے ہیں انجمیت کا یہ کہ ذات کل سے تسلسلہ کا ہے۔ یعنی وہ کہ وہ یہ جڑ کو اپنی انجمیت کا موزون حاصل ہوا ہے۔ مگر غالب صوفی نہیں ہے۔ غالب کی انجمیت ایک تخلیقی کار کی انجمیت ہے لیکن وہ انجمیت کو مس تو کرتا ہے مگر اس میں ضم نہیں ہوتا۔ اسے کسی ابھی قسم کی دماغ میں موزون نہیں۔ زندگی کا مسئلہ وہ ذات کا غالب کا اسلوب نور دہن وہ سوچوں سے انگ اور ہوا ہے۔ یہی تخلیقی انجمیت سوویں صدی کا اثر نہیں ابھی ہے جس کا انجم کے علاوہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں مظاہر اب ہائے جانے پر ہونے لگا ہے۔ غالب کے ہاں انجمیت ذات کا اہتمام نہ ہوا ہے ۔

وہ ذہن ہم ہیں کہ ہیں روشیں خلق اسے شعر  
نہ تم کہ چار چار چار چار کے لئے

لازم نہیں کہ شعر کی ہم جلدی کریں  
ہا کہ آگ بزرگ ہمیں ہم سڑ لے

ایک خاص بات تو غالب کو اپنے زمانے سے ملے اور جدید دانش سے قریب تر کرتی ہے اس کی جس مزاج سے مزاج غالب کے دور میں بھی تھا لیکن اس سے زیادہ تر پختہ "تھو" طبعی و تہذیبی یا عقلی بازی گری میں طوط کو لگایا گیا تھا اور وہ شے جسے شمس کے خطے میں پود پھیر مید اور علم نے لافلت اور پاکیزگی اور مسئلے دہلی "ہر جی" ہر دلی اور ہر دلی کی شکر "کہا ہے غالب کے زمانے میں بھی دہلی میں کسی قسم کے دیکھے بھی ہمارے لب بک پر سے سحرشے میں پٹے پٹے کاغذ پھل آگ دیا ہے قدم اور غزل ہی کو دیکھتے جس میں سجدہ اشعار کے میں درمیان زہد یا شیخ کی شکر میں آپ کو ایک کوہ ایسا طبعی شعر ضرور مل جائے گا جو پوری غزل کے مزاج سے لکھا "عقل ہو کہ اسی طرح تاریخی بشر طبعوں میں مزاجیہ سین پر دی نظم سے اگل آگ دکھائی دیتے ہیں۔ اس بصورت پختہ کے جس کی توصیف ہے اسی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں صدیوں کے سحرشے میں سے زیادہ تر شعر و ادب لاکو تحریک ملی مگر وہ شے جسے انشاد کا نام ملتا چلتا ہے اور جو عام شعروں میں ایک لورلی لری طرح سرایت کرتی ہے ہمارے ہاں پر دی طرح ادھر نہیں پائی۔ لہذا بیسویں صدی میں اس ذریعہ سحرشے کے آثار چھپا نظر آ رہے ہیں جو بعض اوقات بجلی کی لہاسی میں کھل کر ایک عجیب سی لافلت اور راحت کا مظاہرہ کرتی ہے اور ہمارے فنون لطیفہ کے علاوہ عام شعروں اور صوفیہ کے عام انداز میں بھی دکھائی دیتے گی ہے۔ مثلاً "کائنات کی پر اسراریت کو جی شکر سے محسوس کرتے ہوئے ایک مشہور شاعر نے ایک بار کہا تھا:

THE UNIVERSE IS LIKE A GRIN ON THE FACE OF A CAT WHILE

THE CAT IS NOT THERE.

اور یوں مزاج میں ہر جی "ہر دلی اور ہر دلی کی ایک خواہشوں میں مل جی کر دی گئی۔ اردو کے شعرا میں غالب وہ واحد شاعر ہے جس کے ہاں مزاج کی یہ لطیف کیفیت اپنی صدی کی دیگر سرشاری کے ساتھ ادھر سے اور بیسویں صدی کے دانش کو اشعار اور مظاہر کی مختلف کیفیات کا احساس دلانے میں کامیاب ہوئی ہے۔ غالب کا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنی انفرادیت کا پھر اور اشعار میں کیا کہ اپنی بات کو نکار حصر فرما کر اور اپنے پہنچائی لفظ پر سحرشے کی روش اختیار کر کے خود کو ذات کے صفا سے باہر نکال لیا اور یوں اس کشفی نظری کا مظاہرہ کیا جس کا چلن بیسویں صدی میں دوبارہ عام ہو رہا ہے۔

آخر میں لکھ یہ کہتا ہے کہ جدید دانش چہیتے ہوئے علوم کی وسعت سے کائنات کی ایک ایسی ہی سطح سے نکلا ہو رہا ہے جس کی کوئی حدیت نہیں ہے۔ ریاض و فزیک کائنات کی آخری قوس ہے دانش کی رفتار سے ذرا کم رفتار پر باہر کی طرف جاتے ہوئے QUASARS کا احساس دلانے یا خود میں پہنچانے کے بلوں میں اگر کہ GENE کی کائنات کو طشت انجم کرے اور اس کے ارتقا میں ایٹموں اور پروٹونز کی بے حدیت دنیا کا سفر دکھائے یا ظہر سامی کے لولوں کو سفر عام پر لائیں یا فنون عقلی مدح کے مشہور کو مختلف کریں "تجہ ایک ایسے "دولن" کی صورت ہی میں ادھر ہے ہر بیسویں صدی کا وصف خاص ہے اور جسے کائناتی شعور COSMIC CONSCIOUSNESS کا نام دیا جا سکتا ہے۔ غالب کے زمانے میں بیسویں صدی کا یہ دولن ابھی نمودار نہیں ہوا تھا مگر حیرت کی بات ہے کہ غالب کے ہاں ایک ایسا دور ہے لکھ ادھر کہاتے اس دولن کا چلن وہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ غالب اب کہتا ہے کہ

ہے کمال فنا کا دوسرا قدم پارہ

ہم نے دشت انکل کو ایک عقل پا چلا

دولن سے پہلے یہ مجھ سے ہوا ہے کہ وہ آئے تو کی قوموں میں پوری کائنات کا اعلان کیا تھا مگر غالب کہتا ہے کہ اس نے اپنا پہلا قدم دشت انکل پر رکھا ہے اور دوسرا قدم دیکھ کے لئے اسے کوئی جگہ ہی نہیں ملی رہی

## غالب کا سفر کلکتہ

”میر جانی ہاری غالب“ مرچ سید اکبر علی نقوی - خطوط کا یہ مجموعہ ۱۹۷۹ء میں غالب سوسائٹی کے سرچ پہ شائع ہوا۔ غالب کے خطوط ہاری میں ”مگر ترقی مناسب نے پہلچ اور حدود انگریزی میں محدود میں نے پہلچ کا قیاس حدود کا قیاس اس طرح کیا ہے کہ معلوم واضح ہو جائے۔ خطی قلم نہیں بلکہ مسلسل مضمون معلوم ہو۔ حوالے اور حوالی بھی نہیں دئے گئے ہیں۔“

غالب کے ہاری خطوط کا ایک پہلا دور دو سو دو خطوط رہ گیا ہے جو اب شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ خطوط شعر کے سطح گفت کے بارے میں ایک ایسے مطالعہ کی تشکیل کرتے ہیں جو اب تک معلوم نہیں تھا۔ یہ سطر غالب نے اس لئے کیا تھا کہ ان کے مرحوم چچا مرزا نصر اللہ بیگ خاں نے یہ پائل وراثت میں چھوڑی تھی اسے درست کرانیں اور اپنا حق ثابت کریں۔ اصل میں یہ مجموعہ اپنی نئی بات ہے لیکن درست اور سچ کے غالب پر جو اثرات مرتب ہوئے ان پر روشنی ڈالتا ہے اس مجموعہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے دماغ پر کچھ اور کچھ کس طرح جیسے اور کچھ جیسے اور ان کی شعری میں یہ حد لپٹائی کر دیا گیا۔

### (۲)

اس مجموعہ کو فتح چاغ میں مطالعہ کے لئے لیا جاتا ہے کہ غالب خدا نکلتے کے چلے شائق و شوقین تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں محبوب لہو کو اپنی کہلی جلتے کی علامت تھی۔ اس کہلی میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے افراد شامل ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ان کے خطوط نہ صرف ان کی سوانح کے لئے مواد فراہم کرتے ہیں بلکہ ان کی شعری کی تشریح و توضیح میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کی شعری کے پس منظر میں جو قوتیں حرکت کریں ان کا قیاس بھی ہوتا ہے اس کے علاوہ اس زمانے کے سلی و سیاسی اقتصادی اور ثقافتی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں جن پر سلی مطالعہ ہوا تھا۔ یہ وہ نکتہ تھا اب قدیم دور سے لوٹ رہے تھے اور فرسودہ نظام حکومت سے منتقلی ہو کر پیر غمیں طرقت پر چک رہے تھے۔ دماغ اس کے قریب انگریز تھے۔

یہ بات ہر ایک اطرس فاک ہے کہ ہمارے شعر اور اس کے عہد کے بارے میں حقیقی معلومات کا یہ خزینہ انہیں انہوں کے لئے کم ہی ہو گیا تھا۔ لیکن زندگی گمراہی سے ہو کر بچ گیا ہے وہ یہ لفظی خطوط ہیں جنہیں دن کی روشنی دیکھنے کوئی اور یہ وہ خطوط ہیں جو ٹاٹا بیگ کے باب و جرم کی تشکیل کرتے ہیں، بیج اب تک غالب کی زندگی میں وہ شائع ہوئی لیکن وہ دونوں اشخاص سے مطمئن نہ تھے۔ کیونکہ پہلے اپنا نام کو باطل اور دوسری اشاعت کو افشا سے پر گھٹتے تھے۔ بیج اب تک کے خطوط میں کتنی ہی افشا ہوں ہر ایک وہ غالب کی لفظی زندگی کی معلومات کے لئے قدیم ترین ذریعہ ہیں اور اس عہد کے شعور، ترقی انہیں سے حریف کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے غالب ۱۸۵۷ء سے علی خدا و کتبہ کیا کرتے تھے۔

بیج اب تک کے خطوط ان سبوں میں جیسے وسیع دائرے پر محیط ہیں کہ ان انکوائس مست رہا ہے۔ اس کے بعد وہ خطوط دریافت ہوئے ہیں ان کی کتنی ہی اشاعتیں دستیاب ہیں اور وہ گفتگو میں غالب کے عارضی قلم کا مرکز و محور ہیں۔ ایسے مجموعوں میں سب سے پہلا مجموعہ وہ ہے جو کھنڈر میں دریافت ہوا اس میں انوائس ہاری خطوط ہیں جو غالب نے مولوی مرزا علی احمد ”مرزا احمد بیگ خاں اور مرزا“

اور انعام کو لکھے ہیں سے تمام نکتہ کے دوران دوستی ہوئی اور دینی دہائی کرنے کے بعد بھی ان سے رابطہ قائم رہا۔ ان خطوط کی بڑی تعداد آج تک کے شائع شدہ خطوط میں مشروک ہے۔ لیکن ان کی کچھ تعداد جسٹس اس حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ مہارت پہلے شائع ہوئی تھی اور وہ حصہ بھوت گیا تھا اس خاکو پر کرتے ہیں۔ یہ خطوط اور کچھ غریبہات حضرت غالب میں شائع ہوئی ہیں، جسے مسودہ نہیں دیکھی گئی تھیں۔

دوسری قسم ایک اور مجموعہ ہے جس میں باری کے ۳۲ خطوط ہیں۔ یہ ادھار کے حکیم صیب الرحمن صاحب کے ذاتی خطوط سے ملے ہیں۔ یہ خطوط غالب نے ان اصحاب کو لکھے جو نکتہ میں دہچے تھے۔ اگرچہ کہ کتب خانہ حضرت کے نام نہیں معلوم ہو پائے ہیں۔ لیکن اغلب خیال یہ ہے کہ وہ سرے اصحاب کے علاوہ عوام ایک خاص خواہہ وہ مسن اور بیانیہ دوری جود کے نام ہیں۔ یہ خطوط "معاشرہ غالب" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ اس مجموعہ میں غالب کی وہ غریبہات بھی شامل ہیں جو اس سے قبل شائع نہیں ہوئی تھیں۔ معاشرہ غالب کو ایک تنقیدی تبصرو کے ساتھ جاسٹی عبدالودود نے ۱۹۳۹ء میں علی گڑھ سے شائع کیا تھا۔

### (۳)

زیر مطالعہ مجموعہ کا مسودہ لکھنؤ کرناجڑ کتب خانہ نے ۱۹۳۱ء کے لگ بھگ کارا کے سید محمد رفیع نقوی سے حاصل کیا۔ کارا ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا ایک لکھنؤی قصبہ ہے۔ سید علی حسن خان اسی قصبہ کے رہنے والے تھے جنہوں نے ان خطوط کو نقل کیا تھا۔ مسودہ کے انعام پر یہ زبان انگریزی میں لکھا گیا ہے اس بات کاظم ہر ایک کیفیت کے ساتھ نہیں ہو سکا کہ یہ مجموعہ کب مرتب ہوا اور نقل کیا گیا لیکن اس کا امکان ہے کہ اسے ۱۹۳۹ء میں لکھا گیا۔ یہ بات ضلع ہندو پرگز بدوس اور کالج کے تحصیلدار سید افضل علی کے ایک خط سے معلوم ہوتی ہے جو ۱۹ اگست ۱۹۳۹ء کو نقلی سید علی حسن خان کو ان کے ہاتھ کے پتہ پر لکھا گیا۔ نقلی سید علی حسن خان کے ہاتھ میں کچھ مسودہ نہیں ہو سکا لیکن بدوس اور کالج کے تحصیلدار نے جس تعظیم و احترام کے ساتھ انہیں مطالبہ کیا ہے اس سے ثابت ہوا ہے کہ وہ ہندو کی انتظامیہ کے تحت خاصے بہتے عودے پر ناکر رہے ہوں گے۔ بدلی امکان ہے کہ ان خطوط کو نقل کیا گیا اس طریقہ کی انتظامیہ خود ہی اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اس مجموعے میں غالب کے خطوط کی بڑی تعداد ہندو کے صدر دھرم یا سول جج مولوی محمد علی صاحب کو لکھے گئے ہیں۔

مسودہ میں ۳۲ اور نقل ہیں۔ ہر خط پر اظہارِ حضور ہیں جن کی تعداد ۵۱۲ ہے۔ چوتھیں خطوط ہیں ان میں سے ۳۲ غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ باقی وہ خط نقلی سید علی حسن کو ان کے دوستوں نے لکھے ہیں۔ ان ۳۲ خطوط کے علاوہ جن میں خط نمبر ۱۰۱ نمبر کی نقل ہے۔ مسودہ میں وہ خطا ہے نکتہ میں غالب کی اولیٰ خطا کرانی کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ خطا اسے اس کتاب کے چھپے نمبر ۲ کی نقل میں پیش کیے گئے ہیں۔ مسودہ خطا نکتہ میں ہاتھ سے چنے ہوئے نکتہ پر سیاہ کاری روشنی سے لکھا گیا ہے اور یہ غیر محاکات پر اسے کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ جبکہ سوادِ بخیر گئے ہیں جن میں سے اکثر کو میں نے کیا تھا نیز غالب اور کیا تھا غالب غازی کی مدد سے پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ بدلی ان دو نکتوں سے مجھے مدد نہیں ملی میں نے تو میں میں اپنی قیادی عبارت کھس ہے۔ بصورت دیگر ان محاکات کو ہمیں کیڑوں نے چات لیا ہے۔ انھوں نے اوپر سے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ مسودہ میں خطوط کو کیڑوں نے تو کچھ کچھ کھلیا ہے۔ ہم یہ ہے کہ ان پر کتب صریح نہیں کی ہے اور ان خطوط پر کتب کھس ہے سلی نہیں دیا گیا ہے نہ ہی خطوط کو کسی خاص فصل سے ترتیب دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان کے مطالعہ سے انتظامیہ دور ہے ترتیبی کا احساس ہوا ہے۔ دلوں اور کیڑوں کے مقابلہ اور انتظامیہ ضلوت کی مدد سے میں نے انہیں لکھنؤی انتظام سے ترتیب دیا ہے۔ ہر خط کے اوپر ہی سرے پر شمار کنندہ تاریخی ترتیب کا قصہ کرنا ہے اور







سوا اصرافہ ملک غلام کی دولت اور بچوں کے لئے

محمد مرزا اسحاق (مذہب) اور مرزا یحییٰ مسیحی فرقہ کے بانیوں کے لئے



جب غالب میں شعور کو پہچنے تو انہیں معلوم ہوا کہ اسے عقل نے ان کے غلوں کے ساتھ خاصیت کی ہے۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ انصاف جس کے دروازے کے بغیر عقلی طور کی گئی اس میں غلوہ جاتی کاکوئی عرصہ نہ گذری کہ کاکو خاکہ ان کے دوا کے لئے جس ایک نوجوان غلوہ مرزا غلوہ جاتی کاکو ایک روپہ جات پر سائیکس جات غلوہ مرزا کی شادی اس کی دوا کی یہ جات کی بیٹی سے ہوئی تھی جو اپنی بہن نور آجی کی ہودش کرتی تھیں۔ ایک اس طرح جس طرح دست گھڑی کی جاتی ہے۔ اس شادی کے نتیجہ میں غلوہ جاتی پیدا ہوا جس کا غلوہ ایک کی جاتی میں کسی قسم کا دوا نہ ہوئی دست نہیں۔

عالم ہر خلق خدا کے خلاف قدم اٹھانا چاہتے تھے۔ لیکن جس چیز نے انہیں ایسا کرنے سے روکا وہ یہ حقیقت تھی کہ ان کے شر مرزا بھی بخلی امور بخلی خدایں کے چھوڑے ہوئے تھے اور اس طرح امور بخلی جہاں کے خلاف کوئی کارروائی ان کے شر کی ہراسنائی کا باعث ہوئی۔ مثلاً انہیں امور بخلی نے انہیں براہ حقین دلا دیا تھا کہ خواجہ علی کے انتقال کے بعد ہر دو رقم سے بی قیاس وہ طالب کے مخالفین کو بھل کر جانے گی۔ امور بخلی نے اپنا دھماکا پرانا نہ کھینچا جب ۱۸۵۵ء میں خواجہ علی کا انتقال ہوا تو اس سمندر اس کے جنوں کو بخش ہو گیا یہی وہ زمانہ تھا جب مرزا یوسف پر داخلی امراض کا حملہ ہوا نتیجتاً طالب کو چھ سو روپے سلاخانہ کی دیکھ بھل کے لئے رکھنے پڑے اور تو سو روپے سلاخانہ قرض خواجوں کو لوٹا کرتے تھے۔

بپ مصائب کا چال بھرا اور چٹک کیا تو عذاب نے کہیں بدلا۔ وہ یا عین فکروں کو بھرا لیا اور وہی سے فیضانِ چہرہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اہم عقل خالص نے وہ دھوے سکے تھے انہیں ثابت کیا جاسکتا۔ انہوں نے وہاں اس وقت تک قیام کیا جب کہ سچا پس منہج نے ۶ جنوری ۱۹۷۲ء کو بھرت چہرہ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ بپ عذاب کو یہ احساس ہوا کہ اہم عقل خالص کوئی نہ کوئی بنا کر کے انہیں مل رہے ہیں۔ تب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ منہج سے طبعی اور انصاف کے خواہاں ہوں۔ وہ وہاں وہی نہ جاسکتے کہ تکر قرض خواہوں کی بدنامی کرتی اور فوجہ کرتی سے عاتق تھے۔ اس لئے وہ کلن پور کی چاہب روانہ ہوئے جہاں منہج سے ملنے کی امید تھی۔

جو فی ۱۰ جون ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس کی والدہ صاحبہ نے اس کی پرورش و تربیت اپنے ہاتھوں سے کی۔ اس کی تعلیم ابتدائی خانقاہی تعلیم کے تحت ہوئی۔ اس کی والدہ صاحبہ نے اس کی تعلیم کو ختم ہونے تک جاری رکھا۔ اس کی والدہ صاحبہ نے اس کی تعلیم کو ختم ہونے تک جاری رکھا۔ اس کی والدہ صاحبہ نے اس کی تعلیم کو ختم ہونے تک جاری رکھا۔

پاکستان کی قلم ایک سبقت ہے جو انہوں نے مولوی محمد فضل حق کو نکلی جس سے فیور پر (۱۹۵۸) اور اعلیٰ نکل کی جائے لو میں (۱۹۶۰) روانہ ہونے سے اعلیٰ غالب نہیں مل سکے تھے۔ فضل اپنے دشمنوں کے حدود اور حدود سے دل نہ ملنے کی وجہ سے اپنی پہچانی کی زندگی گزار رہے تھے۔ دسری قلم جو ۱۹۶۱ء مطابق ۵ اگست ۱۹۵۸ء کو نکلی جو ایک عرضداشت ہے۔ یہ سبقت فیور اور غالب کے درمیان میں فیور کے جانب اولیت تھے کہ ہم ہے۔ یہ درخواست یہاں اعلیٰ نکل 'میرزا حسین علی اور دوسرے حضرات کے کہنے سے نکلی گئی تھی' جن سے کھٹو میں غالب کی دوستی ہوئی تھی۔ انہوں نے انہی کی شہرہ میں ایک سوئس اشعار کا قصیدہ بھی لکھا۔ غالب اور انہی میر کے درمیان ایک ملاقات نمودار ہوئی لیکن پذیرائی کے باوجود سولہ کے یہ ملاقات ختم ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تری قلم اور قصیدہ پیش نہ کیا جا سکا اور غالب قصہ کے عالم میں کھٹو سے روانہ ہو گئے۔

کھٹو سے دو چارہ لکھے جن میں مولوی محمد علی نکل صدر انہی سے ملاقات ہوئی۔ چارہ کے دوران قیام انہی اپنی ملاقات سے کسی حد تک نجات ملی۔ اگرچہ کہ عام کمزوری باقی رہی۔ انہوں نے ایک اڑھائی نکل گاڑی کرائے پر لی اور نو دواست گزرتے ہوئے چارہ لکھا۔ اڑھائی اس قدر بہت جلدی تھی کہ ایک دن میں سو دواست چارہ لکھے درمیان ۲۳ نکل کا قصہ بھی لکھے نہ کر سکی۔ نتیجتاً غالب کو راستہ میں ایک دن قیام کرنا پڑا۔ اگلے دن اعلیٰ نکل صبح غالب اپنے گھر لے آئے۔ سولہ ہوئے اور دواست چارہ لکھا۔ راستے میں پہلے جب دواست کے آنے کا انتظار کر رہے تھے تو سرائے کا قیدی رانہ لکھا۔ غالب چاہتے تھے کہ قدرتی ظاہر ہو دواست سولہ سے ملنے صاحب کے لئے لکھے تھے۔ اسے اسے دیں۔ لیکن وہ غالب کو سمجھ کر نہیں چاہتا تھا اور تنگ رہا تھا۔ غالب نے وہ لکھا ایک اور شخص کو دے دیا جس نے وہ نکل کی کہ وہ اسے تحفہ لے کر پانچواں گاہ اسی دوران رات ہو گئی اور اڑھائی سرائے میں پہنچ گئی۔ نکل گاڑی کے سفر سے لگ بھگ غالب نے ایک کھینچی کرلیہ پر لی 'سلاں لکھا گھوڑے اور ڈاکوں کو سولہ کرلیا اور جتا کے راستہ لکھا کہ وہ روانہ ہو گئے۔

جو کئی دن وہ لکھا پہلے ہی کی حالت بدتر ہو گئی تو انہی وہ اولیت نہیں ملنے کی انہی ضرورت تھی اور نہ وہ مذہب صحبت ملی جو دشمنی ملتی جس کے غالب حسی تھے۔ وہ اس قدر اکتائے کہ انہوں نے لکھا کہ وہ دواست پر دے نہیں اور شہر میں کا خانہ خلوت لکھا۔ انہی مجبوراً وہاں ایک روز قیام کرنا پڑا کہ انہی میں کا سلاں دواست والے قلم نے لکھے دوسرے دن انہوں نے ایک نکل کرلیہ پر لی اور ہارس کے لئے حیران دلائی سے روانہ ہو گئے۔

غالب نے پہلے تو سرائے تیرنگ لکھا جسے عام طور پر نورنگ کہہ کر جانا تھا پانچ دن قیام لکھا اس کے بعد سرائے نورنگ کہہ کر پست پر مضامین اور وہاں دشمن کی حوالی میں ایک مکان کرلیہ پر لے لیا۔ یہ حوالی کوئی غنیمت کی حوالی سے ملی ہوئی تھی۔ اس شہر کی نکل میں غالب کو اپنا دسند ام لکھا۔ شہر آباد خوشگوار تھا وہاں اس سے بھی زیادہ دلکش مناظر نے ان کی صحت کو پوری طرح بحال کر دیا اور ان کی بھانجرت لوت لکھی۔ شہر کی زیادہ دل بھانجرت اور حسینی چوٹی سے مراد ہو کر اور صدقوں کی گفتگوں کو سن کر غالب کا دل مجسم اللہ میں وہ لکھا تھی جب شہر میں سب سے عراغیز شہر غالب نے لکھی۔ ہارس کو کہہ دیا مکان اور صحبت کمال لکھا کہ لکھا کہ چار ہفتوں کے قیام کے بعد وہ مل پر چارہ لکھا کہ عظیم کہہ (پانڈ) کے لئے روانہ ہوئے وہاں سے نکلتے ہوئے اور بعد چار ۲ شہر ۱۹۶۱ء مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۵۸ء کو اعلیٰ از دواست پہنچے۔ نکلتے پہنچے ہی انہی کسی دشمنی کے غالب کو ایک مکان چھ دوپہ ملنے پر ملی کہ یہ مکان چھ شہر شہر بازار نورنگ لکھا۔ کتاب میراج کی حوالی میں قلم مکان لکھا۔ قلم بیت اللہ چارہ ان میں لکھے پانی کا کون قلم نکلتے پہنچ کر غالب کو خیال آیا کہ مرشد کہہ کے لوہا ہادیں چارہ کو قصیدہ لکھی کیا جاسکتا۔ یہ قصیدہ دراصل انہوں نے کھٹو کے انہی کے لئے لکھا

قند ۱۱ دن میں تیار ہو کر غالب کھیتی میں سوار ہوئے اور پتہ کے مولوی محمد علی کاٹھنی علاقے کرانگی کے قصبہ اکبر علی علی صاحبی کے ہاں بیٹے انہوں نے غلہ گرم برقی سے خوش آمد کیا اور ان کی کھیت تک طویل سفر کرتے رہے۔ غالب دیش لکھ آئے لیکن جلد ہی بارانگی کے قصبہ اکبر علی کی صحبت میں ۱۱ دن اور ایک رات گزار دی اور حدود کے خالق سے انہیں ایک نیک خاص قسمتہ قصبہ صاحب نام پاتے کی وقت جان لو کے سلسلہ میں رانگی کے کھیتوں سے حدود پانی میں لکھ ہوئے تھے۔

محمد اکبر علی سے ملنے کے فوراً بعد پتہ کے مولوی محمد علی علی کی صحبت کے مطابق غالب خاص اقصیٰ کے قریب بیٹے ۲۰ رمضان ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۳۸ء کو مرحوم کاظم صاحب کی پوتہ کے ہاں ان کی رہائش گاہ اخیلی میں مولوی محمد علی علی کاٹھنی علاقے کے چچہ مولوی غلام علی نے حکم صاحب سے غالب کا خلاف کر لیا۔ انہوں نے یہاں پر ۱۱ دن کر غلہ لکھ اور گرم برقی سے کھیت کی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ بازار شہر سے بہت دور ہے۔ اپنے بھائی مولوی ولایت حسین کے سفر سے آنے کے بعد غالب کو اپنے گھر میں قیام کا فراہم کریں گی۔

اخلی جانے کے ایک ہفتہ بعد غالب کو اپنے بھائی مرزا عیسیٰ کا ۱۵ ۲۷ رمضان ۱۲۳۳ھ مطابق ۳۰ اپریل ۱۸۳۸ء کو ملے ۱۱ دنے جہاں ہوئے کہ کہ انہیں ۱۱ مالدی قند میں جلا بھڑا کر آئے تھے۔ ان کا طریق ایک عامل کر رہا تھا جس کی شخصیت حق کر مرزا عیسیٰ کے عرض کا سبب بنا بدو ہے۔ اس کے خلاف سے مرزا عیسیٰ کی حالت میں خاصی تبدیل تھی۔ غالب کو اور اطلاعات بھی ملیں جن سے بخوبی کی ضرورت ثابت ہوئی۔ حالات نے جو ایک ٹوٹا ہوا سوز لیا ۱۲ غالب اخیلی قند میں آئے اور یہ سببت خرابی کی شکل تھی۔ ۳ شوال ۱۲۳۳ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۸۳۸ء کو انہوں نے فریز کے نام ایک عورت داشت کھس اور ۱۱ صاحب دانے کے جن پر ۱۱ اپنے حدود کو برادہ راست پریم کوٹل میں پیش کرنا چاہتے تھے اس کے بعد ۱۱ پر شہین نیکواری مسز اسٹریٹ سے ملے جو قاری کا غلہ سودا دینی رکھتا تھا اس نے جو قصبہ اس کے لئے کھسا اس نے اس کی بیوی قریب کی۔ پھر غالب مسز فریز سے ملے اس نے ان کا پانی گرم برقی سے بھرتی کیا اور یہ جان کر قند ۱۱ ہاں عرض کرنا ضروری تھا کا بچھا ہے جسے ۱۱ بہت اچھی طرح جانا تھا اس کے بعد غالب نے عرض داشت پیش کی جسے انہوں نے قاری میں لکھا تھا کہ ان کا حدود گورنمنٹ کے غور و نظر کے لئے پیش کیا جائے۔ مسز فریز نے اسے مسز دیش کے پاس بھیج دیا اس کا نام یہ تھا کہ قاری میں قریب کہ تمام در خواستوں کا تیسرا انگریزی میں کرے اور مسز فریز کے سامنے پیش کرے۔ ہر طرح اور ہر طرف سے مطمئن ہو کر غالب نے مسز فریز سے اجازت پائی جس نے نہ صرف یہ کہ ضرور پانی پیش کیا بلکہ اپنی نشست سے اٹھا اور دو بارے تک چھوڑے ایک اس ملک نے ہمارے شاعر کے دہن پر بہت اچھا اثر بھڑا غالب اپنے حدود کے بارے میں بہت پر امید تھے۔

اسی دوران غالب کو علم ہوا کہ اکبر علی کا وکیل مرزا افضل ایک فن کے خلاف مہم چا رہا ہے اور مسلسل سرگوشی کر رہا ہے۔ افضل ایک مرحوم علی ایک کاروبار شعی خاں اور اس کی بہن دیاں اپنی بہن کے بچوں کے لئے تھیں جو قند کے قصبے میں قریب تھے۔ غالب کے لکھ لکھتے سے کہ عرصہ گزر گیا "مرزا افضل ایک اور اس کے خالق جن کا سرکاری حقوق میں پڑا اور دوسرا قند یہ کئی گز کی بنا آئے وہاں افضل اپنا نام اور کھس تبدیل کرنے کی حالت میں جاتا ہے۔ غالب نے اپنا اور دینا پیش کیا اور اس قزم کو قند گرا لیا۔ یہ اور دینا منسلک علی گلی عرب ہوا تھا اور اس پر فن کی مرزا ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۱ رمضان ۱۲۳۳ھ اور ولایت کے مطابق اسے قند علی عرب مرزا قند تھی۔ ایک عرض انہوں نے اس سلسلہ میں حکومت کو بھیجی کہ ان کے خالقین بدینی پر حق قند دینی ان سے منسوب کر دے جس اور یہ کہ اپنی پڑائیں داخل کرتے ہیں کہ اسے قند علی ان کا نام ہے مرزا قند علی غالب کھس ہے۔ انہوں نے قند کھسا کہ کھس غالب میں چار حوالہ ہیں اور یہ کہ یہ کہ اسکی بعض فرمایاں میں مشتمل ہیں۔ اس لئے یہ کہ کئی کئی احمد کھس کھیتے ہیں جو میں صرف یہ حق ہے

اور ان کے نام کا مصر ہے۔

انہوں کو متعجب بنانے کی کوشش کے علاوہ مرزا افضل، ایک نئے نکتہ کے قائل اور ذہنی حلقوں میں غالب کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اہلسنت سے کہا کہ راضی ہیں اور شیعہ حلقوں سے کہا کہ وہ خدا کے منکر ہیں۔ صرف اس پر اس نے قصصہ دہ کی ہلکے نکتہ کے شعراء سے کہا کہ غالب ان میں سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور برسرِ محفل قصیدوں کو برا بھلا کہہ چکے ہیں۔ اس طرح وہ شعراء نکتہ کو بڑھانے میں کامیاب ہو گیا اور قصیدوں کے حامی تھے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب شعراء نکتہ نے ایک انجمن بنائی تاکہ ہر ایک کے پہلے انہوں کو نکتہ دوسرے کے علاوہ میں مضامین منظر ہو سکے۔ یہاں ہی ایک مضمون ۱۸۵۷ء میں ۳۳ صفحات پر ۱۸۵۸ء کو ہولہ غالب اس میں شریک ہوئے۔ دوسرے مضامین کے لئے ایک باری اور دو سرائے کا مسودہ طرح دیا گیا اور غالب کو دہا کیا گیا کہ غالب نے طرح میں غرضیں نہیں اور مضامین میں چھپیں۔ اور لوگوں کے علاوہ دلی برائت کا سیر بھی مسودہ تھا جس نے دوسرے شعرو کی دلی برائت لیکن غالب کے شعراء کی بڑی تعریف کی اور انہیں دہا دی۔ ان کے شعراء کو پانچویں باری کے اہلیات میں شمار کیا۔ بعض شعراء کو اس دہا نے صد کی آگ میں جتا دیا اور غالب کے متعدد دلی شعراء شدید اعتراضات کئے۔

جڑی تو عالم دہا ہر عالم ہضم

ہم چا سوئے کہ تیرا را دیماں ہر جڑو

یہاں اعتراض یہ تھا کہ ہم اور عالم ایک ساتھ استعمال نہیں کئے جاسکتے کہ عالم ملو ہے اور ہم حق کا پند ہے چاند شہوت اور سر انصاف نے اسے مسخر فرما دیا ہے۔ لفظ "حق" انہیں دھڑکے گچ نہیں ہے کہ اسے میٹر ہونا چاہتے تھے کہ "حق" را "ہر جڑو" کہتے "سوئے" کے ساتھ لیا ہوا ہے۔ چنانچہ اعتراض یہ تھا کہ شعراء قر کے ساتھ "سوئے" کو "رستہ" کے ساتھ استعمال کیا ہے لیکن یہاں کے ساتھ نہیں۔

غالب نے ان سے حق اعتراضات پر کوئی جواب نہ دی لیکن حقیقت یہی تھی کہ انہوں نے معترضین کو جواب دینے کا تہیہ کر لیا۔ تیسرا مضمون ۱۸۵۷ء میں ۳۳ صفحات پر ۱۸۵۸ء کو منظر ہوا۔ انہوں نے سوچی سمجھی صورت کے شعراء بطور حد قائل کے اور دلی کے طور پر علاوہ محمودی اور دیگر شعراء کا کلام پیش کیا جسے برائت کے سیر نے تسلیم کیا۔ معترضین حکمران کے لیکن ان کے موقف میں اور حق آگئی۔ انہوں نے دوسری منزل کے ایک شعراء اعتراض کیا۔

ہر ایک ہے نظر میں حراں دارم

خدا بر ہے سو سلفی طوق زہ

اعتراض یہ تھا کہ زہ کے کل میں طرف ہے ہونا چاہتے ہیں اس سے یہ کہا گیا کہ زہ ہے ہونا چاہتے ہی کے مسودہ ہے تو جواب لا کہ زہ کو حالت متغی کے علاوہ کسی استعمال نہیں کیا گیا۔ غالب نے معترضین کو اسباب کے شعراء کا بطور حد قائل کے گریب دیکھا۔ جب غالب کو دلی سچ ہے شکست نہ دی جا سکتی تو آری حاصل کرنے دہاں میں سے ایک بڑا گلی آکر خان کے پاس پہنچے اور شکایت کی کہ انہوں نے دہا ڈر ہے "انہیں بھڑکے ہیں۔ غلی آکر خان نے غالب کو سمجھا اور کہا کہ جس ہم کے لئے وہ نکتہ آئے ہیں اس امر پر تہہ ہیں۔ انہوں نے شعراء سے مصالحت کرنے کی بھی سفارش دی اور سمجھا کہ ایک مسودہ ہر گھر دیں۔ غالب نے اپنی

بدر کھانا غالب کی مشقوں میں بہترین مشق ہے۔ شاعری کے لفظی صبر میں اپنے جانچنے کی قریب کرتے اور آہن پر ہاتھ لگاتے ہیں اور یہ سوز لہجہ میں ان کی ہر دہائی بیدار کرتے ہیں۔ اپنی جانوں کا امضائے کرتے ہوئے وہ اپنے سحر خیزانہ اہرام دہتے ہیں کہ وہ قطعی ہے اور اپنی نظموں کا امضائے کرنے کی بجائے اور عقیدہ قیاس کی بجائے ان سب نے غالب پر خیر انداز اور اپنے دماغ میں انکی رائیں گھسی ہو ایسی لہجہ نہیں دیتی تھی۔ اپنی فطرت کو محسوس کرتے ہوئے سحر خیز کی صحت و شفقت کے جتنی ہوتے ہیں۔ عقل اور واقف کے مروجہ کو کم کرنے کے اہرام کے سلسلے میں اپنے جگہ سے اٹھارہ کرتے ہیں کہ فطری 'عقل' شعوری 'غالب' امیر اور حسیں کے سے بدر مرتبت انسان کو چھوڑ کر وہ عقل اور واقف کو نہ کچھ پاس۔ لہذا انکے دماغ انکے سے وہ سحر خیز سے کہتے ہیں کہ اگرچہ ان جہاں سے طوفان نہیں ہوتا اور نہ امضائے کی پروا کرتا ہوں۔ وار ہے تو صرف یہ کہ میرے اہل کی وجہ سے وہاں پر حرف لڑی ہو گی۔ آخر میں جتنی ہوتے ہیں کہ جو کچھ ہوا اسے بھل چلیے اور صحت فرمائیے۔

اپنی سرگرمی سے غالب نے خود کو آزاد کیا۔ غالب سے کہا گیا کہ غزل کے سہیلان وہ اپنا مقوم ریاضت نہ دلی کے قوس سے پیش کریں۔ یہ سن کر وہ یہ بیان ہوئے کیونکہ ان کے اس میں نہ تھا کہ دلی جائیں اور ہر گز انکی۔ سحر اور غزل نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ غزلت میں ہی قیام کریں اور دلی میں اپنے ویگن چوری کے لئے مشورہ کریں۔ لہذا غالب نے اپنے دست مولوی فضل حق کو بلا کھانا و دھانی اور فہرہ لری بدلتے میں سرشت دار اور پوسہ کاٹن دان جیسے ساتھ حق وہ بدلتے کے مولوی جو علی خان سے مصداق ہوئے کہ وہ ایک سحر خیز غلامت حسین کو بدلت کر دیں، جو مولوی سحر خیز کے بیٹے اور کالیوگ کے سحر خیز تھے بلکہ وہ دلی ریاضت نمیں میں ان کے مقوم کو محسوس و طبعی اہم تک پہنچائیں۔ غالب نے درخواست کی کہ اگر جو علی خان 'الفاظت حسین' سے واقف نہ ہوں تو عظیم سلامت علی خان سے الفاظت حسین کے لئے بلا حاصل کر لیں۔ اسی سلسلے میں غالب نے مرزا امیر بیگ کو ایک خط لکھا جو بدلت کے لہجہ و واقف علی کے ہاں تھے یہی بدلت غالب غالب کو دلی کے دستوں سے معلوم ہوا کہ ابو علی خان کے بیٹے اور گوی فطین نے اپنی بدلتی 'لوائی' میانی اور اسراف سے اپنے ہم نوا ہوں کہ بلکہ انگریز افسروں کو بھی اپنا خطاب دیا ہے۔ غالب نے اپنے مقوم کی کھانسی کے لئے اسے اچھا لکھوں کھانا اور غزلت میں قیام کیا۔

غالب نے قیام غزلت کا فیصلہ کر لیا لیکن ان کی دلی حالت انہیں نہ تھی۔ جب وہ بدلت میں تھے تو لہجہ و واقف علی کے قوس سے انکار میں سے وہ بڑا بدلتے قرض تھے۔ اس رقم کا پتہ صبر دہلی سحر اور غزل کے چارہ کے قیام کے دوران خرچ ہو گیا۔ دلی لایج ۱۳۳۳ مطابق ۲۰ جون ۱۸۵۸ء کو غالب نے بدلت کے مولوی جو علی خان کو بلا بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ان کے لئے حق ایک بڑا بدلتے قرض حاصل کرے جائیے۔ قرض آنے میں دیر ہوئی اور اسی دوران موسم سہا شروع ہو گیا۔ غالب نے اپنا گھوڑا اونچہ سو بدلتے میں فروخت کر دیا اور مائیں اور ایک ملازم کی خدمت بھی ختم کر دی۔ اب ان کے پاس جس ملازم اور ایک کدو لکھ گھوڑے کی فروخت کی رقم کے کچھ حصے سے انہوں نے کھلی اور گھوڑا اپنی لباس موسم سہا کے لئے خرچ اور بدلت اقرباہت کو گھٹا کر پچاس بدلتے کر لیا۔

دلی کچھ اور غزل کے عالم میں غالب کو مولوی فضل حق کا بلا دے جس میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ چندتہ ہیرا اقل کو ریاضت نمیں دلی میں اپنا ویگن ختم کریں۔ غالب نے مقوم کے تمام مختلف کھدات خرچ کئے ان میں متعدد دلی کھدات بھی شامل تھے۔ بدلتی کا وہ بلا جس میں کہا گیا تھا کہ غالب ریاضت نمیں دلی کے قوس سے مقوم پیش کریں۔ بدلتی کا بلا جو ریاضت دلی سحر کو لکھا گیا۔ جو علی اکبر خان کا بلا کہ لکھوک کے فطنی الفاظت حسین کے نام یہ کھدات لکھ غالب خود ذاک خان کے ۳۳ سطر ۱۳۳۳ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۵۸ء کو تمام کھدات صبر غزلت کے ایک بلا میں بدلت کے اور پست پست کی صبر دہلی میں سر لکھا۔ غالب نے دلی بدلتے لاکھ اور دیر حاصل کی۔ ذاک کا خرچ دلی سے غزلت تک ایک بدلتے کے برابر دلی کا ایک بدلتے تھا انہیں یہ کھدات دلی پہنچے نہ تھے کہ غالب کو

ایک خط مولوی فضل حق کا داروہ روضہ کے مدیر داروہ سے بھیجا۔ سیدنا غالب نے داروہ کی ایک نقل دس روپے کے مستحکم ہے کہ اگر انگریزی داروہ سے دو شہدہ ۵ روپے وصول ۱۸۳۳ء مطابق ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۵۲ء کو دیا گی۔

۲ روپے وصول ۱۸۳۳ء مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۸۳۸ء کو غالب کے پاس ۵ روپے دے گئے تھے کہ ہندو کے مولوی محمد علی کی جانب سے مولوی ولایت حسین کے توسط سے ہندی لکھی۔ غالب خوشی سے پھرتے دے ملنے اور خود ہندو کے ایک ایک اور ہندی کی رقم کے ہاتھ میں مطبوعات حاصل کر سکیں۔ انہیں پتہ چلا کہ ہندی لکھی کے نام سے داروہ ۵ روپے کی ایک ایک غالب نے مولوی ولایت حسین کو ہندی دے کر داروہ بچھا دیا ہے۔

ہندی کے آگے سے غالب کو کچھ ملی سکون تھا۔ لیکن ریڈیٹ ٹی وی میں مولود کے سلسلہ میں دو تاریخوں دی گئی ہیں اس سے وہ بے چین تھے۔ اس چیز نے انہیں سب سے زیادہ بے چین کیا وہ یہ حقیقت تھی کہ کلازات دہلی بیچنے کے یہ ہفتوں کے بعد بھی ان کے وکیل چنات پورا لال نے کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ ان کے خط مولوی فضل حق اور دہلی میں عزیزوں کی جانب سے کوئی خبر نہ تھی۔ اپنے بھوتے بھلی مرزا عسکری کے شیعہ خط کی تو انہیں توقع تھی وہ دہلی طور پر ٹھیک تھے خواہہ حال کے رولور تھے یا فعلی اعتبار دہ قند غالب نے اپنے مولود کے سلسلہ میں مطبوعات حاصل کرنے کے لئے تقریباً سات محلات کو خطوط بھیجے لیکن کسی کا بھی جواب نہ آیا۔ ان کی یہ چٹائی غریبی تھی بالخصوص اس لئے کہ انگریزی داروہ کی کارکردگی انہیں بہت زیادہ متاثر تھا اور فعلی چٹائی تھا کہ مولود بھی اس کی تم میں ہو سکتے۔

غریب غلامی میں نے غالب کو بے چین کیا اس کا جواب یہ تھا کہ ان کے مولود نے بے اعتنائی برائی۔ اصل میں ہوا یہ کہ عمل اس کے کہ مولوی فضل حق کو مولود کا ریڈیٹ کو لہوگ دہلی سے داروہ دیا گیا اور ۲ شیعہ ۱۸۳۳ء مطابق ہندو ۱۵ فروری ۱۸۳۸ء کو دیا گیا۔ ریڈیٹ ٹی وی میں ان کی غرض ولایت حسین دہلی کے بعد چلی ہوئی۔ اب سبز کو لہوگ نے مولود پر خود کیا یا معلوم ہوا کہ بعض کلازات جو داروہ ایک کے ہاتھ میں تھے مولود نے چھ لکڑیاں اس نے کلازات ٹکٹ سے طلب کیے غالب اس چٹائی دہلی سے غریبی طور پر بہت خوش ہوئے کہ ان کا خیال تھا کہ حقیقتات دو ملکات پر ملی ہو گی۔ اول یہ کہ ابو اعلیٰ خان کی جانگیر سے ان کے اور ان کے شریک کے بیابانات تھے ہیں۔ دوسرے یہ کہ شرائط ایک خان کی چٹائی میں لڑتے تھے کے شریک خواہہ حال کا دعویٰ کس تک درست تھا۔

اب دہلی میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا غالب ٹکٹ میں بیٹھا نہیں بیٹھا۔ مولوی ۱۵ شیعہ ۱۸۳۳ء مطابق ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۵۲ء کو اس نے دہلی چھوڑ دیا۔ لیکن مولود کے ٹکٹ میں سبز فرور کے ہائی تھے اس نے پتہ کر لکھی سے ان کا استقبال کیا اور انہیں بھلا کر شہر دہلی کے بھر چلی مولوی مولود کے گھر کی رخصت پر ٹکٹ سے سبز کے چیمے۔ گورنر جنرل داروہ وکم کلازٹ۔ شینگ۔ اور سپریم کونسل کے سبز اور مولود کے داروہ چلی ملک کے لئے گئے ہوئے ہیں۔

فروری ۱۸۳۸ء کی ابتدا میں جب سبز چلی اور داروہ۔ شینگ ٹکٹ دہلی آئے تو داروہ کے داروہ اوت زانیہ کچھ غریبی داروہ ہو چکے تھے۔ داروہ تو وہ چھوٹا جہاز کو دے چکے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اس سے خواہہ کے خلاف احتجاج کرنے آئے تھے جس کی وہ سے ان کی اپنی رخصت میں ان کی ملکات کو وقت کو طلب کر لیا تھا۔ داروہ خواہہ کئی جہنمات میں تھا وہ دے ہوں غالب کا خیال تھا کہ حکومت کے احکامات ضرور نہ ہوں گے۔ لکڑیاں ملے پلا کر ۱۵ شیعہ ۱۸۳۳ء مطابق ۱۱ فروری ۱۸۳۸ء کو داروہ کے محرم میں ایک داروہ سبز کا جائزہ۔ جب غالب کو اس کا علم ہوا تو وہ سبز فرور کے پاس داروہ سے پہلے ہو چکا تھا اس دن کے داروہ اس کا اہلکار تھا کہ انہیں بھی شریک کیا جائے۔ سبز نے انہیں کسی ایک کے انتقال کیا 'لکڑیاں چار ہوئے اور دھتھ مولود پر داروہ میں گئے۔ لکڑیاں تمام رخصت مولود اپنی چلی۔

دہلی میں ایک کے داروہ بھرپور کچھ 'بھرپور کچھ کے داروہ اور داروہ ایک کچھ 'بھرپور دہلی کا وکیل امرزا اعلیٰ ایک 'بھرپور دہلی





اندری قریب تھی اس میں اعلیٰ کیا گیا تاکہ سامعین کو معلوم ہو جائے کہ گورنر جنرل کا دفتر اپنی راستہ کے ذریعہ بندھن کی جانب متحرک  
میں کسی دلتہ روانہ ہو گا اور خود گورنر جنرل انک یا دھلی کشی کے ذریعہ انکھ کے آگوش میں جائیں گے۔ اس اعلان کو سن کر غالب کو  
خیال نکلا کہ آئے والے کی بیٹیوں میں من کے حضور کی طرح رعیت نہیں تپائے گی۔ لہذا انھوں نے طے کیا کہ گورنر جنرل کے سامنے  
کے دست سے نکل دلی پہنچ جائیں۔

دب انھوں نے ٹھکانے سے دھلی کا قطب ٹیکہ کر لیا تو غالب علی اکبر سے ملے اعلیٰ گئے پھر مولوی عبدالکرم کے بھائی مولوی سراج  
الدین احمد سے ملے اور ان سے یہ درخواست کی کہ ٹھکانے میں دو چیل دلت ہو اس سے انھیں جائزہ لیں ۳۰ ستمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۲ اگست  
۱۸۵۷ء کو انھوں نے اپنا سلاخ کشی کے ذریعہ ہندو روانہ کر دیا اور دو ہجرات یا پور ۱۸ ستمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۲۰ اگست ۱۸۵۷ء کو  
روانہ ہوئے۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو غالب نے انھیں دلی پہنچے اس روز مولوی محمد علی خاں سے ملاقات کی پھر میں انھیں  
معلوم ہوا کہ مسٹر کوہرک معقول کر دیئے گئے ہیں اور ان کی جگہ مسٹر فرانسس پائرس کا مقرر ہوا ہے۔ انھوں نے ۶ جنوری ۱۸۵۸ء  
مطابق ۲ نومبر ۱۸۵۷ء کو علی اکبر خاں کے ہم ایک خط لکھا اور یہ درخواست کی کہ کسی انگریز سے مسٹر پائرس کے لئے سہولت فراہم  
کریں اور اسے دلی بھیج دیں۔ پھر ۱۵ ستمبر ۱۸۵۷ء کو وہ پور سے دلی کے لئے روانہ ہو گئے۔

غالب کیم جنوری ۱۸۵۸ء مطابق ۲۹ نومبر ۱۸۵۷ء کو دلی واپس پہنچے جہاں ان کے بھائی مرزا یوسف کی حالت بدتر ہو چکی تھی اور  
دلی کا سیاسی موسم اس سے زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ پور ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو انھیں دلی پہنچے تھے۔ ان شکایتوں کی حالت میں انھوں نے مسٹر پائرس کی شان میں ایک  
قبضہ اٹھایا اس سے ملے گئے۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو غالب کی تقریب کی اطلاع دی گئی کہ وہ دلی پہنچے اور ان کے بارے میں پوچھا  
وہ ان کی شکایت کا حل سنا اس کے فوراً بعد غالب کو علم ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں گورنر جنرل نے رعیت ریڈیڈنٹ کو بھیج دی تھی اور  
اسی بارہاں کا غالب جانچا تھا۔ بد قسمتی کے طور ٹھکانے سے کھلائے آئے اور مسٹر کوہرک کے مصائب کا آثار ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو معلوم کر دیا  
گیا پھر اور سمجھتے آئی کہ حضور کے کھلائے متحرک ہو گئے اور ٹھکانے سے ان کی بغاوت طلب کی گئی۔ اس کے بعد ۸ دسمبر ۱۸۵۷ء مطابق  
۳ جنوری ۱۸۵۸ء کو مسٹر پائرس نے درخواست گزار کے جان کو فیروز پور کے جاگیردار غالب خاں علی خاں کو بھجوا کر غالب کی شکایت  
کا جواب دیا۔

۱۸۵۷ء میں دلی میں نے اور ایک کاٹھ مرقع ۱۸ دسمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو دلی پہنچے کیا اس میں کسا تھا کہ امراتہ جگ  
خان کے بیٹے بھگت کو امراتہ خاں کی جائگہ سے پانچ ہزار روپے سالانہ ملے ہیں۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو دلی میں ہزار امراتہ  
جگ خاں کی والدہ اور بہن کو ایک طرف اور دوسری جانب مرزا نوشہ اور مرزا یوسف ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو مرزا امراتہ جگ کے بھتیجے ہیں مولوی رقم حسین  
کی جائگہ۔

(۷)

معدوم بادشاہ کی فیاد پر مسٹر پائرس نے ۵ مئی ۱۸۵۸ء کو رعیت حکومت کو بھیج دی اور لکھا کہ شکایت لکھو کہ اس سے زیادہ حق  
نہیں جتا تھا کہ اور ایک نے غالب اور ان کے بھائی مرزا یوسف کو پور ۳۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو دلی پہنچا دیا حضور کے ہیں اور یہ رقم غالب خاں علی خاں  
خان عیاد کو کر دے کہ وہ ہے۔ مسٹر پائرس کا یہ فیصلہ دلی کے ریڈیڈنٹ کے جانب مسٹر جگ نے غالب کو اپنی سزا دیا۔  
ریڈیڈنٹ کے اس حکم کے فیصلے سے غالب پر چارہ نہ ہوئے کیونکہ انھیں گورنر جنرل کے ہاتھیں بکری مسٹر امراتہ کی حالت کا بھیج  
تھا لیکن اب تک ہم نے اس میں ہزار دھلیں دیکھی ہیں۔ اعلیٰ اس کے کہ خلاف رعیت دلی سے حکومت کو پہنچے ۲۳ مئی ۱۸۵۸ء کو

مسٹر ہنزولک کا انتقال ہو گیا۔ پانچ دن کے بعد حکومت نے مسٹر انیس کی راج دہت چ فور کیا۔ ریڈیو لٹ کی تحقیقات سے انتقال کیا اور نائب کو اس سے مطلع کر دیا۔

اس فیصلے سے انہوں نے صحت نہ پائی۔ یہ امر ایسی ۱۹۵۹ء کو انہوں نے گورنر جنرل کو ایک درخواست بھیجی اور پانچس کے فیصلے کے خلاف شکایت کی جس کی بنیاد ایک محکوم خدہ پر تھی اور درخواست کی کہ ثبوت کے طور پر حکومت کارپورڈز دیکھا جائے۔ انہوں نے ۲۸ جنوری ۱۹۵۹ء کو پانچس کی جانب داری کے خلاف حکومت کو شکایت بردار کیا کہ اس نے جس الدین خان کی طرف داری کی ہے اور ساتھ ہی حکومت کے چیف سیکرٹری مسٹر چارج سولرس کو خط لکھا کہ "حکومت خدہ خدہ فراہمی مسٹر سولرس نے شکایات کو طور سے دیکھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہادی اختر میں درخواست گزار کی شکایت بغیر کسی بنیاد کے نہ تھی" لہذا اس نے یہ افسر ۱۹۵۹ء کو ایک چارج ٹوٹ لکھا اور صدر جہیل شکایت پر حکومت کی توجہ مبذول کر لائی۔ لہذا یہ کہ حکومت کے ریکارڈز پر درج ایک نامے جون ۱۹۵۹ء کا کوئی خط موجود نہ تھا۔ دوم یہ کہ ۳۱ مئی ۱۹۵۹ء کی سند کو گورنر جنرل ڈاگلاس کو نسل نے منظوری دی جبکہ ۱۷ جون ۱۹۵۹ء کا کوئی خط سپریم کو نسل میں تھیں جیٹ فیس کی کیا کہ۔ سوم یہ کہ بعض محال دوسری سند کو درج ایک نے توجہ سے طور پر جاری کیا تب بھی کہ گورنر جنرل ڈاگلاس نے جس چیز کی منظوری دی ہو اسے منظور کر دے۔ چہاں یہ کہ سند ۱۷ مئی کی گئی وہ اصلی ہے یا جعلی ضرورتاً ایک خان کے خاندان کا حق رہا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے سفارش کی کہ مقدمہ کی سمجھنے سے چھان بین کی جائے۔

چونکہ یہاں ہنگو نے لارڈ ایک کے قتل کا واقعہ گواہ قرار دیا تھا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو وہ کھڑا جس پر بخوار تھا۔ لیکن وہ سمجھا گیا کہ وہ اپنی راستہ دست سمسٹو سولس نے اپنے خلاف میں انہوں نے حکومت بمبئی کے چیف سیکریٹری مسز بی فورس کو لکھا تھا کہ لارڈ ایک کی مدد جس پر اعتراض کیا گیا ہے اس کی پشت پر انگریزی میں کوئی دستخط نہیں ہے، جیسا کہ لکھوا ہے۔ لیکن نے مدد کو دیا اور ۳۰ نومبر ۱۹۳۰ء کو جواب دیا کہ اس شخص پر لارڈ ایک ہی کے دستخط ہیں۔ مدد نے مدد مصروفیت کا ذریعہ قرار دیا اور دوسرو کے اذیتوں میں پریشان کیا جاتا ہے کہ اس شخص کو گئے تھے۔ جواب اور باقی غلطیوں کے لوگوں میں دیا جانے پر متوجہ رکھتے ہیں۔ لارڈ ایک اور تمام لوگ جو جواب کو جانتے ہیں ان پر بڑا افسوس دیکھتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں میں ان کی بڑی عزت و احترام ہے۔ سچا بھی نہیں پاسکتا کہ انہوں نے کوئی جعلی مدد چار کوئی دہ کی جیسا کہ فرض کر لیا گیا ہے، اگر جواب نے ایسا کیا ہو تا تو دوسرے لوگ جو اس معاملہ سے متعلق ہیں، غلطیوں پیش کر سکتے ہیں۔

وہ کیا حاصل تھے کہ سرہاں نیگم نہ وہ چاہتے تھے، بلکہ یہ حقیقت باقی رہتی ہے کہ بے جان ۱۸۸۶ء کی حدود سریحد کو گورنر جنرل ڈا ہلڈ نے ۶ مئی ۱۸۸۶ء کو جاری کی تھی، مشورے میں کرکچی تھی سلام یہ کہ کرکچی نیگم نے حکومت کے ان خطبات کو ۱۰ جون ۱۸۸۶ء کو وصول کیا اور رسید بھی لگیں چند دن قبل جو حد امو بخلاف علی کو جاری کی گئی اس کا کارڈ نہیں کرکچی تھے یہ کہ بے جان ۱۸۸۶ء کو جاری شدہ حد غالب سے مختلف تھی جس میں مرزا نوٹ لکھا تھا اگر ہم غالب پر اختیار کر لیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انگریز نظام انہیں مرزا نوٹ کے عرف سے پہلے نہیں جانتے تھے، حالانکہ انہیں حد میں حریت مرزا نوٹ ظاہر کی گئی ہے لیکن شاعر کا نام نہیں لکھا گیا کسی سرکاری نوٹ میں یہ غیر معمولی بات معلوم ہوتی ہے اور غالب کے ہاتھ کے حد میں سرکاری نوٹ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور سب سے آخری بات یہ کہ ہمارا ایک کے دھلا حد کے بارڈر کے سب سے نیچے کے حصہ میں ہیں اور سرکاری بارڈر میں کہیں اس طرح دھلا نہیں کئے گئے۔ یہ بات ٹھوکر پیرا کرتی ہیں کہ اہم اہل علم ہیں، یہ میں کس قسم کے غلطی تھے یہ حضرت اس وقت تک اور میں موجود تھے جب بارڈر نے وہ حد بان بنی جو بھٹنہ کی بنیاد ہے۔

جو کچھ میں چاہتا تھا اس سے بڑا میں نہیں ہوتا ہے کہ غالب جس شخص پر فکرت کرے تو وہ اپنی طرح تمام ہوا۔ اگرچہ کہ میں فاکلڈ سے

عارضی قیام کی طریقہ سے پختہ طور پر نسبت قیمت ہوا۔ بجلی پلٹ تو یہ کہ شرقی بندرجوں میں رہنے والے مختلف قسم کے لوگوں سے بہت راستہ داخل قائم ہو اور ان کی ضرورت اسی صورت میں سہل تھا اختلاف ہوا جن ممالک پر وہ گئے جن لوگوں سے ملنے کے بارے میں معلومات کا چلن یا غرض ان کے ہاتھ آیا اور غالب نے اثرات قبول کئے۔ سبب فیروز پر رکھنا گورہ آباد میں بدسلوک ان کے ساتھ روا رکھا گیا اس سے وہ واقف ہوئے اور ان پر آجپا اس اعتبار سے مقرر ہوئے کہ انہیں غریب طاقت بھگتا پڑی لیکن پھر اور عارضی کے قیام کی وہ بہت فوٹو گرافیں ساتھ لے گئے تھے۔

عارضی میں تقریباً چار ہفتے ان کا قیام رہا اس دلچسپی شر کے خوشا مطلقاً یہاں کی شمالی لائٹ اور گھاس کی بڑی اور خوشبو دار پھاڑوں نے غالب کو بکرا لیا۔ ان کی اس نسبت سے سرشار اور شر کے سمور کی حسن میں گرفتار ہو کر غالب کا خیال پھاڑوں کو بھرا گیا اور انہوں نے ایک مٹھی "تیرہ پانچ روپے" گھسی جو ان کے شاندار فنی کا ایک نمونہ سمجھا۔ شر کی خوش طبعی "نکلتا جاتی" زندگی سے وہ کسی قدر محروم ہوئے اس کا اندازہ اس طے سے لگایا جاسکتا ہے کہ غالب نے پھر کے مولوی محمد علی خان کو لکھا کہ "یہ خوش طبعی پیدا ہوئی کہ عطیہ ترک کردوں۔ ہاتھ میں ایک گلاب ہو کر کھینچنے پر تلک (تھلہ) اور میری پشت کے گرد چھو (ایک حرکت دھار) ہو۔ میں گلاب کے کنارے بیٹھوں تاکہ میں اپنے دھوکے جھپٹ کر اپنی ذات (سینٹ) سے دھواؤں اور ایک شعلہ کی مانند دوا کا 2 میں چاک۔ بعد کی تعلیمات میں اس شر کے اثر کو بہ آسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ عارضی میں مستقل قیام کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انہیں شر کو بھرو کر نکلتے دھاڑا کر اپنے پھل کے عطیہ کی چوٹی کر گئے۔

لکھتے میں غالب کا قیام تقریباً اٹھارہ ماہ اور اصل دھوکے کا وہ اس شر سے بہت ہو گئی۔ جسم کی سلاط کے اعتبار سے تب وہ اسی دھوکے میں آگئی اور بہت پرانے امراض غالب ہو گئے۔ موسم سہا میں وہ میں قیام کے ساتھ تازہ خیال کا پانی پیتے۔ لیکن جب انہوں شر شروع ہوتا تو ترک کر دیتے۔ حقیقت وہی کی آپ وہاں کی نسبت لکھتے کی آپ وہاں انہوں نے زیادہ ہم جڑا پڑا اور اس کی ٹھن میں ایک سفید کھدے بہت ذرا قہر اچھا سلیم ہوئی ہے جب ہم اٹھارویں صدی کے انتہام پر ایک ہری شاعر کو لکھتے کی تب وہاں کو برا بھلا کہتے بیٹھے۔ لکھتے کی آپ وہاں کے بارے میں زیادہ عجیب اور حیران دہنے والے بیان کے ہری واقعہ نظر کے قلم سے نکلے جس کا مطالعہ ہے کہ موسم سہا کے چار ماہ آپ وہاں لکھتے زیادہ غیر صحت بخشنے میں ہوتی تھیں موسم گرما اور بارش کے موسم کے اٹھارہ تو آپ وہاں سخت غیر صحت بخشنے ہوئی ہے۔"

لکھتے میں ان کے مہذب نے جس گرمی دہائی سے انہیں خوش آمدید کیا وہ اس شر سے بہت میں ایک لفظی ضرر ہو گیا۔ جب کہ وہ بجلی علی اکبر خان سے ڈاکٹری میں مرحوم خانی سران لہری خان کی جد سے ملنے گئے انہیں احساس ہوا جیسے وہ اپنے گھر میں ہوں۔ ان کی خوش طبعی تھی کہ انہیں مولوی سران لہری علی خان مولوی عبدالکرم 'علی خاں علی بن' اتھا لہری حسین 'مرزا ابو جگہ خان چن اور دیگر شخص اور محل اعتبار دوست بھر آئے۔ شر کا پڑا ہوا ہے اور انہوں نے جلد سے شاعر کو اپنے حکام اور لکھتے کے اہل اہمیت سے حشراف کر لیا ہو گا۔

اس کے علاوہ غالب کی عارضی شاعری کی اصل قدر قیمت کا اعتراف ہونے کے رکھنے کے دیکھ کر مرزا علی خان نے کہہ انہوں نے مشاعر میں بہت ہی کی تحریف کی اس کے بعد یہ دینی سرکار ہوا۔ صرف یہ کہ سیر محرم نے غالب کی تصنیف و تالیف کی ایک ہی کے دوست مولوی سران لہری اور علی اکبر خان نے ان کی طبیعت اور دلچسپی کی علی اکبر خان کے کہنے پر غالب نے اپنی جگہ لکھا کہ ستر تیس کا خضر اور چاند گلاب ختم ہو۔

مہذب کی دلچسپی کے علاوہ لکھتے میں غالب کو انگریز اطراف کی پوری پوری طبیعت حاصل تھی۔ جب کہ غالب حکومت کے تکراری



پہلے خانہ بدوی خاندان کا قریب بڑھام قصبوں میں تعلیمی ادارے کھل گئے اور ان پر مشتمل نئے ادارہ میں فکرت کے مشورہ دہر کی بہار  
 رکھی تاکہ سائنس کی مختلف شاخوں کا مطالعہ ہو سکے جو مسلمان مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔" مصلحہ میں قارہ وکیل نے فکرت میں فروغ  
 و علم کاغذ قائم کیا۔ اس کے سرورہ ڈاکٹر و پروفیسر ڈاکٹر کنگسٹنٹ نے اس کا مشورہ کئی کے برطانوی ملازمین کو ملکی زبان سکھانے اور  
 کنگسٹنٹ انتظامی طور پر اس بات کے غرضی ملے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو تعلیمی کتب چھاپ کر جانیں۔ ان حالات میں مرلہ ترہ  
 ہی غم قبول تھا کنگسٹنٹ اس بات سے غرضی ہونے کے سہارے کنگوں کا انگریزی کے قاری اور بدو متعلقی میں ترہ ہوا انھیں چند  
 مولوی اور متعلی جو ملازم رکھے وہ انگریزی کے ابتدائی اور ابتدائی اصولوں سے واقف تھے۔ انھوں نے اپنے طلبہ کے لئے ایسی عام فہم  
 قاری کتابیں تیار کیں جس کے لئے انگریز طلبہ میں بھی دلچسپی ہو اور حریفوں سے کہہ کر خود انگریزی کیوں نہ ہوں انگریزی تدریسی کے  
 عناصر کو "خاندان" اختیار میں بے ساختگی منتقلی اور مددگی کو حوالہ دیا جاتے۔ لازم کی باتیں میں کرانے لگے۔ مثلاً انگریزی زبان کی قدیم  
 کتابوں کو دوسرے زبان میں "بدو متعلقی قاری" عربی "بہار" ڈاکٹر اور شکریت میں ترہ کرانے۔

فکرت میں غالب کرانے مسلمانوں پر اثرات سے بہار کاغذ کو نسل کا ایک اہم رکن تھا۔ کئی کے شعبہ قاری کے سرپرستی میں احکام  
 کاغذ کے شعبہ قاری کے سرپرستی مولوی کرم حسین سے بھی غالب کا رابطہ تھا۔ غالب مددگی کی فکرت کے اثرات سے نہیں بچ  
 سکے، "فکرت" ترانہ اور مولوی اسلوب اس قدر پسندیدہ تھا کہ پہلے پہلے تو قریب میں مددگی کا رواج اڑا دیا تاکہ انھیں فکرت کے بہار مددگی کو  
 خارج قریب ہوئی۔

مددگی کی اس فکرت سے متاثر ہو کر غالب نے مولوی غیر متعلقی خلیفہ پانچ سے ہر اسلوب صنعت تھیل یا انھوں کے بھرے غرار  
 مولوی طرز قریب کو ڈک کیا اور مغربی اسلوب اختیار کیا۔ اگرچہ کہ قریب قریب پانچ کا اثر ان کے چند خطوط میں واضح طور پر نظر آتا  
 ہے۔ جہاں کہیں اور وہ بھی ممکن ہوا انھوں نے غالب کے قدیم اور بے وقت اثرات اسلوب کو ڈک کرنے کی کوشش کی اور  
 اپنے خطاب کو مغربی اسلوب میں خاندان لکھے۔ خطوط کے انضمام پر وہ صرف اپنا نام لکھتے۔ ان کا اہم و بھین اس قول پر تھا کہ "موت کو تو  
 گمشدہ نہاد" یعنی قریب کو کھنگھو ہوئی پانچ۔

اسلوب کے علاوہ انگریزی کا اثر غالب کے فن خط سے بھی لگانا جا سکتا ہے جو بے شک فکرت کے لئے انھوں نے اختیار کیا اور  
 اور اسے ہر انگریزوں کے نامے میں قائم ہونے کے حوالے دیتے۔ ڈاکٹر و پروفیسر ڈاکٹر کنگسٹنٹ نے انھیں "خاندان" مسلمانوں کو  
 تیکرانی گورنر ڈیپوٹنٹ ہیرل کونسل ریٹ (ایس) کئی "ریٹ" "فیر" کونسل و فیوڈ اگرچہ کہ ان کی فکر بدلی ہوئی ہوئی ہے مگر وہ  
 استعمال شروع کرتے ہیں۔ غلام اسطوانات کا جواب اور انھیں دیا ہے کہ وہ مغربی اور قاری کے علاوہ انگریزی کے ساتھ استعمال کرتے  
 ہیں۔ مگر مرکب ام صلت یا تھیں۔ "خاندان" کونسل خلاف کونسل کے لئے۔ ان کونسل ہیرل کونسل کے لئے کھاتات  
 مستحب مستحب ہیرل کے لئے۔ دفتر ریڈیو ٹی ریڈیو ٹی میں کے لئے ریٹ۔ جلدی بیکٹ ریٹ کے لئے "ریات گورنری  
 ہیرل ڈاکٹر گورنر کے لئے ریٹ۔ جلدی ریٹ ان کونسل و فیوڈ بھی کئی "خاندان" انھیں کے ساتھ انگریزی کے "خاندان" استعمال  
 کرتے ہیں۔ "خاندان" کونسل یا تیکرانی کونسل کونسل ریڈیو ٹی یا تیکرانی کونسل ریڈیو ٹی۔ غلام اسطوانات کا جواب و پوسٹ دیا ہے  
 ہے کہ انگریزی اور قاری کے علاوہ دوسرے ہیں۔ مگر ایک مرکب فعل جانیں "خاندان" ریٹ کون "ریٹ" کے لئے۔

مغز پر کہ غالب کا فکرت میں خارجی قریب جو ان خطوط میں جان کیا گیا ہے وہ ان کی زندگی میں ایک بہت بڑا سنگ میل ہے۔ یہ تو کج  
 ہے کہ جو باطنی ان کے ساتھ ہوئی تھی اسے تو وہ درست نہیں کر سکے لیکن ہمارے اور فکرت کے منہ اثرات اور باطنیت ہونے ان کا  
 وہاں وسیع ہوا اور ان میں قاری کے اسلوب میں انقلابی تبدیلی آئی کیا جب کہ انھوں نے ہمارے اور فکرت پر اپنی تمام محنتیں جماد کر  
 دیں کہ یہ بدو متعلقی کا بہار کا اور کج کا وہ ہے۔







ہ پائی پورا لوگ کیسے ہیں  
 تیرا دھڑکا دھڑکا کیا ہے؟  
 جسکی زلف چھری کیوں ہے؟  
 گد چٹم سر سا کیا ہے؟  
 ہزار دہلی کیل سے آئے ہیں  
 اور کہا جاتا ہے برا کیا ہے؟

انسان کی ہستی صوفیائے کرام کی تھریں خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کا آئینہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس شخص نے اپنی ذات کا  
 عرق حاصل کر لیا، اس نے ذات پاری کو جان لیا۔ غالب اس عقیدے کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کرتا ہے:

ہے ہونگی نظر رسوائی تو ختم  
 درہم یک خلق کوشائی تو ختم  
 عقل ہے ضمیر خدا عقل طرازم  
 مانتا کہ ہو دعویٰ پیدائی تو ختم

من عرف نفسه فقد عرف ربه

کی اس سے واضح تھریا کیا ہو سکتی ہے؟

انسان عقلی سے بڑھ کر اگلی عقلی سے ہوا خیال کرتا ہے۔ جتنا کہ آئینہ کا ذرا ذرا ہی اگلی عقلیت کا خطر ہے:

بہیں کہ در گل دلی جاوے کہ برائے ذہیت  
 صوفی رتبہ زحق غالب رضائے ذہیت  
 چہ ناکہ کہ نور و فراق ی علی  
 نمی دہی کہ درمی پہ ہم نوائے ذہیت

بہتاد رنگہ

ہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں یا یہ  
 کہ جب دل میں نہیں تم ہو تو آنکھوں سے نکل کیوں ہو

نظریہ ارتقاء

مورخہ قلعے کا اہم ذہنی مسئلہ "نظریہ ارتقاء" ہے۔ اگرچہ قدیم شعرائے بھی اس کا قیام فرما چکی ہے۔ مگر غالب نے اسے جس رنگ  
 میں پیش کیا ہے۔ وہ سب سے الگ اور دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

آرامگی میں سے طبع نہیں ہوا  
بقیہ نظر ہے آئینہ دائم نگاہ میں

یعنی شہد حقیقی عالم موجودات کی نگاہ میں چھپ کر آئینے کے آئینے میں بدل گیا ہے اور اپنے رخ و رنگ کو جھیل سے  
آرامت کر رہا ہے۔ جب یہ آرامگاہ دنیا میں کھل ہو جائے گی تو وہ اپنے چہرے سے نگاہات دے لگائیں وقت دیکھنے والے پکار اٹھیں  
گے۔

کس کا سرخ جلوہ ہے حیرت کو اسے خدا  
آئینہ فرشتہ طفلی بہت انگار ہے

گویا قدرت کی سرکاریاں بھی درجہ جمیل کو نہیں پہنچیں۔ بلکہ مزید ارتقاء کا کھڑا کر رہا ہے۔  
یہ وہ بڑی قضا ہے کہ ہم بھر  
وہ خاک میں آ کر مہدم بھر  
وہ روانہ ہو جائے واپس نہیں کرے  
وہ انگار ہاں ہم بچہ ہم بھر

یہ وہی ہے عمارتِ زندگی کے بارے میں بحث سے نگریہ کا عالم کہ جس میں میں سے وہ خاص طور پر نکلتا ہے۔ ایک جماعت کا  
قول ہے کہ کوئی شے فائدہ دینا میں قائم نہیں رہ سکتی۔ ہر چیز کے ہاں واپس کے لئے کسی دوسری شے کی ضرورت ہے۔ وہ دوسری شے اپنے  
انسان نگاہ کے مطابق اس شے کا بھوکہ نہ دیکھ سکتی ہے۔ اور یہی ہم اس شے کا سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً پھر اس وقت پھر ہے جب  
انسان اسے پھر کرتا ہے۔ ورنہ وہ بچہ ہے۔ اس کو بدلتی طرف کھینچتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسری جماعت کا خیال ہے کہ دنیا کی ہر شے ممکن  
بجائے ہے۔ اسے اپنی بات کے لئے کسی دوسری شے کی احتیاج نہیں۔ مثلاً پھر اس وقت بھی بھری خواہش اسے دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ  
ہستی طرف نکلتا ہے۔ غالب روحانیت کا قائل ہے۔ اس کا تصور یہ ہے کہ یہ دنیا جو ہمارے سامنے موجود ہے اور اس کی موجودات کے ہر  
خلق ہم نے رکھ لئے ہیں۔ وہ سب ہمارے ذہن کے انحراف کہ ہیں۔ ذہن عالم میں ایک مومن شے ہے اور ہم یہ اس کے لڑا  
ہیں اسی مومن شے میں شامل ہیں۔

ہاتھ بٹال ہے دنیا میرے آگے  
ہوتا ہے شب و روز کائنات میرے آگے

اک کھیل ہے اورنگِ طبع میرے نزدیک  
اک بات ہے افروزِ سحر میرے آگے  
جو ہم نہیں صورتِ عالم کے لئے حضور  
ہم جو نہیں ہستیِ اشیاء میرے آگے

اورے صوفیہ کا نظریہ اسی اس سے ملتا جلتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش ایک نکلنے سے ہوئی اور پھر نگہ کوئی جتنی نہیں  
دیکھا اس لئے اس سے پیداشدہ چیز بھی بے حقیقت ہے۔ لہذا وہ مختلف شکلیں ہی کہیں نہ اختیار کرے۔ سب کچھ ہے:

ہاں کائنات سے فریب جتنی  
ہر چہ کہیں کہ ہے نہیں ہے

وہ کہتے حتم ہے کچھ ہے:

شبہ جتنی مطلق کے کر ہے عالم  
لوگ کہتے ہیں کہ ہے ہاں نہیں منظور نہیں

وعدت اللہ اور کلمات مہم کی حقیقت دے کہ قلم و صبح و صبا کے بچے دھنچکے ہونے کو اس سے نواں عالم نہیں سمجھتا اور  
لطیف چرایہ میں جوت نہیں کیا جاسکتا

ہے مشکل نمود صبر پر دودھ دہر  
ہاں کیا دھرا ہے قلم و صبح و صبا میں

## روح کی آفرینش

روح اور اس کی آفرینش ایسے موضوعات ہیں جن پر عوام اور دانشا کے علماء نے بحث کی ہے مگر ادبے شعرا نے اپنی دلیلی  
دلائل سے اس دلیلی مسئلے کو چٹائی کر کے بھلایا ہے۔ سب کچھ بھی حقیقت کی پہچان کرنا ہوا کہتے پرورد اور حقیقت آموز چرایہ میں کہتا ہے  
کہ میری روح اس وقت پیدا ہوئی جب کائنات کی ہر شے غری سے ناکشا تھی۔ نہ ہاتھ میں نیا تھی نہ جملوں میں ہلک نہ صبح میں  
روحانی مباحرام ملا سے ٹھٹھک تھی پھل کست سے عوام تھے اور پرندہ طاقت پر دھڑ سے مٹھوڑا

ہاں بحر خیزم کہ مہ دا در جہشیں وہہ ام  
شب مہ لیشیاں داوریں گردنہ امول وہہ ام

لخت خلوت جلتہ دھماکیں کا نجاہ دور  
زہرا را اندر دواستہ نور عیاں وہہ ام

ہر یکے فارغ زلیخو ہر یکے نازوں غریب  
ہوئے داور دور عجزتہ دھماکیں وہہ ام

ہرگز اسے ہلاں پہ رسولی نہ ہادی دل کہ من  
ہاں دا دور قور کیوں رہے میزاں وہہ ام



لوں شمعِ تو تو ہوا دہلہ کے ہوا  
 مٹتی مرا مٹتا سہیلے بھگت  
 لا چلا لعلِ کبیر کوئی عید  
 اسے دیدہ ہو چہ لپٹے بھگت  
 لچکے کھڑی ہر جگہ کی ہوا  
 اسے سب برگ میں کہ تو ہوا بھگت

نکھائے مشرق و مغرب کی ایک ازبست دعوت اس امرِ حق ہے کہ حقیقت عالم کے چہرے پر امورِ دراز کا نہ پتہ لگائی جاتا ہوا  
 ہے اس کا ہلکا ٹھنک میں اور بھول ہلکا قیراز کہ:

کیسے کسی کٹھن دکھائی نکلتے ہیں معدا

سب نے اپنی چوڑی کا انداز کیا ہے مگر غالب اس سب سے الگ ہو کر کہتا ہے کہ اگر عیادت آئیں نہ ہو نا ایک دھواں ہو نا تو مہمان کو  
 نہ قند ہم باغ میں ہو کر چھ رہے اور شوق و آرزو کی نکل سے بچ جاتے مگر مشکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آئیں نہیں اسی طرح دھواں  
 بھی نہیں اس لیے شوقِ آرزو کی نکل قائم ہے

لہا تا اگر نہیں آئیں تو سل ہے  
 دھواں تو یہی ہے کہ دھواں بھی نہیں

بھرکتا ہے

حرم نہیں ہے تو ہی لوہائے راز کا  
 ہوا دہلہ ہو چاہے ہے پتہ ہے سوا کا

میں راز کے نقوش سے تو ہی وقت نہیں دہلے بظاہر جو چاہے نظر نہ پڑے ہیں وہ بھی پتہ سوا کی طرح اسرارِ حق کے رنگ ہو  
 رہے ہیں۔  
 یہ شعر بھی ایسا ہی ہے

لعلِ فریادی ہے کس کی شوقی قمر کا  
 کھڑی ہے دیر میں ہر جگہ قصور کا

فلسفہ حیات

عجب نے جس دن نے میں آنکھ کھولی اس وقت مسلمانوں کی سطحیں ایک ایک کر کے مٹ رہی تھیں۔ قوم اعلانِ اور چھی کی

طرب قدم بیخا رہی تھی۔ عورت نہایت دوز بوز ملک ہو رہا تھا۔ بے دھڑکی طور فرضی اور کوئی نظری کی ہر طرف گرم چاندنی تھی۔ مسرت و اہل کی فراوانی اور تواسخ افسانہ لائی حوصلگی اور طوورانی کا قلعہ قلعہ خود غالب کی حالت یہ تھی کہ جان کے لئے پڑے ہوئے تھے۔ سلطان نہایت کی کی اور قدردانی کی گفت نے قوم میں اس کا اثر کر رکھا تھا۔ ان کے نزدیک اسلامی زندگی ایک عجوبہ اور حیات بشری ایک کشف تھی۔ عورت نہایت قلب صحت اور راحت دہانی کے لئے ترستے تھے۔ اس قسم کے بادشاہ کی حالت میں ان کا کام جتنا بھی کم کریں اور جن انگیز ہو یا کم قلعہ نگار غالب اس قدر باطنی اور کشمکش میں گھر کر رہی تھی کہتا ہے کہ انسان کو آزاد خیال اعلیٰ سے بلند نظر اصرار اور دلیری کر رہتا ہے اور عورتوں کے پاس اپنے آپ کا شکوہ بامراد رکھتا ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے اگر انسان حیرت آسانی کا شکار ہو سکتا ہے تو وہ اپنے دماغ کی بھی اختیار کر سکتا ہے۔ جن سے تحریرات اور علم دور ہوں۔

میں اور راحت اور طوفانی دل کی تزیین حلقہ میں ہری شعرا میں موانع نظری اور فرضی میں دیکھ رہے ہیں۔ حافظ بھی قلعہ مسرت حیرت کے کرپان کر رہا ہے۔ عمر اس کا قلعہ صحت آفریں نہیں ہو سکتا ہے کہ دنیا بھر دوز ہے اس کی نزدیکیاں عقل پر تب ہیں جس نے لکھی مہم جوئی کے لئے اپنا دل بے لعل صحت نبوت سکون اور طمانیت قیام نہیں کئی چاہیے اور پھر کہ دنیا بھگتے ہوئے تو نہ ملاحظہ ٹوٹا پڑی اور دھڑکی اختیار کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے اس کا خیال بھڑکنا چاہیے۔

اس قلعہ صحت کا دوسرا جو مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ میں نہیں چیتے اہل میں کوئی داخل نہیں ہو شخص جس حالت میں ہے نہ اسی نے ایسا بولا ہے۔ ہم کہا ہیں کہ خدا کے ارادے کے بغیر دولت کر نہیں ہو سکتی۔ وہ ہمیں بدھ چاہئے گا ہمیں بھانا پڑے گا۔ ان نہایت کا اثر یہ ہوا کہ قوم کی قوم پر نمود و نمود طاری ہو گیا۔ ہمیں ٹوٹ گئیں اور سطحیں صاف گئیں۔ مگر غالب کا قلعہ قلعہ کے باطن عذاب ہے۔ وہ تو مسئلہ بھر کا قلعہ ہے اور اور نہ 'تعلیق' ٹوٹا اور سبب کی قس کا مافی ہے۔ اگر سے غوری کر رہا ہے تو قلعہ قلعہ قلعہ کرنے کے لئے چتا پھٹتا ہے۔

مے سے فرض قلعہ ہے کہ دیکھو کہ

اک گوند ہے غوی مجھے دن رات چاہیے

وہ اگر طوفان دہنے کی تکلیف کرتا ہے تو ساتھ ہی خود دہری اور پند حوصلگی کا درس بھی دیتا ہے۔

میراث دیندہاں دیکھ شرم کہ در شہر

سکون بود حکم دوا دوا دوا دوا است

گرد و غبار دل صحت سفید است دوا حق

لو اوج حواس است کہ لایک دوا صحت

ہاں ہم دیکھ کہ غرضی است حق

دیکھ بنگلہ آ کر خود ہم دوا صحت

دوا لڑائی فرقہ دیکھ گردن

جان نہ بگاڑے کہ نام است

عالم ایک حکم ہے خوش دل کا فلسفہ اس الفاظ میں بیان کرتا ہے:

مرا کہ چاہے عالم دوزخ گھر ہے  
 دلا کہ است و عاشق از بہار ہے خوش است  
 دیکوڑ دیا کہست چاہے کہ دوست  
 ازل رشتہ عشق دریں طالع ہے  
 مکن پرت گل و سمری و دلربا  
 دست فتنہ آفرین گرد ہے بہار ہے

دوسری جگہ میں بھی لکھا ہے:

یا بہار دھب از سبغ چمن ہے گل  
 علی حدوتہ اگر خوش و کوہ گل  
 یا د سحر ہم لطف عشق سدا  
 یا د شہد کلم د کون در عشق  
 شمع طراز قرام قند نظر دارد  
 قیاس دل رطوبت دیگر گل  
 ہزار آئینہ کار و متعلی د  
 ہزار نقش دل افروز و ہزار گل  
 ہوا دھب کہ صوغ نیست سبغ گل  
 ازل شرب کہ ہوا دھب سطر گل  
 دگر طرحی بخند و ہوا دھب  
 علم ہر دھب قیاس ہے گل

دنیا میں کوئی لاشیٰ نہ ہے کیا نہیں جس میں وہ خلاف نور مخلوق کیشتیں نہ ہوں نور کوئی کیفیت الہی نہیں وہ وہ متعلیٰ جوں نور  
 مصلحت کے پہلو نہ ہو یہ کیفیت خود اختیار کی نہ کی جیسے ہے خود پہنچی ہے نور وہ تجھ خوشگوار ہو یا ہوشیار پہ لطف  
 ہو یا بے لطف اچھا ہو یا برا اب اگر تجھ خوشگوار ہو تو مجھ لےجے کہ بھرپوری تک دوستی ہو گی ورنہ بھڑائی کا منہ دیکھنا چاہی ہے۔ ان

مختلف صورتوں کے درمیان صرف ایک امید ہی ہے جو طاری رہائشی کہتی ہے چنانچہ قسم اول نے طوفانی دور غم پر دو حاصر کا کچھ نہ کچھ  
 حشر انسان کو روایت کیا ہے اس لئے نامیدی میں بھی کوئی نہ کوئی امید ضرور پوشیدہ ہوتی ہے جو انتہائے یاس میں امدادیں بخشتی ہے۔  
 بس یہیں ہر طرف مصیبت ہی مصیبت نظر آتی ہو چاندی طرف سے کسی عید ہو یا پتھر پاؤں راہ میں ہیں تھک / ریش ہو چکے  
 ہوں دل بگھ گیا ہو جو حق و حواس ایک ایک کر کے ساتھ بھڑ پھڑ چکے ہوں اس وقت امید ہی طاری ہوتی ہے جس کی بدولت انتہائے  
 یاس میں بھی طوفانی کی کرن پھوٹ نکلتی ہے۔ غالب کتا ہے:

عقربہ عقوبہ ہے درد میں کتا ہو ہلا  
 درد کا سر سے گزرتا ہے وہاں ہو ہلا

ا

ایک بجائے پ سوگند ہے گھر کی دھاتی  
 ہونہ ظلم ہی کسی لغزِ ثلثی نہ کسی

ا

عقربہ پارہ دل دلم ترزا کھتا  
 لذت دہلی بئر فوقی کھداں ہوتا

غالب کتا ہے کہ قوی کبھی طوفانی میں رہتا کہ نہ جوئے اور رخ میں طوفانی سے بچا نہ ہو۔ وہوں کا ہونہ برابر ہے۔ جتا ہاں رخ و دلم  
 کھ لیں کہ راحت کا مزہ جیسا ہی کوئے گا کبھی نہ سنے کہ نہیں ہی سکتے ہیں۔ کتا راحت کا لطف غم کے بعد ہی ہے۔ ورنہ غم فراموشی  
 پر ہم عقربہ پر وقت ہی دھڑکے میں رہیں گے کہ پتھریں آگے چلی کر کسی قدر غم انہیں بھیجنا چاہئے غالب کتا ہے:

رخ سے ہو کر ہوا فتنہ تو مست ہوتا ہے رخ  
 چٹکیں اچھی چیں چھوے کہ تمل ہو گئیں  
 نہ لٹی شریعت نہ ریت کب رخ کو میدی  
 کھ المیوں لما بعد تجوید کتا ہے

## فلسفہ اختلاف

غالب نے اکثر اخلاقی اوصاف مثلاً عزت نفس، خودداری، موصوفی اور اختلاف کے حلقے میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ وہ ایک  
 اہل کی تحقیق اس لئے نہیں کرتا کہ یہ اخلاقی و دینا کے لئے اہل ہیں یا نہیں بلکہ اس لئے کہ لوگ ایک ہیں اور خدا کی عبادت خاص  
 ہی کے لئے کریں۔ اگر لوگ عبادت اس فرض پر کرتے ہیں کہ عبادت لئے کی نہیں ملے اور شراب، طوبہ، دی کی تو بہشت کو دینا میں  
 مومک رہنا چاہیے۔ تاکہ یہ لگا جاتی نہ رہے۔



طاقت میں گرے نہ سے ہاتھوں کی دگ  
 دھڑ میں ڈال نہ کوئی سے کر جھٹکے تو

وہ نصرت کے جوش اور خودداری کے نقشے میں مدھوش ہو کر نکلتا ہے

گر وہ خود سوال دہی سوائے  
 ہلاوتی ہم زبوں کی خواہم  
 یوسف از سحرکت جوشی حل دہی  
 افغانی دہی ی خواہم  
 گریہ و زاری خود ہر دم  
 ہر شہنشاہ کی خواہم

تھکے لب پر مائل دہا نصرت ہاں دم  
 گر کھنچ اتر گئیں جتن دھڑکی مرا  
 دھڑکی لم وسط لذت از درم دہا  
 ہنسے کہ ہاں ہر جھڑکیاں دہم  
 بلکہ تیری شعلے ہر دہی دہم  
 مدد گدوم دہے خود جہنم دہم  
 کہ کہ رنج جہنمی ہوں نکھ  
 ہر تو اعلیٰ حلق ہاں دہم

ہم بیکت کہ پڑا جہنم دہم  
 وہ خدا نکلت مسیحا خود ہلاک

جانب یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے کو طور خود گھوڑوں پر لیڈا نہ کہ کہ قہر سے اٹھ جائے سے دنیا لقمہ ہو جائے گی۔

پہلے حلیہ پہنے پہلے لباس پہنار  
 اسے کہ درواہ حق چوں تو گزار خود دولت

وہ استقلال کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے

پہلوی کہ دریں شعر اصاحت اسے  
 ہنسے کی ہر دم دہا کہے طاقت اسے

ہر طرح کی کاوری دیکھا ہوا کرتا ہے:

ہست دوم یقیناً د لڑکے طلب کی  
بھین مٹھو مہاں دوشوار میا ہوا

انقلابات میں غالب کی مندرجہ ذیل غزل اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک اردو زبان قائم ہے:

د منہ کر رہا کسے کوئی  
د کمر کر رہا کسے کوئی  
ہواک تو کر غلا چے کوئی  
بٹلی ہو کر غلا کسے کوئی  
کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند  
کس کی حاجت روا کسے کوئی  
کیا کیا فخر نے سکھو سے  
اپ کسے رہنا کسے کوئی  
ہب دلیج ہی اٹھ گئی غالب  
کہوں کس کا گھر کسے کوئی

والکتر قریب تقصیری

غالب کا اثر ہمارے لب و لہجوں پر

اور میں غالب کا ہم نیم طور ہے۔ میر تقی میر، ظفر اکبر، کدہنی میر، نصیر اور مدارس القہر کے ساتھ لیا جاتا ہے جس سے انھیں نہیں ہے۔ سب اور کے معنی اور معنی ترقی شاعر ہیں۔ لیکن غالب کی حیثیت ان سب سے مختلف ہے۔ غالب عظیم شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مترجم بھی ہیں۔ انھوں نے اردو شعری اور اردو نثر والوں کو نئی راہ دکھائی ہے۔ انھوں کو متاثر کیا ہے اور انھوں کو ایک نئی ہی دھن مل کر اچھے ہے تاکہ وہ عرب و گلاب و جامہ دیا ہے۔ غالب و میر کی جڑیں اردو میں گہلیں نظر نہیں آتی۔ اس لیے غالب کا ہم دیا ہے جس کے چٹا لہجوں اور شاعروں کے ساتھ لینا مناسب ہو گا۔ یہ مترجم ہیں۔ یہ ایک وقتے معنی غرضی جلسوں کے ناگ ہیں۔

اردو غزلیں غالب کا نام کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اس کی یاد پھر صرف اس کے تحریکات ہیں لیکن جانتے والے جانتے ہیں کہ یہ تحریکات محض تحریکات نہیں رہے بلکہ ادب کا انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ یہ سوائے حقیقی تخلیقات سے اردو میں گھنٹیوں صدی کا یار ہے تاریخی اعتبار سے باغ و بہار اور مہمانِ مہربانِ قصبہ علاقوں کے بڑی اسلوب کا اختراع و سونپ ہے اس کی سوانح کو دیکھی اور اثر چہ پڑی، وائر آفرنی کے انکسارت سرحد اور علی سے لے کر مولانا علی مصلحان، میراجی، زبیر احمد صدیقی، پرویز مشرور، وارث حسین، خانخواں، جید مہماندہ اور ڈاکٹر ابوالہیث صدیقی تک اہم مجاہد غزلیوں کے یہاں صاف نظر آتے ہیں، ایسی نہیں کہ ان تحریکات نے سماجی غائبوں، اضعافی مرقعوں اور غور و جست جیہوں کو تخلیق رنگ میں بچل کرنے کی بنیاد رکھی ہے بلکہ تحقیق و جستج کے اندر ہی تلاش بھی اردو میں انہیں تحریکات کی سیاح سے ابھرے ہیں۔ یہاں غزلوں میں غالب نے ایک دو جگہ نہیں بلکہ جگہ جگہوں کے باہمی دشمنی طعنے کے باوجود جھگڑے سنی کے تعلق اور کلام کے مضمون و معنی کی پختگی کیجائی ہیں، صاحبِ شعر کے ادرے غنایں شایع اور نقد شعری و ادبی، دیکھی ہیں مسلم غرض وفاق اور بیان ویدائش کے گتے ہمارے ہیں جنہیں حلقہ حقیقی، سہارا کی بجائیں ہیں اور مہمانِ مہربان، کی توجہ کی کی سرپرست لہذا و علم لہذا کے رسوا کھیلے ہیں۔

[illegible]

شعبہ طب کی طرح انہوں اور شاگردوں پر بھی انہیں نے بہت گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ایک دو مہینے کے بعد انہوں نے اپنے انہوں اور شاگردوں سے بقدرِ مصلحت کے گفتگو فی سے انتظار کیا ہے۔ گزشتہ سو سال میں طاعون نے لے کر چار بار مرقہ رضوی تک پہنچا دیا ہے۔ مثالی ہی اورد کا کوئی ایسا شاگرد جس نے طالب کی مدد کے حضور غرائزِ حقیقت سے چٹن کیا ہو یا ان کی زمین میں غول کینے کا حق نہ دیا ہو یہی حال انہوں کا ہے۔ انہوں نے طالب اور کامِ طالب پر اقبالِ نبی اور ان کے کلماتِ حق کا احترام کرنا ضروری دیا ہے۔ ان کی لکھی ہوئی کتب اور ہر جہت اثر پذیری سے انہوں کا پاس ہے کہ ان کی شخصیت، معمولی نہیں غیر معمولی اور ان کا کام بلکہ انہیں ان کے لئے ہے کہ اگر کوئی شخص یا ذمہ دار ان کے دیکھنے کے لئے کہیں اٹھائے اور احتیاط نہ کرے تو ان کی سر

سے غائب ہو جانے کی بنا پر وہ ناک و نور، اعزاز سے رہیں، تو آپ گندولگ اس کی حالت پر ہنس پڑیں، کے لیکن اس جگہ پہنچی کے ہاتھ کر کے دلا گھٹائے میں نہ رہے گا، انکو عہدِ ظہیر اور پچھتائی کی طرح کتاب کے پھیل اس کا ہم بھی بر حالِ شہرت پا جائے گا، یہ ایک بات ہے کہ دنیا سے آپ میں اس کا شکر حق قصوں میں نہیں طرف داروں میں کیا جائے گا۔

اس کے برعکس اگر آپ احرام و اعتقاد کے ساتھ آپ کے غلو فن کی بنا پر پڑھیں، تو غلوئی کے کو عقل کریں اور آپ کی فکر کسی پہنچی تک پہنچے میں کتاب بھی ہو جائے تو میں فکر ہے کہ آپ کی حالت میں بھی ہوئی حقیقی و تقیدی صلاحیتیں میری سے ابھر کر سحر عام پر آجائیں اور دوہوں کو آپ کی پہنچی کا قافیہ کر دیں، میں یہ بات عرض نہیں کہ وہاں لوگوں کے بہت سے ایسے حلقہ و خلو ہیں جو صرف اسی کو عقل کی بدولت علمی و فنی حلقوں میں سحر اور اپنے ہم صوفیوں میں سرحد و مہر ہوتے ہیں۔ لیکن صرف آپ کی ہی نے ان کا ہم کوپ میں لوپا کیا ہے، چنانچہ عہدِ ارضی، بخاری کی فکر فلسفہ کی عقلی ہی کہی کہیں نہ دی ہو لیکن آج بھی جائے اگر وہ محاسن کام غائب نہ تھے جائے تو فنی حلقوں میں غلو کی حیثیت سے ان کا ہم بھی ختم نہیں نہ آج کل جو اکرام نے اسلامی تعلیمات اور ملی تحریکات پر جو بکھ کھایا ہے، ہمیں اس جگہ اس سے سوچنا نہیں لیکن کتابت جائے ہیں کہ اور آپ میں انہیں جو شہرت و عزت ملی ہے وہ "غائب" کے مصنف کی حیثیت سے ملی ہے۔ اسی طرح پروفیسر بیٹل، ڈاکٹر مولانا امجد علی خان عوفی، ڈاکٹر عبدالمودود، ڈاکٹر محمد امجد علی احمد، ڈاکٹر اور مولانا غلام رسول مگر کے علمی و فنی کوششوں اور بھی ہیں لیکن اور حقیقی و تقیدی میں انہیں جو اعزاز و شہرت حاصل ہے وہ صرف غائب اور غائبانہ پر کہی فکر رکھنے کا اہتمام ہے۔ بعض "دوسرے اہلِ علم مثلاً: ڈاکٹر شوکت سہروردی، ایک ممتاز فکری کی حیثیت سے اول اول فلسفہ کام غائب ہی کی بدولت سحر عام پر آئے ہیں، پروفیسر محمد امجد علی اور آج آپ نے بکھ کھایا نہیں گھبراہٹ ہوئی ہو بکھ کھایا ہے اس میں انہوں نے غائب کے سلسلے میں جس ذوق و لطف کا ثبوت دیا ہے اس نے انہیں صاحبِ بصیرت، جلیلِ علم کی صف میں ڈھکا، کیا ہے لہذا امجد علی فکری علی خان خودت نقوی اور مسلم فیضی نے "دوسرے موضوعات پر بھی بہت بکھ کھایا ہے" لیکن حق کی آوازوں کا سحر و موثر حق مطلق نے بڑا ہے جو غائب کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں اور ان کے لکھنے ہوئے لوہے میں انہیں ارضی نے صرف پچھلے چار برسوں سے ڈھکا، لکھنا شہرہ کیا ہے لیکن گزشتہ دو سال میں انہوں نے غائب پر جس دائرہ و احاطہ سے لکھا ہے اور حق میں جلیلِ علم میں جس تکیدی و تحقیق کے ساتھ غائبانہ کا شہرہ چار کیا ہے اس نے ان کے علم میں بہت جلد شہین اعتبار پیدا کر دی ہے، بعض شلوہیں بھی صرف غائب اور کام غائب کی بدولت صوف ہوئے ہیں، پروفیسر سلیم چشتی، راجو، مہدی، اختر، جلال، جری، نور، اسید، جگ، محمد، بھاری، آئی اور اس طرح کے نہ جانے کتنے اہلِ علم میں جن کے نام اولیٰ عقیدہ و تکرار میں صرف کام غائب کی شرح لکھنے کے سبب بھاری توجہ کا مرکز بنے ہیں، یہی کیفیت ان مصوروں کی ہے جنہوں نے شعاع غائب کے تصور ہی مرتبے چار کیے ہیں۔ عہدِ ارضی پہنچی اور صلاحیت کا عقد مصوری سے بکر اولیٰ حلقوں میں جو عزت و شہرت حاصل ہوئی وہ غائب کی دی ہے۔ ان بزرگوں نے غائب کی عظمت کا احساس ہمیں دلایا ہو یا نہ دلایا ہو لیکن حق کی عظمت کا احساس ہمیں غائب نے ضرور دلایا ہے۔

ان شخصیات سے انکو ہوا ہو گا کہ غائب کے اثرات ہمارے لب اور لہجوں پر کتنے وسیع اور کتنے گہرے ہیں، بہت ہے کہ ان کی شخصیت یک پہلو نہیں جلتی پہلو ہے حق کا فنی یک رنگ نہیں حد رنگ ہے مراد حق علم میں ان کی اولیات ایک وہ نہیں ہیں جن کی اولیت یک شعور نہیں جہاز شعور ہے لہذا شعور و ادب ہے ان کے اسطلاحات وہ چار نہیں بے فکر نہیں جن کی ذات یک عظمت نہیں جامع اسطلاحات ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ اس جامع اسطلاحات شخصیت سے میری راجحی ذاتی نہیں پہنچی ہے اور حق سے نہیں شعور ہی سے ہے تو یہ کوئی فنی بات نہ ہو گی لیکن جگہ بات ضرور ہو گی۔ میں نے اپنے کسی مضمون میں لکھا ہے کہ میں غائب کے اس ادبی



## غالب اور.....غالب

غالب کی شخصیت اور کام سے میں نے کیلایا؟ وہ کیا متصور دیا؟ اس سے ”کمال غریب و بدبالی“ تھا۔ غالب سے واسطے سے میرے لئے موردِ اختلاف ہو گا۔

غالب سے میری ذہنی غری اور بدبالی زندگی کو کس عنوان سے جڑا کر لیا اس سے میں نے کیا پایا اور واقعی طور پر میرے لئے وہ کیا سہی رکھتا ہے؟۔

غالب جیسے شاعر اور غالب جیسی شخصیت کے خطے میں غالباً یہ مشکل ترین سوالات ہیں۔ غالب کے کسی غالب علم کسی پر حذر کسی درجہ انکار اور فکر کو آج تک یہ علت خاص ملے کرنے کو نہیں کہا گیا ہو۔

لفظ و معنی ایک تیرک فن ہیں۔ میں عمر کا ایک یا حصہ اس تیرک فن کا قرائنی بھی رہا ہوں کا میر جی۔ اس پر مشرق و مغرب کے معنی سازوں نے بہت کچھ لکھا۔ میں نے سمجھ کر پڑھا اور شعر تو نہیں پڑھیں اس موضوع پر اپنی گفتگو کی کئی بار دہرائی تھی۔ اس لکھنے اور گوشتوں کی واسطے دیا جان جو اس بحث نے مجھ پر مختلف کیے۔۔۔۔۔

پتہ ہیں شروع میں ایک ”لیل“ قلم و صوت اور حرف کی جڑوں سے گزرا تو ایک لفظ چاہا جس سے کیا خوب ”کیا یا میں پیدا“ پڑا اور پھر سب کچھ وہ وہ میں گیا۔ اب سے اب تک یہ بحث جاری ہے کہ تیرک فن کی ذہنی لفظ کرنا ہے تو لفظ کیا ہے۔ پھر ضم اور لڑاک اور وہاں جیسے انسانی کلمات ہیں۔ ”خزاع“ لفظ اور مختلف جیسے انسانی اقوال ہیں اور ان سب کا سارا اور زمین بھی لفظ ہے۔ تو لفظ کی پہلی اس پہلے لفظ ”کس“ سے لے کر اب تک صوبوں کے انسانی کلمات پر عید ہونے کی موجودہ معنی تک کیا ہو گی۔

میں نے دسی طالب علمی کے دور میں جب غالب سے تیرک فن اور ہر چیز جیسے لفظ نے مجھے تو لفظ کی اس قوت سے بے جا بنے ہوئے بہت بہت تھے وہ ہوا۔ پھر مختلف عالمگیر واقعات مختلف تاریخی قریب مختلف عالمگیر واقعات میں لفظ کی قوت دیکھی تو ہر دماغ پر نیل آتا ہوا کہ اس قوتوں کی بے پناں آگ سے لفظ مرآتوں میں مسٹ کیوں نہیں جاتا کہ غالب کتا ہے کہ وہ ہر چیز کی گری سے یہ نتیجہ ہمیں ہوتا ہے۔

مگر یہ بھی غالب ہی نے سمجھا کہ لفظ کی پہلی پر غور کہ تو تم دیکھو گے کہ اس سے غائب تک سب کچھ اس میں ہیں اور اس پہلی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو پہلایا جاسکتا ہے منکھڑا جاسکتا ہے نہایت و بدل بھی دیا جاسکتا ہے اور حرکت اور لہو کی وہ بجلی بھی اس پہلی کی رگ رگ میں سولی جاسکتی ہیں کہ ”میں نے دشت لکھ کر ایک حق پڑھا پڑھا ہے“ لیل و کو کہ لفظ کے معنی وہی ہیں وہ بقول غالب کسی ”لٹائے“ کچھ رہا۔ ”کسی“ قبیل کسی واقف کے ہیں ہیں۔ لفظ میں معنی والے ہاتھ ہیں۔ کبھی لیے سے کبھی قبیل کی قوت سے کہ غالب نے خود را کہ اچھا کے معنی میں استعمال کر دیکھا۔ لفظ کے معنی بدلے جاسکتے ہیں۔ وہ عالمگیر رنگوں قریب اور عالمگیر خطائی کے اس کو اب فکر اور آہن گویا دور میں ہو رہا ہے اور لفظ میں معنی کبھی زندہ کبھی مرہ کہہ دیتے ہاتھ ہیں کہ جیسے اب اس کا معنی کچھ نہیں اور جیسے قوت کا معنی اب پانچہ تو کیا ہوتا ہے۔

یہ وہ غریب اہل ہیں وہ دور میں غالب کے لفظ اور ان کا استعمال مجھ پر اور ہر طالب معنی کے لئے مختلف کرتے رہے ہیں۔ لفظ و معنی کے وہاں ہم لفظ و معنی کے عالمی دشمن اور ان کے امکانات کا یہ سلسلہ بہت دور ہے اس کے واسطے سے میں نے جب

مروج عالمیاد میں یہ غور کیا اور ہر دفعہ نئے غور اور انداز کے سے متفق ہوتا رہا ہے۔

پھر بیچنے کے طریقوں اور زندگی گزارنے کی انہماک پختہ کا مسئلہ ہے۔ غالب کے دلی اور فکری تعلق کا احوال کرنے کے لئے تو ذہن اور فکر بھی کمال عظیم اور بڑا ہونا چاہیے۔ لیکن اپنی پہلا کے عقیدوں میں سے ان کے کام سے ان کی شخصیت سے اور ان کے انداز فکر سے جتنا بہت اور بے نیازی کا حوصلہ حاصل کیلئے ضرور یہ بعد معقول میں بڑی شکر نہیں اسی "مصلحتی" اور ان کے مسلک میں لیکن وہ ایک ایسا انداز ہیں جس میں ذہن اور دل کے اندر زندگی کم ہے۔

یہاں کہنے کو یہ روشنی کی کمی کے شکوکہ سن رہے۔ لیکن اس سے زیادہ شکوکہ ان کو یہ تھا کہ یہ تو شیخ صاحب "ادب" اور "سہج" سمجھا رہے لیکن جیسے انداز فکر کی پہلی کو جانتے کے لئے پہلے کہیں سے نکلیں۔ اس لئے وہ دلہنے سے اڑ بیٹے بھی دیکھ اور اس سے بے نیاز بھی رہے۔

ان کی زندگی (اورت تک کیونکہ) کلام تک ہے کہ زندگی بڑا رنگ اور برقیوں ہے۔ جتنا کے فنکاروں میں "بلا بڑا جادو" ہے۔ اسے اگر مذہب ان کی طرح ہر گز ہے تو جس کی بڑا جادو جیسے پہلے سے غالب کی شخصیت نے یہی برقیوں میں "ادب" "شعور" "عدم کلام" "عقیدہ" "ادب" اور پھر جاکر یہ حوصلہ یہ غور ہے یہ پہلی ان میں آئی کہ دل اور فکر کی حوصلوں سے آگے بڑھے زندگی گزارنے کے لئے جو حوصلہ چاہیے۔ غالب سے جو بھی حاصل کرے گا اسے ملے گا۔

ایک بات اور جس سے مجھے جیسے سمجھ دیکھا ہے۔

ہم یہاں نہ چاہیں زندگی کا ہر پہلے کا فانی بن کر مارتے آئے گئے آج کی قوم میں جنم لے کر مرنا اور ان کے وجود بھولنے کی یہ ہم فکرت نہیں رہتے یہ بڑا اور یہ ہر ان کا جادو "ادب" "شعور" "عدم کلام" "عقیدہ" "ادب" اور پھر جاکر یہ حوصلہ یہ غور ہے یہ پہلی ان میں آئی کہ دل اور فکر کی حوصلوں سے آگے بڑھے زندگی گزارنے کے لئے جو حوصلہ چاہیے۔ غالب سے جو بھی حاصل کرے گا اسے ملے گا۔

اب دارا درج کائنات سے قریب تھیک تو یہی بڑا جادو "ادب" "شعور" "عدم کلام" "عقیدہ" "ادب" اور پھر جاکر یہ حوصلہ یہ غور ہے یہ پہلی ان میں آئی کہ دل اور فکر کی حوصلوں سے آگے بڑھے زندگی گزارنے کے لئے جو حوصلہ چاہیے۔ غالب سے جو بھی حاصل کرے گا اسے ملے گا۔

آرامش میں سے طبع نہیں ہوا

چلی فکر ہے تینہ عالم غالب میں

تبدیلی اور انداز غالب کی اسی حوصلہ بندی کا ایک کرشمہ ہے جو ان کے عقل سے ان کے دھن و دھن سے ان کے طبع و دھن سے ان کے فہم سے ان کے فہم سے۔

ہر رہے کا ایک نہ ایک فکر نہیں کیا

خبر سے ہر جگہ بکھلا ہے۔ یہ کہ ہر عقیدہ ان کی یہ خاص بھان ہوئی ہے وہ اسی اصول کے تحت ہوتے ہیں اور یہی وہ نکلتے ہیں کہ زندگی کی ہر خاک اذاتی راہ بھی گزارا کرنا ہے۔

یہاں ہوا بھی فہم ہے اور کے طبع کا

اور ان باتوں کے بعد ہر کائنات سامنے آتی ہیں اور اس دہی کے ایذا حیرت خزانے کے ایک پہلو سے دہی کے ہر رنگ جاتی ہے۔

سرخ کشادہ لب ہوا سرخ ہوا

دل راوند و دل راوند و دل راوند

## رٹائے غالب میں انیس کی رباعی

دلی میں ہندو متا جلی کا تعارف کر لیا جاتا ہے۔ یہ سند "میر انیس کی ایک رباعی پر مبنی ہے جو انیسوں نے غالب کی دہلیت پر نظم کی تھی۔ آخر فروری ۱۸۵۳ء میں راقم کو ایک ہزرگ کے خط سے اس رباعی کا نظم ہوا جس کی حلقہ مہارت یہ تھی۔

میر انیس مرحوم کو غالب سے تعلق قلم غالب کی باب دہشت ہوئی تو میر صاحب مرحوم نے ایک رباعی کہی جو مولانا محمود آباد کے کتب خانے میں میر صاحب کے ہاتھ کی کھس ہوئی اب تک محفوظ ہے۔ رباعی حسب ذیل ہے :

مگر ہاں سے بارج جنت میں مجھے  
مرحوم ہوئے "بارج دہشت میں مجھے  
بارج غلی" کا مرتبہ اپنی ہے  
غالب "سود لڑنے کی خدمت میں مجھے

مولا محمود آباد اپنے بڑا دل و کرم کی محنت میں مشغول ہے۔ راقم نے کسی سہ ماہی معارف کے بغیر محفل اسی صحن سخن کی بنا پر ۶ مارچ ۱۸۵۳ء کو صاحبزادہ غالب محمد امیر جہاد خان صاحب کی خدمت میں ایک فریضہ لکھائی کیا اور ان سے میزبان دہلیت کی تائید یا تردید کی درخواست کی اور ان سے یہ لہذا بھی کہ اگر مذکورہ رباعی ان کے ذخیرے میں موجود ہو تو اس کا کھس مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے ۲۵ مارچ کو مجھے جواب تحریر فرمایا۔ راقم کو جو حسن سخن ان کی دہلیت و دہلیت کی طرف سے تھا ان کے محنت خانے سے اس کی تصدیق ہوئی۔ انہوں نے اس رباعی کے تعلق پان گتہ دہلیت کی تائید بھی لکھائی اور اس کی فوٹو نقل بھی مجھے بھیج دی۔

ماریج نکار غالب محمد امیر جہاد خان کے خط سے معلوم ہوا کہ اس رباعی کا اصلی نسخہ ان کے پاس نہیں ہے لہذا اس نسخہ اصل کی فوٹو کاپی ان کے ذخیرے میں موجود ہے۔ غالب دلی صاحب نے تحریر فرمایا کہ میر محمد ہاں پر میر علی احمد دہلی نے اسی خطی نسخہ کا کھس انہیں بھیجتے فرمایا تھا۔ میر محمد ہاں کا انتقال ہو چکا۔ وہ مرحوم مولانا محمد خدا پاشا نے اب اس رباعی کا نسخہ اصل کس کے پاس ہو گا۔

یہ رباعی میر انیس کی دہلیت پر ہے۔ اس کے تحت کے لئے میر "اسے پڑھنا ہی کئی ہے :

آفتاب کو دیکھ آفتاب

جو غلی شمس "میر انیس کے لکھنا جان شیر خانی" زبان نور صوفیہ "ان کے سبک دہلیات سے واقف ہے ان کے نزدیک اس رباعی کا ہر اعرصہ گواہی دیتا ہے کہ یہ انیس کا کلام ہے کسی اور کا نہیں۔

اسی طرح اعلیٰ فکر حضرت میر انیس کی اس رباعی کا لفظ انیس ہونا بھی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اب تک میر انیس کے نظم کی تحریریں چنانچہ ان کے قدر دانوں کے ذخیرے میں موجود ہیں۔ ان خصوص اور بعضی ذخائر کے دارا بعض مطبوعہ کتب میں میر انیس کی تحریروں کے ہاک چھپ چکے ہیں مثلاً "مرثیہ انیس" جلد نین "مطلع لکھائی" دہلی ۱۹۳۰ء میں میر انیس کے لکھے ہوئے چار ہزاروں کا کھس





## سید قدرت نقوی

## گل رعنا (نسخہ سید)

۱۹۴۴ء میں گل رعنا کی ترتیب کا کام ختم کیا تو گل رعنا کے دو مطبوعہ نئے مطبعہ عام، کچھ نئے ایک مروج ملک دام اور دو مروج دارال احسن عہدہ ان دونوں پر اظہار رائے کے ساتھ ساتھ ان کے تصنیفی کوائف بھی شمار و قرائن کی روشنی میں لکھ دیے۔ ملک دام کا مخطوط تو بہت ہمارے دیکھا جا سکتا ہو لیکن نہ تھا لیکن عہدہ صاحب نے جس مخطوط کو عہدہ خانے کا ذکر کیا اس کو تصور دیکھتے نہ جا سکتا اور صرف ان کتبوں کی حد سے متعلق لفظ لکھ کر عہدہ صاحب نے کتب میں شامل کر دیے ہیں اور جن کا پڑھنا ہمارے شیر لائے سے کم نہیں کیونکہ کتب کیلئے بعد سے اور غیر درجہ میں لیکن میرے مقصد کے لئے وہ کافی ثابت ہوئے۔

گل رعنا کی اشاعت کے کئی برس بعد تصور بدلنے کا اتفاق ہوا تو میں نے عہدہ صاحب سے گل رعنا کی اصل "نسخہ سید" دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور جناب حکیم محمد بی خان صاحب محل سید اکو بنی فون کر کے گل رعنا کا نسخہ دیکھنے کی استدعا کی جسے موصوف نے شرف قبولیت بخشا اور ملاقات کا وقت طرز فریاد میں طرز وقت پر پانچواں دن انتظار کے بعد شرف پہنچی حاصل ہوا تو قریب دو گھنٹہ کے بعد خاصی عزت اخذ ہوئی کہ وہ جانی جس میں گل رعنا شامل ہے مجھے سامنے کے لئے دی گئی جس نے ایک گھر دیکھنے کے بعد موصوف کی خدمت میں عرض کیا کہ لدا کا شہر ہے کہ بھر اصل دیکھتے ہو امور میں نے شمار و قرائن کی روشنی میں یہاں لکھ کر اور وہ جانی کتبوں کے درجے لفظ نہیں لب اصل دیکھ کر اس کی تصدیق ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے کچھ خود ہی پڑھا جس نے لکھ موصوف سے اس خواہش کا اظہار کر دیا کہ اگر آپ اس کے کتب میں فراہم تو میں یہ نسخہ بھی مروج کر دوں۔ موصوف نے جی ہلنی اور میں کراچی آیا لیکن اسے موصوف کو کتب ملنا کہنے کی بنا پہنچی کرائی لیکن رائے پر آمادہ کرنا جاگ شد۔

اب نسخہ سید کی مکمل کیفیت اس لئے زیر غم ہے کہ جناب حکیم محمد بی خان صاحب محل سید اراش خاصی عزت اخذ ہوئی سامنے صاحب کے وہ فراموش ہو گئی شمار و صاحب کے کتبہات و کام سے حقیقی میں تصور کتب فراہم تو یہ تعلیمات میں ایک گرفتار انسان ہو گا اور اہل علم و ادب حکیم صاحب موصوف سے اس کاروائی کو لائق مدح و تحسین قرار دیں گے۔

نسخہ سید کا اختلاف سب سے پہلے نقوی کے صاحب فہرست دوم میں جیسے اراش کے ایک مضمون "مخطوط گل رعنا" وہ لفظ صاحب میں یہ تھا ہے۔

"مخطوط گل رعنا" کے دو حصہ اصل نئے میرے علم میں آئے ایک حکیم محمد بی خان صاحب محل سید صاحب کے نسخہ کتب کی خدمت ہے کتب محفل عام ہے۔ قرائن کتبے ہیں کہ اس کی کتبہات، مجموعہ حاضر ہے لیکن یہ نسخہ نامعلوم ہو گیا ہے۔ یہاں معلوم ہوا ہے کہ مجھے بدلنے کے دوران میں کوئی فرق نہیں ملتا کہ کتب نے اسے اس طرح ہی میں پھر دیا اور پھر مکمل کرنے کی نوبت نہ آئی۔ "مخطوط گل رعنا" نسخہ سید کے حقیقی جیسے اراش کا بیان تمام تر شہدائے حق ہے۔ اگر وہ اس لئے کہ دیکھ کر مجھے آہستہ آہستہ میرے خیال میں وہ روایت ہر تصور کے اولی مخطوط میں گل رعنا کے دو روایات مخطوطات کے حقیقی کتبہات کر رہی تھی اور جس میں دارال احسن عہدہ صاحب نے جلیب کتبہات مروجہ گل رعنا شہریت پانچ تھے اور اس سے مشوبہ جانتے پہلے ہوئے تھے اسی جانتے کو ذرا شک فراہم میں موصوف نے جلیب کرنے کی کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مخطوط دیکھتے تو واضح ہو چکا کہ نسخہ سید اور اصل خاصی عزت اخذ ہوئی حاضر صاحب کی پراش کا ایک حصہ ہے جس میں لکھ جودھ کو اس کی کتبہات ختم ہوئی یہ نسخہ نامعلوم خود ہے لیکن اس کے نامعلوم ہونے کی وجہ نہ تو کوئی فرق ہے اور نہ کتب نے اسے اس طرح ہی پھر دیا ہے بلکہ اس نے اپنے خیال کے مطابق ظاہر یا انتخاب کیا ہے۔



کہ تیرا کیا تھا، جس کا کہ صراحت کیا  
 بہت تھی مگر سے تین لب پہ نہ مانی ہے  
 کہ صبح بڑے گل سے ناک میں آگے دم مرا  
 عزم نہیں ہے تو ہی تو لپٹے راز کا  
 پناہ دہہ اور قلب ہے پتا ہے سلا کا  
 تو اور سوسے غیر نظر ہائے تیرے  
 میں اور دکھ تیری حق ہائے دہرے کا  
 ہیں بس کہ بڑی پاد سے چھٹے انہیں دے  
 اور گوشہ بہار ہے سر چھٹے باز کا  
 تیرا کوشش فم جہلی ہر صبح  
 جیت کہ تھا دھند مگر ہائے راز کا  
 پاؤں میں باب دا دا ہاتھ ہیں  
 میرے ہاتھوں کو۔ ہوا ہاتھ ہیں  
 کہ کا کس نے لڑ دیکھا ہے ہم  
 کئی ایک اپنی ہوا ہاتھ ہیں  
 تو ہستی سے رہائی معلوم  
 ایک کہ پہ سہا ہاتھ ہیں  
 لعلی ہائے مشائیں صحت پہچ  
 دیکھ ہائے کو دسا ہاتھ ہیں  
 کس کا دل زلف سے ہوا کہ اسد  
 دست شد پہ تھا ہاتھ ہیں

یہ سولہ شعر جن چہ غزلوں سے منتخب ہوئے ہیں ان میں ان کا تیرا ہر شعر دوہرہ اور ۱۰ پہلوں سولہ شعر ہیں کے بعد "مقام" کے  
 الفاظ کہہ کر اسد انکسب ختم کر دیا ہے جس انکسب و انکسب کے بعد قاری کام کا آواز پہ جس کا میں نے کئی مقام میں "دہرہ" عنوان  
 قائم کیا ہے اور یہ ہے اس عبارت کے بعد قاری کام کی تکمیل پہ ہے۔  
 یہ قصیدہ و مدح صاحب دلا مذاقب علی شان فیض علی فیضی دام انکسب







و مثنوی۔ اور تریف جاری۔

و طوایف فارسی کل نو

و ترجمہ "کام شد گل و دھار" بہم دی قدر ۵۵۵ھ "یہ ۲۷ فروری ۱۸۳۳ء سے مطبعت رکھتی ہے۔

گل دھار سے یہ حق بہت کم ہے اور طوایف کے ۲۵۳ شعروں میں صرف ۱۲ دہج ہیں۔ گویا ۲۳۸ شعر کم ہیں۔ ایک قصہ فارسی کا نہیں ہے اور فارسی کی ۲۷ فوٹوں میں سے صرف ۹ فوٹیں ہیں گویا ۱۸ فوٹیں فارسی کی نہیں ہیں۔ خاتمہ گل دھار بھی نہیں ہے۔ سو اس لئے اہم ہے کہ اس میں بعض واقعات و حالات بیان کئے گئے ہیں اور بعض فارسی اشعار بھی ایسے ممدوح ہیں کہ جن سے قیامت کام میں مدخلی ہے۔ اور مزید گل دھار میں چھ شعر فارسی قصیدے کے ایسے مضمون ہیں کہ کتب خانہ میں نہیں ہے اور ان میں یہ ایک شعر ایسا ہے کہ کہیں نہیں پایا جاتا۔

فوارح ز معجزات وطن شہید

یہ کلف دامن ہم چوں غریب ختم

امیر نے کوہ کی دامن میں فوارح جل سبھا گل دھار کا انتخاب ہے کہ فارسی عزت افزا دہلی نے کیا اور اپنی ریاض میں دہج کر لیا۔ اس میں دیباچہ کے بعد ممدوح تاریخ سے صرف دہج ثابت ہوتا ہے کہ گل دھار کا کوئی ایسا نسخہ فارسی صاحب کے سامنے تھا جس میں دیباچہ کے بعد یہ تاریخ ثابت تھی۔ یہ غالب نے وقت نقل کسی ہو گی۔ یا مگر نسخہ کے کاتب نے خود کتب دی ہو گی۔ گل دھار کے حق کے علاوہ وہ فارسی خط اور پھر اور فوٹیں بھی اس ریاض میں نقل ہیں۔



ڈاکٹر گوہر نوشی

## مرزا غالب کی نثر نگاری

اردو نثر کے تاریخی سیاق و سباق میں مرزا غالب کا نثری اسلوب بعض لحاظوں کی بنا پر خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مرزا غالب کا اسلوب نگارش اردو نثر کے جس مظہر سے ہم رو بہ ہوا اس میں اسلوب نثر کے دو اہم دور گذر کچھ تھے۔ پہلا دور عربی اور فارسی الفاظ سے چھڑا ہوا قدیم اسلوب کا تھا جس میں انکی تحریریں موجود ہیں جن میں خیال بانی اور جذبات انگریزی کی مدد سے مضموں اور جملوں میں بہ فہمیت حاصل تھے اور الفاظ پر بلا مہرہ الفاظ کے دوسرا دور زبان کے سچا و تم میں اہل کردہ جات تھے۔ اس اسلوب میں کھلے دالے کے دانی تجربے اور اظہار باخاری کے دانی اور دلیلی کو مد نظر نہیں رکھا ہوا تھا اور اردو نثر ہر دور کے اصولوں کی راہ میں بڑی کردہ گئی تھی۔

”مرزا دور فورٹ ولیم کالج کے نثری لکڑیوں کا تھا جن میں ”تھوڑے دنوں میں“ کی خطا کے مطابق مصنفین نے اس نکتہ نگار سے بھرپور اور مرزا فصیح نثر سے اپنا دانشور متعلق کر کے سادگی اور سادگی کو اپنا اور اردو نثر کو اسلوب پرستی کی قدیم روش سے آزاد کر کے اسے انگریزوں کے اظہار کا وسیلہ بنایا اس طرح ہندو دور کی نثر میں شرقی طرز احساس سے عمل و انگریزی اور اظہار پرستی کا رنگ نظر آتا ہے وہاں ”دوسرے دور میں اس دور سے انگریزوں اور طالب علموں سے ہم آہنگی کا دور کھلتا ہوتا ہے۔ پارہے کے دور اول میں ہندو سے دور دور جاتی تھیں سے رجعت ہے۔ جہاں شرقی تہذیب و فطرت اور مصلحتی طرز احساس کا لہریاں فرق مہرہ قلم ثانی ہند کی شجرات اور سنی و مسیحی نثر کے حوالے میں فورٹ ولیم کالج میں انکی نثر کو دوران دوام کا نام ہوا تھا کہ قریب اور عام قاری کے لئے کھلے فہم تھی۔ چنانچہ بارہا ہند کے دیباچے میں انگریزوں کا کیا کرتے

”محبوبوں کے قدر وہی پہلی مٹی کر اسٹے نے لطف سے فرمایا کہ اس تھے کہ مضبوط ہندوستانی کھنڈ میں ہو اور  
کے لوگ ہندو“ مسلمان“ عورت“ مرد“ کے پہلے“ خاص و عام جہاں میں بولتے ہیں“ ”تذکرہ“

پھر اس دور میں کے دیکھتے اردو نثر کو سے گہری شخصوں کے مطابق احوال کی کو مشق کی تھیں خود اپنے طرز احساس کو پرے طور پر نہ بدل سکے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ عربی فورٹ ولیم کالج کے قدیم مصنفین کی نثریں خصوصیت کی حامل تھیں۔ مثال کے طور پر میرزا دیباچہ ہند میں نثر کی ”دوسرے مسقف کے حصے میں ہیں“ ”آئی“ ”دوسرے فورٹ ولیم کالج کے ڈاکٹر مصنفین جن میں خود میرزا میں بھی شامل ہیں۔ قدیم طرز تحریر میں بہ عطف نثری اسلوب کے سرت پروری طرز میں مل سکتے۔

مرزا غالب کو بھی دو اہم اسلوب درپے میں ملے تھے جن کے مطالعے سے ایسی اگر ایک طرف سبب اور تاریخی نثر کی حقیقت اور اس کے سحر و دلچسپی نہ ہوتے تو اس میں ہر دور سبب طرف فورٹ ولیم کالج کی نثر کے بارے میں اتفاق ہوا کہ یہ اسلوب پھر عام فہم ہے لیکن اس میں اپنے دالے کے داخلی شعور اور زندگی کی دکھائی نہیں کی گئی۔ چنانچہ غالب نے اس کی کامیابی کرتے ہوئے اپنے نثری اسلوب میں نہ صرف اس کی سختی کی بلکہ اردو نثر کو ایک کھلے فہم اور بھی دکھا کر دیا۔

غالب کا نثری اسلوب لڑاؤ و غلو کی نثر میں ہے جن کے حدود جوئے لب تک شریعت سے پہلے ہیں۔ موجودہ ”اردو نثر“  
مکتبہ غالب ہمارے ”غلو غالب“ ”تذکرہ غالب“ و دیگر۔

غالب نے غلو لکھی کے بارے میں اسلوب نگارش کو دو شاخیں کر دیں اس میں نہ صرف الفاظ کی درست اور کھنڈ کی زور ہے اور نہ صرف دالے مطلب کا سادگی دکھا رہا ہے بلکہ اس کے ہی قدیم بہ عطف حوالہ اور لکھنے کی نثری تحریک نے کجا ہوا کہ یہ اسلوب اظہار

کیا ہے جس میں افلاک اور مسمیٰ ہام یک جہن ہو گئے ہیں۔ اسلوب کے بارے میں اگر یہ مفہوم ملن لیا جائے کہ ”اسلوب کھینے والے کی شخصیت کا یہ تو ہوتا ہے تو یہ بات بالکل قریب کی جا سکتی ہے کہ غالب کی نثر کی شخصیت کی شکل طور پر آئینہ دار ہے اور ان کی طرز نگارش میں ان کی شخصیت کا شعری ہونا ہر طرح کے قبیح اور مختلف سے پاک بالکل واضح نظر آتا ہے۔“

غالب کا ہر لفظی مزاج ”شعری طرز احساس سے واقف“ ”قلمی ہزار سے ہم آہنگ“ حالت اور شعری توان ”فریاد“ ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی نثر میں صاف نظر آتے ہیں۔ انہوں نے نثر میں بے غلبہ انداز پر توجہ دی اور سادگی ”سلاست اور روانی کو شعور بخلا۔ ان کی نثر میں خیال انگیزی کے ساتھ ساتھ ادبی نثر کا عنصر بھی نمایاں ہے۔

غالب کی نثر کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان کے ہاں نثر کی مختلف انواع کے تقاضوں کا شعور سمجھتا ہے۔ یہ طبع ان سے پہلے کسی نثر نگار کے حصے میں نہیں آئی تھی انہوں نے ایک وقت میں نثر کے مختلف اسلوب کو ایک جا کر لیا ہے۔ ان کی بعض عبارتوں پر داسجن گوئی کا گمان ہوتا ہے تو بعض عبارتیں ہندوئی لہجہ کی اسلوب لئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان کے بے شمار نئے دارے کے متحرک اور زندہ مکالمے دکھائی دیتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

۔ اگر زندگی ہے تو ہر شے جینیں کے تو کھلی کی جائے گی۔

۔ کام ہاں کی گلی ’خیرال کے پچانک سے رخ اٹھ چکے ہیں کے پچانک تک یہ چراغ ہے۔

۔ یہاں قہارے دانا تو خواب امین الدین جی بول رہے ہیں ’میں تو قہار دانا ہوں۔

۔ اسی چراغ کا دھار کا رہو ’میں نے اس کا کیا پکارا قہار تک وہاں دہلا دہلا چکاں کہ نہیں رکھتے تھے ’ایک کوٹ و جوت قہار

چند مفلس دیے تو ایک چوک فرام ہو کر کہو اس بل لیتے تھے۔

سواری نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اسے غلبہ اور قیوں کہو نہ تھا ایک نگر دیکھا

غالب نے اردو میں جس زندہ اور قابل تقلید نثر کی بنیاد رکھی اسے ان کے بعد قبول عام حاصل ہوا اور یہی سبب ہے کہ آج کے دور میں بھی اکثر کے ہاں غالب کے اسلوب کا پر تو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

## دگ سنگ

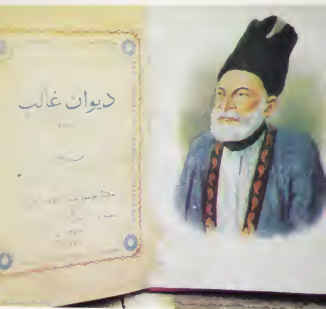
غالب کی بہت سی تصویریں ملتی ہیں پہلی بھی اور اصلی بھی مصوروں اور خطیبوں کے قلمی کوسے بھی اور کیمو کی مروجہ سب سے بھی۔ غالب کے ہم عصروں مثلاً ذوق، نسیم، امجد، نوید، کو کیمو کی نسبت بھر دہ آہنگی اور یہ شرف بھی مرزا قاسمی کے حقد میں لکھا تھا کہ کیمو کی آگہ نے ان کی شبیہ کو کسی نہ کسی طریقہ امیر کر ہی لیا۔ یہ کس مرزا کی وقعت سے مراد؟ وہ "دہ گنل لہا گیا قند گوہن کی حالت یہ تھی کہ چنگ سے اٹھ نہ سکتے تھے اٹھنا چھٹنا تک، ہمارے قلمی حقد چکی بھی پٹی سے لگا دی گئی تھی۔ اپنے جلی چار کے وقت ڈوا کھینچ لے۔ جو اس ابتدائی دور میں کوئی جانشین مل نہ سکا تھا ایک لکھنؤی لکھی سے کم نہ تھا۔ بہرحال کسی خوش اونی نے انہیں سدا دے کر کسی پر غمازی دلا اور یہ کھس چلا ہو گیا اور ہم تک پہنچا۔

غالب کی ان بہت سی تصویروں میں دو تصویریں زیادہ معروف ہیں بلکہ سب سے رائج تصویر کی مانند ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو ڈاکٹر ذاکر حسین نے کسی جرمن قلمی سے جوڑی تھی اور جس میں مولانا حالی کے ہاتھ ہوئے ملنے سے بھی اختلاف کیا گیا تھا اس تصویر میں ڈاکٹر صاحب اور جرمن قلمی دونوں کی حقیقت کو اسی یکہ دخل ہے یہ تصویر دونوں غالب کے بچی سدا دے جاسی اپنی اپنی میں طبع ہو چکی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تصویر بنانی پر کشش ہے سدا دے میں دو تصویریں ملتی ہیں، وہ دو اس کی بہرحال تھیں یا نہیں، وہ تھیں۔

دوسری تصویر وہ ہے جو دونوں غالب ملوث تھیں، میں بھی شامل ہے۔ یہ تصویر اس سے کچھ سترہ ہفتہ کے مروجہ بھی دونوں غالب میں شریک ہوئی تھی۔ سترہ ہفتہ کو یہ تصویر فارسی دہلی ڈاکٹر "لکھنؤ ہلڈ" سے ملی تھی۔ سدا دے سری دہلی غالب کے شاعر مولانا جبار علی صاحب کے لکھے تھے۔ میں نے اس ڈاکٹر صاحب کا ذکر کیا ہے جو دہلی حقدی غالب کی کج ترین تصویر سمجھی جاتی ہے۔ غالب کے جبار سے بھی ان کی افروختہ تعلقات اور برائی طبع جملگی ہے۔ انہیں اپنا لکھی طعن بھی بہت مزہ تھا اور ان کی مزاحیہ لڑائی اور معاشرت کے واقعات دیکھتے تھے، بلکہ خود لپٹا کا ہوا اور وہ کام بھی ان کو اپنی نگاہ میں نہ آتا تھا اور کام جاری کے مقابلے میں بے رنگ نظر آتا تھا۔ ان سے اس دہلی نگہ دار کا ذکر انہوں نے جانتا ہے۔ فروراجیلا کے ساتھ کیا ہے۔ یوں بھی وہ اپنی وضع طبع میں مطلق اور لڑائیوں کے مشترک لکھتے تھے۔ وہ تھے بھی انہیں سترہ ہفتہ اور دگ سنگ دہلی پر مشیت سے یہ کشش سدا دے اور کجی دگ سنگ وہاں یہ عمل کھانا پینا دہلی میں دہلی رہنمیں اور منتقل ہوئی ہو گی) کیا کہہ نہ دیں جانا وہ گا اور بھروسہ یہ مستحکم آتش کی جھانک کر ہی اور پتک !

بہرحال یہ حکیم نگار جہاں اپنے ذہن و فکر کے اعتبار سے انہوں و ممتاز قادیانی اپنی شخصیت و وجاہت ظاہری میں بھی اپنی خصوصیات کا حامل تھا وہ اپنی طرف اپنی خدمت سے محروم کر لیتی ہیں۔ چنانچہ اگر ایک طرف اس کے اعتبار کو دگ سنگ دونوں کے درمیان تصور کیا گیا ہے 7 وہ سری طرف دونوں کی تصویریں بھی کی اہل دہلی کے حاکم شہرت دیکھنے والے مصوروں نے اپنے خیال کے سادہ بنائی ہیں۔ چنانچہ اور بعض گوالی کی تصویر لکھتے ہیں یہ سدا دے کے "دونوں ملتی ہیں اور ان دونوں مصوروں کی خصوصیات کی خصوصیات کی حامل۔

بریکٹل تاکہ غالب ہی اور وہ کا پوتا شاعر ہے جس پر ایک غم جاننے کی گنجائش تھی سترہ ہفتہ میں سدا دے طبعیت کے بار بار بھی تک غالب کا وہ بھی لکھی ہی تھا کسی نئی نگار نے اسے اپنا موضوع کار نہ بنا تھا۔ یہ امر حقد یہ امر صاحب سمجھتا ہے کہ میرے ہی حقد صاحب میں ایک ایسا گھر بھی تھا کہ اس نے غالب کو گھر میں تبدیل کر دیا۔ یہ نگار ظاہر نام میں (یہاد کا نام لکھا)۔ بیوا نام سدا دے کو کبھی کا سامنی ہے۔ اس نے بھر تراشنے کے دوران تمام حقدوں تصویروں کو دیکھنا مل دھلنے کے فرق کو دہا اور غالب غمازی کے



یہ تصویر ڈاکٹر صاحبین نے کسی جرمن لکاش سے  
 تیار کروائی تھی۔ اس تصویر کی تیاری کے لئے ۱۱۱۱  
 مہلی کے جانے ہوئے جسے سے بھی استفادہ کیا گیا



## تعلیقات غالب

شعری اصطلاح میں "غزلیہ" یا "تول" ایسے اشعار کہتے ہیں جن میں کوئی شعر اپنی حالت اور اپنے کل فن و خیال پر فخر کا اظہار کرتا ہے۔ "اول لوپ نے انواع شعری میں غزلیہ کو ایک خاص صنف قرار دیا ہے۔" مہلی نگاری اور اردو کے تقریباً تمام شعراء (غلام شاہ احمد) کے یہاں ہمیں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں وہ کسی نہ کسی انداز میں اپنے کل فن اور بعض شعرا اپنی برتری کا اظہار کرتے نظر آئیں گے۔ مثلاً "معنی کے یہ اشعار عاجز ہو رہا

بازش سحری بدست خاک شیراز لڑچہ ہوا  
گر نبرد آہ کہ گرد سوادہ دھڑکتے میں  
تقریب کہ میں تو سر درج سدا دہم  
نہ غوری نہ غلی دہ نہ معنی

یا مثلاً "میر کہتا ہے۔

میر ہے میرا لہلا ہوا  
اگرچہ گوشت گزیر ہوں میں شاموں میں میر  
پہ میرے شعر نے روئے نہیں ہم لیا

اس طرح سبکی اور سدا کہتے ہیں۔

سبکی رنگتہ پہنا ہے میرے راجہ کو  
شرویں گرد ہے سوا کی بھی سوا کی کا  
عوس معنی کی قصہ سبکی آتی ہے سوا کو  
کوئی خاطر میں اس کے غلی و غزلو آوے ہے

نگاری میں نکلی جیسے غائبہ قسم کے شعرا بھی تعلقی سے نہیں بچ سکے اگرچہ ان کے یہاں ایسے اشعار نکلیں گے جن اور چہ ایک شعر ایسے ہیں جن کے یہاں فن اشعار کی خاصی نکلتی ہے۔ ان میں غافل و معنی و خیال سرگرم ہے۔ یہ شعرا ایسا کہ پہلے عرض ہوا انہیں روا راست اپنے کل فن اور اپنی عظمت کا اظہار کرتے ہیں اور کہیں دوسرے شعرا کو اپنے سے کم روئے کے شاعر کہہ کر انہیں طعنے میں معنی دیا دہم ہے اور اسی وجہ سے اسے منظور شاعر کہا جاتا ہے۔ مثلاً "معنی ایک جگہ تو کہ تو "تک القلم" کہتا ہے لیکن غافل جیسے بڑے شاعر کو "عظم" و "جہول" شعر کہنے والا کے لفظ سے یاد کرتا ہے۔

"اسلام اے تک القلم" بدلتا۔ دلوز خاک  
چن بادشاہ عالم شرویں راجہ

دلکش ہیں کہ مرادوں دار از دلف

داغیے ہیں از مرگ سہلے غافل

غالب کے یہاں بھی شعر کے اشعار کثرت سے ہیں، جہاں تک اس کے اردو کلام کا تعلق ہے اس میں اس قسم کے اشعار بھی کے ہیں اور ان میں بھی دشمن اس کا لہر دھبہ ہے یعنی وہ کسی دوسرے شاعر، اپنی برتری کا اظہار نہیں کرتا بلکہ واسطہ طور پر اپنے استاد سے کا دعویٰ کرتا ہے۔

رنگ کے قہر استاد نہیں ہو غالب

کہتے ہیں رنگ دلہے میں کوئی میر بھی تھا

ہو یہ کہے کہ رنگ کیو کر ہو رنگ قاری

حلقہ غالب ایک بار چہرے کے اسے خاک ہیں

لیکن قاری شاعری بالخصوص قصیدے میں اس کے قہر اشعار کی تعداد خاصی ہے اور کی ایک جگہ استاد چاہن معنی کا ما ہے۔ چہ قصائد کے علاوہ بعض نعتیہ اور حقیقت کے قصیدوں میں بھی کہیں "ہر چار چار اشعار میں اور کہیں اس دس دس بارہ اشعار میں اس نے اپنی فنی و عقلی طویلوں کا ذکر جسے قہر کہتا ہے اور کہتے ہیں کے ساتھ کیا ہے۔ اپنے بعض اشعار میں تو واضح طور پر وہ کسی بڑے استاد سے اپنا موازنہ کر کے اس سے اپنی برتری کا اس پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتا ہے اور بعض میں اس مقصد کے لئے اشاروں اور کنجوں سے ہم کرتا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر دارستانی بلند کا لہو کرتے ہوئے لکھتا ہے:

باینہجہ آرائش گلزار کہ گلزار

از بہ ہضم نہر قاسم ہیں را

بخت سلہ رخ و قول فرم نیست

تکلیف پر نظم دل بگلہ گزین را

دہانگ نئی کا تر دہرہ عطف

گویم ہلچل باد تین چہ شہین را

اگر تم یہ کہو گے کہ قدرت نے ہم بخت و حیرت عطف کو خلق دی ہے تو ٹھیک ہے یہ سب کہ اسے مہلک تین چہ شہین میں عطف کا کیا (۱)

عطف آخریں صدی جاری کا ایک عظیم قول گو شاعر ہے اس نے قاری فریل کو یاد خاص بنائیں اور عطف بخت و کہی بھی "سرب شاعر کو نصیب نہ ہو سکے اور بخت و شہین اگرچہ عطف کے ہم سطح ہیں "سرب شاعر ہی سے لئے گئے ہیں پھر بھی اس کی فریوں نے دنیا میں غلط ہوا کر دیا اس کے آگے صدی مشرق و مغرب اور سطحی چہ شاعر بزرگ کی بھی آفریں نیست ہو گئیں۔ (شعرا نگہ جلد ۲) آج بھی جہاں ایران میں اس کے کلام کو اشاعت کے لحاظ سے قریب قریب کے بعد دوسری حیثیت حاصل ہے وہاں "ہم دنیا میں ہمیں دہشت و شوق پر دھاتا ہے۔" تقریبی جیسا کہ در کلام شاعر بھی جس کے نینچ میں فریل کہہ کر غالب ایک قسم کا فرحمن کرتا ہے۔

غالب غلام نظری دوست ام غالب

غلام احمد ام و بزم آفرین دارم





شہسخت قصائد بادشاہ ملک خلی  
عزل لغت دہلی شاہ جہان خلی

بقول شہسخت قصائد بادشاہ ملک خلی، یہ کتاب جس میں مغلی اور دہلی کے عہد اس کی ترتیب میں شائع کی گئی ہے  
بدست اور تہہ و تیغ مغلی کی فراوانی ہے۔ غالب کا کلام بھی تقریباً اسی قسم کی نوعیت سے ہے لیکن اس کا یہ کہنا کہ میری دعا ہے  
چلتے سے یہ دونوں شاعر عظیم ہیں کسی قدر سہل ہے کیونکہ وہ دونوں بھی سرحد پختی کے شاعر ہیں اور انہوں نے بھی نئی نئی دہلی میں  
پیدا

جس طرح شعراء میں اس نے جگہ اور اعلیٰ اور عاقبتی کام پڑا کر دیا ہے اور کہیں ان کے متعلق میں اپنے لکھنا بھی اعجاز  
کیا ہے۔

امروز میں اعلیٰ اور عاقبتی

اور

پھر ہار گیا روزگار میری  
کہ او نہ پانچ ہفتی گرم فراوانی  
روانہ فکر ہلاکت یہ طبع وہ نرس  
خیال انوری دس غر عاقبتی

میں شہسخت کی چھانٹے سجود  
پختہ دم دلم او دعویٰ مجاہدانی

عاقبتی اور انوری جیسے شعراء کا تخلیق بھی میرے فکر جہاں کی پختی کے پختہ سے کام لے کر ہوا ہے۔ لیکن میری چھانٹے  
نئی نیا نوعیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا غالب نے ان شعراء میں کسی قدر کمر چھی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اگرچہ قصیدے  
میں انوری و عاقبتی اور شعوی بالخصوص دس میں اعلیٰ ایک خاص دہلی اور نظام و میری کے حال ہیں اور انوری کے بارے میں تو کسی کا  
قول ہے۔

وہ شعر سر تن طبع  
ہر چند کہ عاقبتی ہندی

لیاقت و قصیدہ و غزل را  
انوری و انوری سعادت

لیکن درحقیقت اگر غالب کے قصیدہ کا ذکر، شعراء کے قصیدے سے موازنہ کیا جائے تو ہمیں جڑی نوعیت سے قطع نظر بحیثیت مجموعی یہ  
پہلی شعراء ایک ہی کلاس سے رکھنے کا خیال آئے گا۔ لیکن یہاں تک کہ ان کے قصیدے کا حال کا یہ قول درست ہے کہ غالب کا قصیدہ انوری و عاقبتی کے  
قصیدوں سے گہرا آہستہ آہستہ غالب طبعی کہتے ہیں (۱۹۰۷ء)

شعوی میں اعلیٰ کا پڑا ہندی ہے۔ غالب نے جو پانچ ایک شعراء کسی ہیں وہ بہت مختصر ہیں۔ میری کہتے ہیں کہ انہوں نے انہوں نے انہوں نے

مختل ہے دراصل غالب کا زیادہ تر میدان قصیدہ اور غزل ہے۔ اگرچہ اس کی مثنوی بھی بعض خصوصیت کی حامل ہے لیکن اٹھائی، بھر حال اس پر فوجیت حاصل ہے۔

مرزا کے فنی اشعار میں بیشتر مقلدیت پر مشتمل ہیں۔ یہاں پہلا یہ بات ہے کہ وہ کسی استاد کی طوٹ گئی اور دلدرداری کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ مری جگہ اسے اپنے مقلد میں چلا کر پہنچا ہے۔ مقلد کے طور پر قصوری سے اسے جو حقیت تھی اور جس طعن اس نے اس سے کسب فیض کیا ہے اس کا وہ جگہ جگہ اعتراف کرتا ہے۔

۱۔ نظم و سحر مودتا قصوری زندہ ام غالب

رنگ بھن کرنا ام شیرازہ اور اوق کنگشاں را

دلدرداری قصوری بال غالب بحث پیوست

دور غنچہ دور غنچہ جلد نہ دکانوں سے

اور مثنوی "ہم مختلف" میں ایک جگہ لکھا ہے:

دماں از کف کسہ چو نہ رہا

غالب و عرفی و نظیری را

خاصہ رواج دورانی معنی را

مکن قصوری بہمان معنی را

آنگہ از سر طراری غنچہ

آسمان سست ہے نام طعلی

طرز ادبیہ تقلید دوست

در تن لفظ بھن وسیعہ دوست

پشت معنی قوی زبانیں

خند و فزونی زبانیں

اور سارا اردو پیش قصوریت دور غنچہ

لیکن جب نعل چ آتا ہے تو طو کو اس کا ہم چہ قرار دیتا تو کہتا ہے کہ وہ جگہ میں نے قصوری سے لیا ہے وہ مجھ سے دائیں کے ملتا ہے:

غالب : شعر کم از قصوری کم وے

عادل : حق دس دیا نوال کو

طاہر ہم دمن آنچہ از قصوری یا ختم غالب

اگر ہلو جاپان دس دس داسی پاشت

نظیری کو جس کی جہی میں غزل کہ کہ وہ قدم سے قوف اور فکر کے لئے پہلے جذبات کا اعتراف کرتا تو یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس کا

وہیں کہ کر پھر دیکھو:

وہیں لاکھ کہ چوڑا ہوا طالب دعویٰ و نظیری را

دوسری جگہ وہ خود سے کتر رہے کا شمار رکھتا اور کہتا ہے کہ میں شعریں نظیری کو کچھ سے کیا نسبت اپنی نظیر تو میں طاری ہوں

مختلہ زنگہ سولان آگری چ کی

ہاں بھلی سود قسم زلفیں گوار

کون تو شکی و من منیا گوشل فضل

کراشتہ دور نظیری وعدہ آکر شد

ہ فی شعرچہ نسبت ہ من نظیری را

نظیر کو ہ من ہم سلم مختلہ کوئے

اسی طرح معنی طالب کے بارے میں بھی اس کا یہی دہرہ ہے اگر ایک جگہ یہ کہتا ہے کہ:

سجہ نام مان و در غم سل منگیو

جہ شوق و جہل صدی طایں منست

چاہے معنی در قدر شوقی و غم

دلی و آثار شیراز و صفت منست

اسی دہروں کے بارے میں کہہ کر دیکھو کہی اور گوار بچے ہیں تو دوسری جگہ اس پر اپنی برتری میں طریخی جہاں ہے:

ہوشت ہشت طالب و من دست دست ام

معنی کیست ایک نہ ہاں من دہیں چہ ہشت

وہی کوئی شمار ہے تو اس لیکن میرے جیسا نہیں میں ہر بحث کی کیا ضرورت ہے؟

درفش علی دم حویں از معنی طالب

ایک کہ فاسد کہ بر من شد مثال

دشمنی میں ہوا معنی طالب کا کیا ذکر یہ تو ایک خاص کہتے ہیں جو کچھ یہ اتنی ہے

من کیم و گھن بکل انصاف و دم را

ی ہیں در گنج عروج کشوں طو مشکل

ہدایت لہوں جس گرم چہ دھ

نہو د دلی ہوا و حزن ہاں

یہ قصہ کہی لو کی یا انجیسے کی بات نہیں ہے تو یہ ہر معیار میں ہمیں یہ اقتدار نظر آئے گا اس کا زیادہ تر سبب یہ ہے

کہ جب ایک شاعر متعلق غنی کا آثار کرتا ہے تو اسے ضرور شعرا میں خود کوئی نہ کسی باتے شمار سے جڑ ہوتا ہے اور حتیٰ امکان

کو حاصل کرتا ہے اس کی جہی کہے لیکن یہی سبب وہ اپنی طراوت و افادت اور استعداد کے سبب مت اگلے نکل جاتا ہے تو

میں شمار سے بچا معلوم ہوتا نکلتا ہے اور یہ ایک قدرتی امر ہے۔ ہر شاعر خوب میں اپنی ہی طبعیت میں ہی کہ ایک جہی کرنے والا ہے

چوٹی کے جانے والے سے اس قدر چھ گیا کہ موٹر فزکس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکتی تھی ہم چٹل کے طور پر غروب کرنی اور غروب  
معلق کا ہم لے سکتے ہیں۔ معلق شروع شروع میں غروب سے بہت متاثر تھا اس کا اس نے نہ صرف شعبوں میں اعتبار کیا بلکہ غروب کی کئی  
ایک فزکس کے حساب میں فزکس بھی نہیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے:

استو فزکس سے بہت چٹل ہر کس کا

دارو فزکس معلق طرز و روشی غروب

لیکن کتنے لوگ ہیں جو غروب کے ہم سے واقف ہیں۔ اس کے برعکس آج تمام دنیا میں معلق کا طوطی بولتا ہے۔ اگر غروب نے نہیں  
بعض مسائل کی چوٹی کا ذکر کر کہیں اس سے اپنی برابری یا برتری کا تذکرہ کیا ہے تو اس کے بارے میں چوں کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اول  
فزار قسم کے اعتبار اس وقت کے ہیں جب اس نے معلق تھی کا تذکرہ کیا اور موٹر فزکس معلق اس حد کے ہیں جب وہ اپنے مقام سے  
پاری طرز اٹھ ہو چکا تھا۔

ایسے فزکس معلق کے علاوہ جن میں اس نے بعض مسائل، قدیم کا تذکرہ کیا ہے اور اس کا تذکرہ کیا ہے اس کے بیشتر قطعی کے اعتبار وہ ہیں جن  
میں وہ فزکس میں اپنی طرز کا اعتبار براہ راست اعتراف کرتا ہے۔ اس کے ایسے اعتبار میں بھی ایک خاص معلق ہے اور وہ معلق جان  
کی ہم معلق ہیں۔ کئی ایک اعتبار ایسے ہیں جن میں چھوٹی اور فزکس سے بہت دور کتب لکھی ہیں اور صحیحی کا اعتراف بھی ہے۔

معلق ایک جگہ لکھا ہے کہ میں ایک ایسا سرا معلق اور کچھ جگہ شاعر ہیں۔ میں نے معلق کے جسم میں دورا چھوٹ دی ہے اور وہ جو  
کتنے ہیں کہ دنیا میں معلق وہ نہیں ہے تو یہ لکھا ہے اس لئے کہ جب اس میں غروب جیسا ہر دن ہے تو ظاہر ہے اس میں سب معلق و  
چٹل ہو رہے ہیں۔ معلق تو ہر معلق اس کا لکھنے نے زبان دی ہے معلق کہ لکھنے میں ہر کس گرم لکھنے کا ہے وہ کئی اور کو صیغہ نہیں

۶۱۱

ہر دانا معلق میں شاعر چٹل جان

کہ دھن کا لہر معلق جانے دارو

دھن ہا کہ لکھن کورو تو پانے میں

تکڑی پانے کہ گھوٹوں دوری دارو

دھن کچھ دارو معلق معلق و دارو

ہر دارو کہ چ غروب ہر دانا دارو

فزکس تو چوٹی جگہ فیصلی بہت

کہ ہر لکھنے پانے میں شاعر لکھنے دارو

ہم گرمی کہ میں معلق ہر کس نہ دارو

معلق معلق معلق ہر کہ لکھنے دارو

مست دارو فزکس کچھ کتب بہت

چٹل تو گھوٹ چٹل فیصلی دارو



یہ جیتی و سلی اولیٰ جس کرم  
 ہاں مہی وہاں کھائیں بیٹھا  
 پتہ دست پہ از کار خود دست برآسم  
 از جہاں خوردن سب جو کھانا  
 پتہ نعل رگہ از گدا بہر حق  
 تو ہم ہمہ در اسے خودی پکھانا  
 ہر وجہ کر کم و نہاں ہوا وہ  
 ہمہ ازاد کردہ کرشمہ عالم بنا

وہ اس ضمن میں غالب کے صرف ناری کام کو چنی ٹھکانا کیا ہے۔

وہ شعرا کے جلد سوم ۷۷ صفحہ ۱۸۵۔

یہ درجہ امین اشعار و احوال جلد اول ۱۱۱۱ صفحہ ۱۱۱۱

یہ لکھنؤ از جلد صفحہ ۱۱۱۱ صفحہ ۱۱۱۱

یہ کلیات ناری کے آخر میں اس نے دو تحریک تحریریں لکھی ہیں اس میں اگلی دو سب سے شعرا کے ساتھ غزلی کے اس فیض کا ذکر کیا ہے

یہ ادا جلد اول کلیات غالب صفحہ ۱۱۱۱ صفحہ ۱۱۱۱

وہ ۱۸۵۷ء میں ان قدیم کا ایک نوادہ اس نے شہاک جیسے عالم بادشاہ کے خلاف بغاوت کر کے اسے مہاراجا اور فرودوں کو اس کی جگہ تخت پر

بٹھایا۔ (اشعار غزلی صفحہ ۱۱۱۱)







توانہ ہو گی۔ سرگرمی کی وسعت و پختہ ہو گی۔ فائز ائمہ گنبد مسجدوں کے داخلے چلتے ہیں اور بندوں کی رنج زمیںوں کی جھنڈیوں کے پرچم لڑاتے ہیں۔ ایک شیر لود اور بلی تین بندہ پیدا ہوا ہے۔ مملکت چلنا اچھا پڑا ہے۔ فیض ائمہ خان گلشن کی حوالی ہے ہر گھنٹے ہیں جن کو عوام نگہبازی کھتے ہیں انھیں یاد آ کر ایک ایک کی ٹیڈا اعلیٰ گھنٹ سے لہند بجا دیں تو اسے بند نہ لیا دلی اور ہر شمر کے بندہ۔

آپ نے دیکھا ہو انھیں موسم کے حال سے شہر ہوا تھا کہیں تک پہنچا شری زندگی کا بد ہوا تھا اس میں ہر طور بندہ کا استعداد پورے انھیں میں کس جا کی گت ہے زندگی کی درہی سولہوں پنج زمیںوں اور گنبدوں کا ڈسے پلا سیر کی شمولی میں ہے مضامین کہیں کہیں دگوں سے ظاہر ہوئے ہیں اور غلواد غالب میں فن کی کیا ذمیت ہے۔

اب آئیے اس چیز کی طرف متوجہ ہوں۔ ہم طرز غالب کا نام دیتے ہیں غلواد غالب پر مضامین لکھتے والے صاحب و کوپ اڑا دینے کے بعد تو کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں ہمیں میں ہوتی "موشوں" کا مضمون ہے سنی آرائش سے تغیر کرتے ہیں مگر کیا یہ سلسلہ چلا سکتا ہے۔ کیا تجربے اسلوب کا تدریجی زندگی کی لوشن سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ کیا آرائش کا مضمون صرف جاری قسم تجربی میں ہے یا اس آرائش کا مضمون کی آرائش مسجدوں اور دیگر عبادت کی شکل گری اور فنون کی دیگر مضامین سے کوئی تعلق نہیں۔ دوشیں بارش میں بھی ہوتی ہیں اور تجربی میں بھی کیا ان سب چیزوں کا عینیت مجموعی اسلامی فنون کی مختلف جنوں سے کوئی تعلق نہیں بنایا رہے صاحب و کوپ تو کیا اس کا تعلق بھی ایک خاص طرح کی تدریج درجہ بندی سے نہیں آیا کیا یہ صاحب و کوپ پر ظاہر نہیں کہ اس تدریج دانستہ میں کس کا کیا حکم ہے۔ حفظ مراتب کا اصول وہی پیدا ہوا گا جہاں مراتب وجود کا کوئی بنیادی تصور موجود ہو۔ صاحب ایسا معاشرہ جس کے افراد کا اصول "تو کن" ہو گا۔ وہ حفظ مراتب کو کیا پہچان سکتا ہے صاحب کی جہت کا تو کن کرتے ہوئے ہم نے یہ فرض کر لیا کہ وہ راجی تدریب سے گئے ہوئے فن کار تھے۔ ملاحظہ غالب کی طرز بندہ کی اصل لہجہ اسی تدریج میں منظر میں ابھار ہوئی ہے۔ صاحب نے سولہی فنون اور کے نام ایک خط میں لکھا۔

"..... کہیں اتنی بھی تحریف کی ہو میں اپنے آپ کو اس کے فائق نہیں پاتا ہوں۔ ہر مگر لکھا

میں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ محنت جانی قلیل یہ ہے کہ مسخوری

گزشتہ کا طرز عباس اور فن ناؤک خیالوں کا جوہر ہوں اور مہمہا فیاض سے مجھ کو فن کی تقلید

میں پادہ تحقیقی بنا ہے اور میں صاحب طرز بندہ ہوں۔"

اس جملوں کو دیکھ کر لکھنا کہ میں یا نہ کہ اور نہیں لدا "مسخوری گزشتہ کا طرز عباس" ان ناؤک خیالوں کا جوہر "اور" عقید میں پادہ تحقیقی" کو پہلی نظر بھی خود کو صاحب طرز بندہ اسی میں منظر میں قرار دیا گیا ہے۔ "تقلید" کی اصطلاح آج دستور علی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتی ہے مگر وہ اتنی معاشرہ میں اس کا مضمون یہ کہ اور ہے۔ صاحب کے بارے میں اوسے حق اور فکر چلتے ہیں کہ وہ لدا لکھتے سے کتنی دلچسپی دیکھتے تھے۔ مولانا احتیاج علی حوالی نے تو کمال محنت سے "فانوں" بنائی اور قسم تک کی تحصیل فراہم کر دی ہے۔ اس کے فنون میں جب جب ناؤک کے قصہ کا بھی تذکرہ ہے۔ اور امتیاز "ہر گت لکھتے تک کا ذکر آتا ہے ہر مختلف فنون نے یہ بھی دکھایا ہے کہ غالب کی شعری میں بھی "مکتوب" نام حالات میں سے ہیں۔ پروفیسر جی بی بی نے اپنی مختصر انگریزی تصنیف SPARKS OF DANCE OF کے ایک مضمون میں غالب کی شاعری میں فطامہ یا تجربے سے وجہ حالات کا بہت اچھا جائزہ لایا ہے مگر ان چیزوں کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ صاحب مکتوب نگاری کی رائج روشوں کی قدرہ نسبت کے بھی ہر شخص تھے۔ لہذا میں مکتوب نگاری شعری کرنے سے پہلے "مکتوب نگاری" میں مکتوب نگاری کے صاحب و کوپ اور مکتوب میں صاحب جلی فطامہ کے موضوع پر تفصیل سے لکھ چکے تھے مگر یہ وہ اسے فراہمی چیز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تو صاحب و کوپ دلچسپ کوئی رعایت دینی کو مکتوب ناؤک لکھتا ہوں مگر





سردار و حاکم و مجاهد و شاعر

دولان غالب بصورت ششمین غالب از روی

در آن دوران  
و در آن زمان

---

دیوانِ غالب

”اردو“

---

تھیں: لہذا ہی ہے کہ کی شادی نہیں کا  
 کھڑی ہے۔ وہ بھی ہر جگہ قصوں کا  
 کہ کچھ ملت جاتی ہے، عقلی نہ رہے  
 صبح کا شام ۲ ہا ہے، ہوتے شیر کا  
 جذبہ ہے، اختیار، عشق رکھا جانے  
 جیہ، عشیر سے ہار ہے دم عشیر کا  
 آگئی، دایم شہیدوں میں قدر جانے بچانے  
 دیا تھا ہے اپنے عالم تھیں کا  
 بس کہ ہوں غائب، ایسی میں بھی آتلی رہا  
 سوئے آتلی رہا ہے جگہ میں دلچر کا

براستہ قدر، طبع اسٹیل، دار بکر چہ  
 مہرک ہر اسد! غلام ہیں درد سے کیا

برائیں، نور کئی نہ آتا ہوتے ہر  
 صرا کر ہے، چلی، چیم، صود، قہ  
 آتش لے تھیں، سہا، کیا دوست  
 ظاہر ہوا کہ دار کا سہا، قدر کا  
 قہ غلب میں خیال کہ تھ سے سہا  
 وہ آگہ کس کی، نہ زباں قہ نہ سہ کا  
 لیتا ہوں کتبہ، فح میں حق ہر  
 جہن ہی کہ "رفت" کیا اور "ہند" کا  
 دھنپا کس نے، دار کا، صوبہ، "رہی  
 میں، درد ہر لہاس میں کتبہ، درد کا  
 چنے، ظہر سر نہ سہا کو کئی، اسد  
 مرگتے، قلم، رسوم، دلچہ کا

کچھ ہو: منہ میں کے ہم، دل آکر چاہتا  
 دل کس کہ ہم کیجئے، ہم نے دعا  
 عشق سے طبع نے زبہ کا سزا  
 درد کی جا پائی، درد ہے دعا  
 دوست دابر دشمن ہے، احقر دل معلوم  
 کہ ہے اثر دیکھیں، ہر ہرما  
 سلی و ہکاری، ہے لہری و ہکاری  
 صبر کو فاصل میں جرات آتا  
 فہم ہر کا کچھ، آج ہم نے اپنا  
 غول کیا ہوا، رکھا، ہم کیا ہوا  
 بل، دل نہیں معلوم، جیسے اس قدر، یہی  
 ہم نے ہوا، اسد، تم نے ہوا  
 خوب ہر باج نے، دم، ہر کب  
 آپ سے کئی پڑھ، تم نے کیا سزا

دل سزا سب دل سے ہے، عیا، جہل کیا  
 آتلی، جوش کے ہند، کیا جہل کیا  
 دل میں فانی، دمل، ہر بار، کب جانی نہیں  
 آپ اس گھر میں گی لئی کہ ہر قہا جہل کیا  
 میں ہم سے بھی بہت ہوں درد، فانی، ہوا  
 جی تو آگئی سے ہار، عیا، جہل کیا  
 عرض کیجئے، ہم لڑنے کی گری کس  
 کہ خیال کیا قہ، دھند، کا کہ صرا جہل کیا  
 دل میں تھ کو دکھا، درد، دھنوں کی ہار  
 اس پڑھ لا کس کیا، کس قہا جہل کیا  
 میں ہوں نور، اسد، کی کس، عیا، کہ دل  
 دیکھ کہ طرز، چاکر، قلم، عیا، جہل کیا



۴

سلا دینی خلق و پاکیزہ ملت  
 مہلت بتی کی کرتا ہوں اور انوس حاصل کا  
 بقدرِ ظرف ہے ساقیِ خمر کھنڈ بھی بھی  
 جو تو دوسرے سے ہے تو میں ٹیپا ہوں ساحل کا

۳

عزمِ صبی ہے تو ہی لہلہ راز کا  
 ہوا دہرہ جہ جہ ہے پہاڑ ہے سار کا  
 رنگِ گلشن کج بلبِ گلہاں ہے  
 یہ دقت ہے سنگسارِ گلہاں ہے راز کا  
 تو اور سے لیرِ فکر پائے بحرِ حیرا  
 میں اور دکھ قری حوا پائے دوار کا  
 صرف ہے خلیجِ آہ میں میرا دگرہ میں  
 طوفانِ ایک ہی طوفانِ پہاڑ کا  
 ہیں ایک دہلیزِ یاد سے چٹے اچھل رہے  
 ہر گوشہٴ بدلا ہے سرِ شیشہ راز کا  
 کوشِ کارل کہے ہے کھٹاکہ ہے ہزار  
 پائوں پہ قرض اس گمراہِ نیم راز کا  
 تکرارِ کوشِ نیم جہاں ہوا اسد  
 سجدہ کہ تھا دینے مگر پائے راز کا

۴

ہم شہد میں اتحاد کا دھڑکا  
 دیکھ داریا یہ وہ کچھ گور کا  
 شبِ بھائی ہر دہمِ دشمن کا سحر کا  
 اس شگ سے کہ گویا جت کہے کا وہ کا

نہ کئی طرح کئی طرح سے ہیں کہ  
 لیا دھن میں جو کچھ ہوا دینے نہیں کا  
 دکھوں کا کھانا دہی اگر فرصت نہ لے  
 برا ہر دہلیزِ اک قحط ہے سوچا نہیں کا  
 کیا کچھ کھانے کا وہ کھنڈ تیرے جلے نے  
 کہے کہ تو فریادِ عالمِ شہسختی کا  
 مری جہیز میں سفر ہے اک صورتِ غریبی کی  
 پہلی بتی قوس کا ہے طوفانِ گرم دھن کا  
 وہ ہے گھر میں ہر سہ سہرا دہلیزِ تھاکر  
 دوارِ اب کھوئے پگھلاں کے ہے میرے دیوں کا  
 لہوئی میں لہن خون کھنڈ لاکھوں آمدنی ہیں  
 چارچہ وہ ہوں میں ہے دہلیزِ گورِ نہیں کا  
 ہزار اک ہزار کھنڈِ خلیجِ یاد دہلیزِ ہے  
 دہلیزِ شہد گویا تھا ہے ہفت کے زہری کا  
 پھل میں خبر کی آج آپ سوتے ہیں کس دہرہ  
 سب کیا خواب میں اگر جسمِ باسچ پھل کا  
 میں سلیم کس کس کا کور پائی ہوا ہر کا  
 قحط ہے سرک کھنڈ ہوا میری دھن کا  
 فکر میں ہے بھری چنڈ راز کا غالب  
 کہ یہ شیراز ہے عالم کے اترے پھل کا

۵

نہ ہو گا یک پہلی بھگی سے لائق کم میرا  
 جہیزِ سوچہ دوار ہے کھنڈِ قحط میرا  
 مہلت قحطی میں سے لگیں اب یہ ہے حافی ہے  
 سحرِ سورج پائے گل سے جاک میں آتا ہے دم میرا







تو سے دوسرے ہے ہے ہم تو یہ جان بھرت ہوتا  
 کہ خوشی سے مراد ہوتا ہے فکر اختیار ہونا  
 تیری بھائی سے ہوتا ہے، بخدا خدا خدا ہوتا  
 بھی تو نہ تو اسکا فکر اختیار ہوتا  
 کوئی میرے دل سے پہلے تو سے جبرائیل کی کو  
 یہ نقل کیں سے ہوتی ہے جگر کے پار ہوتا  
 یہ کمال کی دعا ہے کہ چہ ہیں دست داغ  
 کوئی پہلو سا ہوتا کوئی فلم کمال ہوتا  
 رگ تنک سے چلتا وہ لو کہ ہمارے ہوتا  
 سے فلم کچھ دے ہے ہوتا ہے اگر شرار ہوتا  
 فلم اگرچہ جان نہیں ہے یہ کمال بھی کہ دل ہے  
 فلم خلق کر دے ہوتا فلم روزگار ہوتا  
 کون کس سے میں کہ کیا ہے شبہ فلم ہی ہوتا ہے  
 کچھ کیا برا خدا ہوتا اگر ایک پار ہوتا  
 ہوتے ہوئے ہم جو رہا ہوتے ہیں نہ فرق ہوتا  
 نہ بھی جانا ہوتا نہ کسی غور ہوتا  
 اسے کون دیکھ سکتا کہ چلتا ہے وہ چلتا  
 وہ ہوتی کی ہو بھی ہوتی تو کیوں وہاں ہوتا  
 یہ سانگہ قصوف " یہ ترا جان غالب  
 تجھے ہم دل کھینچے ہو نہ وہاں غور ہوتا

ہوں کہ ہے فکر کار کیا کیا  
 نہ ہو رہا تو جیسے کا حوا کیا  
 خیال بھیجی سے دعا کیا  
 کمال تک اسے سلا ہوا کیا کیا  
 نوازل اپنے ہوا دیکھا میں  
 طاقت اپنے رکھیں کا کھا کیا  
 کھ ہے کھا کھا ہوتا میں  
 خیال اپنے نہ سیکر کھا کیا

قربان شہر میں ایک عرس ہے  
 ہوں کہ ہوں ہوں ہوں ہوں  
 عرس میں ہوتا ہے عرس ہوتا ہے  
 خیال اپنے سنی کا کھا کیا  
 دیکھ کھ کھ کھ کھ کھ  
 فکر کھ کھ کھ کھ کھ  
 دل اور قند ہے ہوتا ہوتا  
 ہم اس کے چہا ہوتا ہوتا  
 کھا کیا ہے میں خاص ہوتا  
 شہر کھ کا کھ کھ کھ کھ  
 یہ اسے قدرت کھ کھ کھ کھ  
 کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ  
 کیا کس نے ہر دلی کا دعویٰ  
 کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ  
 یہ کھ کھ کھ کھ کھ کھ  
 ہوتا ہوتا ہے غالب اس کی ہوتا  
 ہوتا کھ کھ کھ کھ کھ کھ

درویش کو غصہ بہ کوئی ہم سا نہ ہوتا  
 ہر کھ کھا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوتا  
 بھائی میں میں وہ کھ کھ کھ کھ کھ  
 لکھ ہر کھ کھ کھ کھ کھ کھ  
 سب کو خیال ہے دعویٰ تری بیکٹی کا  
 دھند کوئی ہوتا کھ کھ کھ کھ  
 کم نہیں ہوتا ہم کھ کھ کھ کھ  
 ہوتا ہوتا ہوتا ہوتا ہوتا  
 چہ کا دل ہے وہ ہوتا کہ سب کھ کھ

نہ سے ملے کہ لگا کر 'عالم' غالب ظہر کہ وہ  
کہ صورت کیا ہوں عرضِ ستم ہائے بدلتی

۲۶

گر نہ حدودِ شبِ فرقت چلی ہو جانے کا  
بے غلغلا دلِ سر ' سر چلی ہو جانے کا  
دہو کر بیا بی شامِ ہر شبی ہو جانے کا  
نہ قر مجبورِ بلی غافل ہو جانے کا  
لے آجوں سوئے میں اس کے پاؤں کا سر کر  
لگی جوں سے وہ کالر ہانگی ہو جانے کا  
دل کو ہم ترسوا رہا کہجے تھے کیا مضمون تھا  
یہی یہ پہلے ہی گذر آجوں ہو جانے کا  
سب کے دل میں ہے جگہ جی ہو تو راضی ہوا  
تھ پہ ' کلا' اک زندہ مہلوں ہو جانے کا  
مر ظہر گرم فریادی تعلیمِ حیا  
شہرِ شمس میں چھ خوں رنگ میں لگی ہو جانے کا  
بارج میں تھ کہ نہ لے ہا' دہن میرے دل  
ہر ٹکڑے ایک چمڑے خوں خوں ہو جانے کا  
دائے گر ہوا ترا نصفِ عمر میں نہ ہو  
اب تک تو یہ توقع ہے کہ وہی ہو جانے کا  
قائد کیا سوچ آ کر تو بھی رہا ہے امید  
دستی جوں کی ہے تی کا لیاں ہو جانے کا

۲۷

وہ سنت کمرِ ہوا نہ ہوا  
میں نہ اچھا ہوا نہ بڑا نہ ہوا  
جمع کرتے ہو کیوں دیکھوں کہ  
اک کتاب ہوا رنگ نہ ہوا  
ہم کیوں قسمتِ آئینے پائیں؟  
تو ہی جب گزر آتا نہ ہوا

خاک کا دلق ہے وہ قفلہ کہ دہا نہ ہوا  
یام کا میرے ہے ہو دکھ کہ کسی کو نہ ہوا  
کیم میں میرے ہے ہو فتنہ کہ ہوا نہ ہوا  
ہوئی کوسے دم 'اکر' نہ کچھ توبہ  
عمر کا قصہ ہوا 'مخلق' کا چہا نہ ہوا  
قلعے میں دہر دکھائی نہ وہ لور جود میں کئی  
کھیل لڑکوں کا ہوا 'دھڑ' چٹا نہ ہوا  
حقِ فر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرانے  
دیکھتے ہم بھی گئے تھے 'پ' کتاب نہ ہوا

۲۸

امد ہم وہ جوں جوں گراتے ہے مہیا ہیں  
کہ ہے سر بیخِ درختِ آہِ یکسرِ غدا لہا

۲۹

بچہ گذر گرم خند ہے شرمِ پارسی کا  
جوں خلیفہ سود رنگِ دعویٰ پارسی کا  
نہ ہو صبحِ کتابت دوست رہا ہے دلق کا  
یہ سر سودِ فکرِ طہیت ہے دعویٰ پارسی کا  
دکترِ حسن دے لے طوطہِ دیش کہ سر آما  
چراغِ جلا 'دیش' ہو 'کسر' کوئی کا  
نہ مارا ہوں کہے ہر دم غافل تھی گھٹ  
ما ہاتھ خونِ ہے کسر حقِ بھائی کا  
قنداقے لگی گھوٹاں ہے لہی ہے  
وہ جس سے لکھا فکروں ہے دست و پائی کا  
وہی اک بات ہے جوں جس وہی کسرِ گل ہے  
ہاں کا جلا 'بات' ہے مری رنگیں لولی کا  
دکترِ بہتر چلا 'جو' زلفِ روسی کا  
ہر دم تک ہے وہ چہا ہے تھی ہے دلق کا



۳۲

مگر طراوت نہ دیتے تھے تو وہی ہوتا  
 ہے کرکڑ نہ ہوتا تو چلیں ہوتا  
 غلیں دل کا گھر کیا ہے وہ کار دل ہے  
 کہ اگر تک نہ ہوتا تو پتلیں ہوتا  
 بھیک مر دہا ہا تو رہا ہا  
 کھلیا رضوں کی دیوار کا وہی ہوتا

۳۳

نہ تھا بکھڑا تو خدا کا بکھڑا نہ ہوتا تو خدا ہوتا  
 ڈھکا بکھڑا کو ہونے لے نہ ہوتا تھی تو کیا ہوتا  
 ہوا جب تم سے ہیں ہے جس تو تم کیا سرکے گلے کا  
 نہ ہوتا کہلاتی ہے تو زار و دھوا ہوتا  
 ہوئی دست کہ غالب مر گیا پکار آتا ہے  
 وہ بھیک ہاتھ پہ کنا کہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

۳۴

یک دنہ لکھی نہیں ہے کہ ہلاک کا  
 ہاں چلو بکھی قلیل ہے لے کے دل کا  
 ہے سے کے ہے مخلص مخلص آگیا  
 کھینچا ہے ہر دوسلے لے لے لایا کا  
 اہل کے گھبراہٹ پہ ہیں غم ہائے گل  
 کہتے ہیں جس کو خلق خلق ہے دلا کا  
 گنا نہیں ہے نیکو فکر حق مجھے  
 نہائی قسم ہوں مگر ہلاک کا  
 ہر دیکھ خلق سے آواز ہم سے  
 ہر کیا کریں کہ دل ہی حد ہے لڑا کا

۳۵

۱۔ غلیں دل ہے غم میں سوچ کر ہلاک  
 ۲۔ ہے کدہ غالب ہے نئے کے سوانہ کا  
 ۳۔ ہلاک غلہ ہلاک ہلاک ہلاک  
 ۴۔ ہلاک ہلاک تم کدہ کس کے دلاک

۱۔ سر غلیں جہیں سے تم نہیں سما  
 ۲۔ راز کھپ ہے راجی غلیں سما  
 ۳۔ یک لک غلیں نہیں مخلص آگیا ہوا  
 ۴۔ چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ نہیں سما  
 ۵۔ شہر اسباب گرفتاری خاطر سے ہوا  
 ۶۔ اس قدر تک ہوا دل کہ میں دلاک سما  
 ۷۔ بدگلی نے نہ ہوا لے لے مرگم غم  
 ۸۔ دلاک ہے ہر غم غم دلاک ہوا سما  
 ۹۔ لڑ سے لپٹ یہ ہلاک کہ وہ دلاک ہوا  
 ۱۰۔ ہلاک جس سے تیل شہر دلاک سما  
 ۱۱۔ سر خلق میں کی خلق نے دست غلی  
 ۱۲۔ ہر قدم علیہ کو میں لپٹ جہیں سما  
 ۱۳۔ ہلاک کریں دلاک ہاں سے دل آ دم مرگ  
 ۱۴۔ دلاک بیکار تھا اس قدر آمل سما  
 ۱۵۔ دل دلاک کے کھلا اس کو دلاک ہوا  
 ۱۶۔ غلی کی کہ نہ کار کو سلاک سما

۳۶

۱۔ ہر مجھے دلاک نہ ہوا آکا  
 ۲۔ دل ہر کدہ قیاد آکا  
 ۳۔ دم لایا کا نہ قیامت لے ہوا  
 ۴۔ ہر دلاک دلاک سر ہوا آکا  
 ۵۔ دلاک ہاں سے قیاد





ہاں در ہوائے یک فکر گرم ہے سرد  
پہلو ہے دیکھ کر سے دارِ غم کا

۳۷

خود سے دارِ گم ہے دارِ آہ کا  
کئے ہیں جسمِ تھک کو حد دکھائیں کیا  
رہت ہیں گردش میں ہیں سلسلہ آہیں  
ہو رہے گا کہ نہ کہ گمراہی کیا  
راگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں گلا  
بب نہ ہو کہ گئی تو دھوا گمانی کیا  
ہو لے گئے ہیں ہر کے ساتھ ساتھ؟  
درب اپنے گلا کو ہم پہنائیں کیا  
سوزِ غم سے گردی گئی نہ ہائے  
آہیں دار سے اٹھ جائیں کیا؟  
رہ رہ دکھا کیا مرنے کی راہ  
مر گئے ہیں دیکھ دکھائیں کیا  
پہنچے ہیں وہ کہ "قالب کون ہے؟"  
کوئی گلا کہ ہم دکھائیں کیا؟

۳۸

حالات ہے مختلف جادو بڑا کر نہیں گئی  
جہی زگار ہے آئینہ دارِ بیداری کا  
جہل جہل ہوا نہیں خود داری حاصل  
جہل ساقی ہو تو ہاں ہے دہائی ہونیدی کا

۳۹

حیرتِ قلندر ہے دہائی کا ہوا  
درد کا حد سے گزرا ہے دہائی کا

ہے وہ کہیں بہت پہنچے جسمِ نیر میں پار؟  
آج ہی ہوا حضور! میں کو اچھل گیا  
حشر اک باندی ہے اور ہم نہ سمجھتے  
عرش سے نوحہ ہوا آگے نہیں لپکا  
وہ وہ جس قدر دلت ہم اُسی میں چلے گئے  
پاسے آگیا گلا! میں کا پاسوں لپکا  
درد دل کھول کب تک چلوں تو دکھا دل  
انکھیں زگار اپنی! غم غریبوں لپکا  
سمجھتے سمجھتے مت ہانا! آپ نے صدمہ دار  
تھپ تھپ سے صدمہ سمجھ آہیں لپکا  
تارے نہ فدا کر لیا ہے دشمن کو  
"دست کی طاقت میں ہم نے ہم دیا لپکا  
ہم کہیں کے رونا ہے کس جہر میں پکا ہے  
ہے سب ہوا۔ قالب دشمن آہیں لپکا

۴۵

مردہ ملک فکر میں مری قیامت ہے  
کہ رہے چشمِ غم کو پہ آہیں میرا  
رضیتِ غم مجھے دے کہ ہذا عالم  
جسے پہرے سے ہو ظاہر فکرِ بیک میرا

۴۶

ناخن پہ دھمک دارِ خود کرا ہے دردِ یاس  
ہے شاد بہا نہیں غم کیلے کا  
جسمِ نوحہ سے چلے گلا نہ دیکھ کہ رنگ  
صدمہ دھمک جنت ہے اس نام گم کا  
دھت آکر قبول کرے کیا ہو ہے  
شروعی سے طرد نہ کرنا گم کا  
حقل کو کس گلا سے ہانا ہوں میں کہ ہے  
ج گئی جیلور دلم سے جاسی گم کا



تھ ہے یہ رشتہ وہ موسم کہ چھپ گیا ہے اگر  
 صبح اچھی کو کہے ٹھیک ہوا صبح شراب  
 ہر صبح اچھی ہے طبعاً طرب سے ہر  
 صبح ٹکی صبح شفق صبح سیا صبح شراب  
 جس قدر صبح نکلتا ہے ہر گھنٹہ  
 دے ہے نکلتا یہ دم آہو ہا صبح شراب  
 بلکہ دھڑے ہے رگ ملک میں طرب ہو کہ  
 شہر رگ سے ہے ہل نکلتا صبح شراب  
 صبح گل سے چلتا ہے گزہ بھر شیل  
 ہے قصور میں رہیں بلو نا صبح شراب  
 شے کے پردے میں ہے تو نکلتا صبح  
 بلکہ رکتی ہے سر لکھنا صبح شراب  
 ایک عالم ہے وہ طوائف کینتہ فصل  
 صبح سب کو تو طیر سے صبح شراب  
 شمع بلکے اچھی ہے نہ موسم گل  
 دھیر صبح ہے دھڑا صبح شراب  
 ہوا لگتے ہیں مرے ہوا گل رگہ لگے  
 ہر ہوا وقت کہ ہو ہل نکلتا صبح شراب

ت

۵۱

شہر کے دھڑے کا کیا رہتی لگتے  
 جن لوگوں کی تھی دھڑلہ صبح رگہ لگتے  
 نکلتی ہے نکلتی تھی چلے کا نہ دنا  
 نکلتی چلے نکلتا کے ہوتے سزا لگتے  
 نکلتا ہوں نکلتا سوزن دل سے گل گرم  
 لڑکے نہ نکلتی کوئی مرے دل ہے لگتے

تھ سے قسمت میں مری صورت گل آہو  
 تھا گھا باند کے بچے ہی ہوا ہو چلا  
 دل ہوا نکلتا چلتا رشتہ میں گرم  
 مت گیا نکلتے میں اس وقتے نکلتا ہو چلا  
 اب چلا سے بھی وہی صوم ہم لگتے لگتے  
 اس قدر دھڑلہ لکھنا دنا ہو چلا  
 صبح سے گھٹے سہل ہے دم سوا ہوا  
 یاد کیا بھی پائی کا ہوا ہو چلا  
 دل سے نکلتا تھی لگتے نکلتی کا لکھنا  
 ہو گیا گھٹے سے نکلتی کا ہوا ہو چلا  
 ہے لگتے لکھنا پیری کا رہی کر نکلتا  
 دھڑے دھڑے لکھنا لکھتے میں نکلتا ہو چلا  
 گھٹے لکھنا گل کو کہے کہے کی ہوں  
 کیوں ہے گزہ ہو نکلتا سیا ہو چلا

ق

ہر گھٹے کے لکھنا ہوتے نکلتے  
 رگہ رشتہ میں ہر گھٹے کا ہو چلا  
 نکلتے ہے لکھنا گل نکلتا نکلتا  
 چلنے کو چلتے ہر رگہ میں دنا ہو چلا

ب

۵۲

ہر ہوا وقت کہ ہو ہل نکلتا صبح شراب  
 دے ہر گھٹے کو طرب دھڑلہ صبح شراب  
 ہر صبح دھڑلہ صبح شفق صبح شراب  
 صبح بلکے میں ہوتی ہے ہوا صبح شراب  
 ہو ہوا فرقہ سے ہوتے رہا نکلتا ہے  
 سر سے گزرتے ہے بھی ہے ہل نکلتا صبح شراب

۵۸

ہا کر کوئی تجھ سے سلامت  
بہر آبِ ندامت ہے صحت سلامت  
بہر کہ سب عشقِ غلابِ شرب  
کھے ہے "تھو لہو صحت سلامت"  
علیٰ ارمِ وطنِ شہید رہا ہوں  
مہارک مہارک سلامت سلامت  
ضیق کر سو رہو اور کبھی سہی  
نہاٹنے نیگہ صورت سلامت

۵۹

مہ جی کھلے ہی کھلے انھیں غائب  
یار لائے مری پلں پہ اسے ہر کس وقت

۶۰

نہ غلام سے جا ہے سو اہِ ہزار دست  
نہ شمع کھنڈ کا شلہ غلہ دھار دست  
اسے ملے شعلہ اندلیں جلیں شعلہ کر  
کون لا سکا ہے کبیر جلاہِ ہزار دست؟  
نہ دہریں سداۓ حیرت نشا کچھ  
مردہر عشقِ قدم ہوں رہتا رہتا دست  
عشق میں بے لعل رنگِ غیر نے مارا کھے  
کویہِ وطن ہوں آخر گریہ کا ہزار دست  
پتھم ہوا دھنیا کہ اس ہے وہ کا دل شد ہے  
یہہ ہوا دل کا ہزار ہزار ہزار دست

۶۱

غیر ہوں کرتا ہے میری پہنل اس کے ہر میں  
ہے شک دست نہ جیتے کوئی تم غلام دست

۶۲

۶۳

کھن میں بدست رنگِ دگر ہے آن  
لہی کا طوقِ حلقہِ حلقہ ۱۱ ہے آن  
آتا ہے ایک پانچ دل پر تھیں کے ساتھ  
نہر غصہ کھنڈ شکار ہے آن  
اسے دھنیا کلا کر کے انعام اہل  
جلاہِ گیت دہا ہزار دہ ہے آن

۶۴

و ہم مریض عشق کے یار دار ہیں  
ایسا اگر نہ ہو "تھو لہو صحت سلامت"

۶۵

عس نہ الجہر کرد سے ہا کھن  
اگر شرب نہیں "تھو لہو صحت سلامت"  
کلی کرچی "سنا" جلاہِ وہ نہ ہا  
رنگہر خد مہر اسے سے غور کھن





جوں کی دھیری کس سے ہو کر ہو نہ مٹی  
 گریں چاک آق ہو گیا ہے مٹی گریں ہے  
 رنگہ رنگہ آفتل لہو رنگہ رنگہ  
 ہزار آئینہ طی ہارے ہے ہار یک پیوٹا ہے  
 لک سے ہم کو چلی رات کا کیا کیا تھا ہے  
 حرا لہو کو گئے ہوئے ہیں قرض راجا ہے  
 ہم دور ہے جب راجا تھا دشمن کو رکنا ہے  
 شعلہ سر سے قسمت لگے کی ختم دوزخ ہے  
 ناک سوہنہ کرحلق ہے اپنی حقیقت کا  
 لوراع طالع خفاک ہے سواک کس ہے  
 اند نکل ہے کس انداز کا جانی سے کتا ہے  
 کہ مستحق ہار کر خون ہو عالم مٹی گریں ہے"

حکم علی مصلحت سے ہیں کہ غویں تھو پہ ماتی ہیں  
 ظلم ہر طرف مل جاتے کا تھو سا رجب آخر

دوم تھا کہ دیکھو برا دھاک کوئی دن دور  
 تھا مجھے کیوں اب رو تھا کوئی دن دور  
 مت جاتے گا سر کر رہا ہزار مجھے کا  
 ہیں دو پہ تیرے بھیہ فرما کوئی دن دور  
 کہے ہوگل دور کج ہی کہتے ہو کہ "مہوں"  
 نا کہ چھ نہیں" اپنا کوئی دن دور  
 جاتے ہوئے کہتے ہو "جہامت کو نہیں گے"  
 کیا خوب ا جہامت کا ہے گویا کوئی دن دور

ہے بلکہ ہر اک فن کے ہاتھ میں نہیں دور  
 کرتے ہیں جہت تو گردنا ہے مٹی دور  
 اب وہ نہ نہ کہے ہیں نہ کہیں کے مٹی پات  
 دے دور دل فن کو ہر دے مجھ کو دہاں دور  
 اور سے ہے کیا میں گھر ہار کو پچھتا  
 ہے تھر مغر مگر ہاں کی ہے مٹی دور  
 تم شرمیں ہو تو میں کیا تم جب انہیں کے  
 لے آئیں گے ہار سے ہار دل و جلی دور  
 ہر چند جب دست ہوئے ہست بھی میں  
 ہم ہیں تو انہی رو میں ہے سنگ گراں دور  
 ہے غویں بگر جوش میں مل کھول کے دوا  
 ہوئے ہو کئی دیکھ غولہ غولہ دور  
 مرا ہوں میں توڑا پہ ہر چند سر لا جاتے  
 ہار کو لگی ہو کے جانیں کہ "مٹی دور"  
 لوگوں کو ہے خوشیہ جلی کپ کا دھوا  
 ہر روز دکھنا ہوں میں اک داغ نکل دور  
 لیتا نہ اگر مل جھیں دیا کوئی دم نہیں  
 کرے ہو نہ مرے کوئی دن تو دفن دور  
 پاتے نہیں جب دوا تو چہ جاتے ہیں تالے  
 دکی ہے مٹی طبع تو ہول ہے دواں دور  
 ہیں اور بھی دیا میں سمجھو ہست ہست  
 کہتے ہیں کہ مکتب کا ہے انداز ہیں دور

مقتلہ جیرہر آئینہ ہے سلطان رنگ آخر  
 قہر آہ دیا ہوا لا پاتا ہے رنگ آخر  
 نہ کی سلطان مٹی ادا نے قہر دھت کی  
 ہوا جام دھواں مٹی لکھ داغ چاک آخر

دل جوں کہتا ہے ، دماغ کہی  
کہ دیکھو کہینہ ، دماغ کہی  
وہ ایک دماغ عاشق ہے ، عجب ہرست  
کلی نہ خاک ہونے ، ہر اے جوں ہر  
نہ پچھو دستہ بھڑا ، جوں عجب  
جوں یہ کہہ گزروں ہے ایک خاک جوں

۷۰

دستہ سنی کرم رنج کہ سرہانہ خاک  
گزرے ہے کلمہ یا لہر کمر باد جوں  
یک قسم کلمہ آمل نہ ہے مظلوم دشت  
فعل پھی ہے صبر گری دلتہ جوں

۷۱

کہیں کہ اس جت سے دکھوں جان جوں  
کیا نہیں ہے مجھے کہیں جوں  
دل سے لگا ہے نہ لگا دل سے  
ہے دے دے دے دے دے دے دے  
کب کہنے کی ہے عجب  
دقت صحت ہے اور جان جوں

۷۲

نہ بھی فکر ہوں نہ پتہ نہ  
میں ہوں اپنی قسمت کی کوا  
نہ اور آدھنی تم آمل  
میں اور غریب اپنے فکر دوا

ہاں اے شہر ہوا جوں تھا بھی طرف  
کیا تھا کوا؟ نہ نہ مرنا کوئی جان جوں  
تم نہ شب یادیم تھے مہر گمر کے  
پھر کہیں نہ دیا گمر کا وہ تھا کوئی جان جوں  
تم کوئی سے تھے اپنے گمر کے دوا  
کرتا تک غموت تھا کوئی جان جوں  
مجھ سے نہیں غموت سنی نہ سے کوئی  
پچوں کا بھی دیکھا نہ تھا کوئی جان جوں  
گداری نہ ہرمل یہ دقت غموت و غموت  
کرتا تھا جوں مرگتا گزرا کوئی جان جوں  
جوں ہو" نہ کہتے ہو کہ" کہیں جیتے ہیں عجب  
قسمت میں ہے مرنے کی تھا کوئی جان جوں

۷۳

۷۴

عراق مجھے نہ جان کہ ہنر کج دمر  
ہے دماغ عشق بھرتہ بھرتہ کچھ جوں  
ہے اور شکیں اور دوست دقت  
ہوں گل فزونی شادی دماغ کچھ جوں  
سے جوں بگر میں میں خاک بھی نہیں  
ظلالہ کیجئے ہے بھرتہ ہے دماغ کچھ جوں

۷۵

درب مطلب مشکل نہیں فکری جوں  
دعا قبول ہو دوا کہ ہر خطر دوا  
نہ ہو ہے ہولہ جوں اور دیم دوا  
جوں کیسے قصور میں ہے شہب و فرا



خیر کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنے لیے صرف ایک دن کے لیے نہیں بلکہ اسے اپنی زندگی کا مقصد بناتا ہے۔

۱۔ پہلے ایک عمر لڑا ہوتے تک  
 نکل جاتا ہے نئی رنگ کے سر ہوتے تک  
 ۲۔ ہم ہر سوئے میں ہے مطلقہ مدد ہم رنگ  
 ۳۔ بھینس کا گھونٹنے ہے نظریہ و عمر ہوتے تک  
 ۴۔ باقی صبر طلب اور قنات ہے لب  
 ۵۔ دل کا کیا رنگ کدوں غبار چتر ہوتے تک  
 ۶۔ ہم نے ہمارے تعلق نہ کہہ گئے تھیں  
 ۷۔ ہمارے ہر بائیں کے ہم تم کو لڑ ہوتے تک  
 ۸۔ ہر فرد سے ہے جنم کو ٹا کی نصیب  
 ۹۔ میں ہی ہوں ایک مصیبت کی نظر ہوتے تک  
 ۱۰۔ ایک نظر جلی میں فرصت ہستی تعلق  
 ۱۱۔ کوئی ہم ہے اک دھبی شہر ہوتے تک  
 ۱۲۔ غم ہستی کا لہرہ کسی سے ہوتا مرگ طالع؟  
 ۱۳۔ دل ہر رنگ میں جلتی ہے عمر ہوتے تک

(c)



۱۲۳۔ کہ قہر کو ہے غیور اہل بیت دعا نہ لگ  
یعنی قہر ایک طرز ہے دعا نہ لگ  
۱۲۴۔ ہے دلی حسرت دل کا شہر بار  
مکہ سے مہر گز کا مطلب ہے خدا نہ لگ

تو سے نہیں ہے دعا حضور کرتی ہے  
 : جہاں رہائی ہو : ہفتی طبع  
 عجیب دماغ علم عشق کی بند نہ ہو  
 فاضل ہے صبر عجب لڑائی طبع  
 چلے ہے رکھ کے اپنے بار ، مجھ کو  
 نہ کہیں سو دل پہ مرے دماغ کا کئی طبع

(9)

ہم رقیب سے نہیں کرتے دلائل ہوائی  
 مجھوں میں غلط ہوئے اسے اختیار چاہ  
 جاتا ہے دل کہ کہیں نہ ہم آگ پر جلی گئے  
 اسے ہتھیاری فتنوں قطع پر چاہ



دلم ہے چڑکیں کئی ملکوں کے پیدا تک  
کیا سو ہوا اگر چہ میں بھی ہوا تک  
گرد دلم دار ہے ملکوں ہر دلم دار  
درد ہوا ہے ہل میں کسی درد پیدا تک  
مجھ کو ادا کی وجہ تھ کہ مہرک ہو  
ہذا ثانی کا درد اور خفا گل کا تک  
خبر ہواں تھ کہ ہر کسی کا کہ کج  
گرد ساحل ہے کہ دلم سوچ ہوا تک  
دار دلا ہے مرنے دلم بگر کی دار دار  
دار کرنا ہے مجھے دیکھے ہے جس جا تک  
پھون کر جاتا تھ کہ ہواں ماضی جہ ہے  
دل طلب کرنا ہے دلم اور مانگے ہیں اسی تک





دھت و ریشہ اب مرے کون سے  
”مر کیا غالب اٹھ نہ“ کہتے ہیں

۸۸

گہر کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں  
ہے کہیں گہر جہاں ہر دامن میں نہیں  
حلق سے لے کرے کہ جاتی مرے تن میں نہیں  
رنگ ہو کر اڑ گیا ہر ٹولے کہ دامن میں نہیں  
ہو گئے ہیں بیخ اڑائے گھر اٹھ  
دوسے اس کے گھر کی دھانوں کے دھان میں نہیں  
کھا کون لڑکی لڑائی غم اوجھر ہے  
پینہ نور سج سے کم بس کے دھان میں نہیں  
دھنڑ ہستی ہے حلقہ جادو دہری سلا سے  
اجس ہے شیخ ہے کر بقی غمیں میں نہیں  
دلم سلوانے سے مجھ پر چلا بھلی کا ہے  
پیر کھا ہے کہ قدرت دلم سلوانے میں نہیں  
بکر ہیں ہم اک ہمار ہا کے مدد سے  
جلو کل کے سلا کر اپنے دلی میں نہیں  
تکو فکر اک بھلی ہے سلا ہمار کا  
ٹول بھی دلی سے مدد سے مدد مرے تن میں نہیں  
لے گی ساقی کی غزلت قلم اٹھائی مرے  
سوج سے کی تاج رگ چٹا کی کون میں نہیں  
ہو لکھ حلق میں کیا لکائی کی لکڑا  
تو کے تجھے کی جی گھائی مرے تن میں نہیں  
جس دلی میں شبنم کیا پتہ کہ ہو نہت میں قدر  
ہے حلق ہوں ”نکھر لکے کہ گیس میں نہیں

۸۹

مدد سے مدد ہا کے ہا نہ آتا  
کراک لہا ہو تو اسے اپنی قضا کون

دل تو دل وہ دلی بھی نہ ہا  
خود سوائے خط دلی کس  
قلم ”اب“ حلق کے حلق سے  
اب ”و“ دلی خلی کس  
ایسا کس نہیں ہو دلی  
دل میں طاقت بکر میں حال کس  
ہم سے پھر؟ قدر خدہ حلق  
دلی ہر جہاں کس میں دل کس  
نکھر دلی میں ”کس“ ہوں  
میں کس اور ”و“ دلی کس  
حلق ”و“ کس قلم ”پتہ“  
”و“ حلق میں حلق کس

۹۰

کی دلی ہم سے تو پیر اس کو بھا کہتے ہیں  
ہوتی تھی ہے کہ دلی کو پتہ کہتے ہیں  
تاج ہم اپنی پتہ حلق سے  
کہتے جاتے تو ہیں ہر دیکھنے کیا کہتے ہیں  
انگہ دلی کے ہیں یہ لوگ ایسی کہ نہ کو  
جسے ”و“ حلق کو حلق کیا کہتے ہیں  
دل میں آج ہے ہوتی ہے ہر فرصت حلق سے  
نور ہر کون سے حلق کو حلق کہتے ہیں؟  
ہے ہر ہر حلق ہر حلق سے ہر حلق  
تلا کو حلق حلق حلق کیا کہتے ہیں  
پتہ حلق پتہ ہر سے حلق حلق کیا ہے  
حلق ”و“ حلق ہم ہر کیا کہتے ہیں  
اک حلق دلی میں ہے اس سے کئی حلق کا کیا  
اک حلق ہے ہم کو ”و“ حلق کہتے ہیں  
دیکھنے دلی ہے اس حلق کی نہت کیا رنگ  
اس کی ہر بات پتہ ہم ”حلق“ کہتے ہیں

کس حد سے غریب تھے اس لئے چاہے  
 اپنی ساری دولتیں بھی  
 تم کو سونپ دیتا ہوں  
 چاہے تم انہیں استعمال نہ کرو  
 اور میں اس سے کوئی شکر  
 ادا نہ کروں۔

میں نے یہ سب کچھ سوچا  
 اور یہ فیصلہ کر لیا  
 کہ میں تم کو سب کچھ  
 سونپ دیتا ہوں۔  
 لیکن تم انہیں استعمال نہ کرو  
 اور میں اس سے کوئی شکر  
 ادا نہ کروں۔

۹۰

(۳)

وہ کہتا تھا کہ میں تم کو  
 سب کچھ سونپ دیتا ہوں  
 لیکن تم انہیں استعمال نہ کرو  
 اور میں اس سے کوئی شکر  
 ادا نہ کروں۔  
 وہ کہتا تھا کہ میں تم کو  
 سب کچھ سونپ دیتا ہوں  
 لیکن تم انہیں استعمال نہ کرو  
 اور میں اس سے کوئی شکر  
 ادا نہ کروں۔

میں نے یہ سب کچھ سوچا  
 اور یہ فیصلہ کر لیا  
 کہ میں تم کو سب کچھ  
 سونپ دیتا ہوں۔  
 لیکن تم انہیں استعمال نہ کرو  
 اور میں اس سے کوئی شکر  
 ادا نہ کروں۔

۹۱

وہ کہتا تھا کہ میں تم کو  
 سب کچھ سونپ دیتا ہوں  
 لیکن تم انہیں استعمال نہ کرو  
 اور میں اس سے کوئی شکر  
 ادا نہ کروں۔

میں نے یہ سب کچھ سوچا  
 اور یہ فیصلہ کر لیا  
 کہ میں تم کو سب کچھ  
 سونپ دیتا ہوں۔  
 لیکن تم انہیں استعمال نہ کرو  
 اور میں اس سے کوئی شکر  
 ادا نہ کروں۔

۹۲

میں نے یہ سب کچھ سوچا  
 اور یہ فیصلہ کر لیا  
 کہ میں تم کو سب کچھ  
 سونپ دیتا ہوں۔  
 لیکن تم انہیں استعمال نہ کرو  
 اور میں اس سے کوئی شکر  
 ادا نہ کروں۔

صبرِ لختِ کبر دی ہالی ہے  
 بلندِ دلوں کا دمِ شہرِ نہیں  
 سکرِ لہجہٴ جلیہ گویا روح  
 غزل میں گریہ دہائی سکرِ بحرِ نہیں  
 سرِ کھن ہے، یہی دلمِ سرِ اچھا ہے  
 لختِ نگ + لہجہٴ حق نہیں  
 جب کرمِ رخصتِ چاک و سبائی سے  
 کوئی تھیر بڑھ لختِ تھیر نہیں  
 غالب اپنا ہے حقیدہ ہے بڑا غافل  
 "کب ہے یہ ہے یہ سقہ میر نہیں"

۹۳

مست ہوک رہو میں کھم + کھن  
 ہی بیج سونامی طرزِ چم میں آہن

۹۵

بڑھائی کرتے مائن ہے دیکھا ہوا ہے  
 کھل گئی ہاتھ لگی سہا سے دواہرِ ہوا  
 لختِ گل سے لگا ہے دھواں دارِ گل  
 سو ہے پاملس آزاری گرفتارِ ہوا

۹۶

مٹن	بکھر	ہے	نوسید	میں
ہاں	پہاڑی	قہر	ہے	میں
سلطنت	دست	دست	کلی	ہے
جام	ہے	عالم	ہشید	میں
ہے	گلی	تری	سلطنت	دہا
دہا	ہے	ہم	قرشید	میں

رازِ سقن نہ اُردا ہے جانے  
 دردِ مر جانے ہی یکہ ہیہ نہیں  
 گردشِ رنگِ غریب سے ار ہے  
 علمِ عارفانہ جلیہ نہیں  
 کہتے ہی "بیچے ہی میں ہے" لوگ  
 ہم کو بیچے کی ہی میں نہیں

۹۷

جلی بھرا حقِ قدم دیکھتے ہیں  
 خیالی خیالی برم دیکھتے ہیں  
 حقِ تصنیفِ علمِ ککڑ دہی کے  
 سُہا میں بحرِ دم دیکھتے ہیں  
 تیرے سوجھت سے اک قدرِ کرم  
 قیمت کے لئے کو کم دیکھتے ہیں  
 قضا کہ لے لے لے لے لے لے لے لے  
 تھے جس قضا سے ہم دیکھتے ہیں  
 سراپاِ فکرِ لے لے لے لے لے لے لے  
 کہ شبِ مد کا حقِ قدم دیکھتے ہیں  
 ہاکرِ قیدیوں کا ہم بھیں غالب  
 قتلانے ال کرم دیکھتے ہیں

۹۸

حق ہے طوعِ بار سے ہرِ طالب میں  
 کارِ ہوں کر نہ حق ہو راستِ طالب میں  
 کب سے ہوا کیا ہوا جلیہِ قراب میں  
 قبیلے ہر کوئی دیکھ کر صلب میں  
 بکھر نہ انتظار میں پتہ آئے ہر  
 آئے کا مد کر گئے آئے ہر طالب میں



۱۳۲

ہاں تو حسنِ عجب! اسے ہم ابد میں  
 ہے لکھائے جگا کھڑا بدو میں  
 خلق و جود ہی مژگنِ فرد کیا خوب  
 ہم کو حلیم کوئی فرید میں  
 کم میں وہ بھی فریڈ میں! پ دستِ معلوم  
 دشت میں ہے مجھے وہ پیش کر کر یاد میں  
 اعلیٰ خلق کو ہے طوفانِ دولت کعب  
 طرزِ سنجہ کم اور علیٰ اسد میں  
 دلتے عروسی! حلیم و بدو مل جاتا  
 ہوتا ہے کہ ہمیں طغیانی فرید میں  
 راگبر حسین گل و لالہ پرچاں کہاں ہے؟  
 کر ہر لکھنؤ سر ہر گزہ ہاں میں  
 "نہر گل کے تے بد کہے ہے گنجیں  
 نوزد اسے مرغ کہ گلزار میں عید میں  
 لی سے کرتی ہے بہشتِ دولت گما  
 دی ہے جائے وہیں اس کو دم لکھ نہیں"  
 کم میں بلو گری میں دے کہہ سے بہشت  
 کی شکوہ ہے دل اس قدر کہہ میں  
 کرتے کسی مد سے وہ فہم کی شکوہ غالب  
 تم کو ہے مری یادیں دل یاد میں؟

۱۳۳

دلوں جہاں دے کے وہ کچھ یہ غلطی ہا  
 ہاں آہی = شرم کہ گلزار کیا کریں  
 شک جگہ کے ہر دم پ وہاں وہ گئے  
 جوا پ نہ بائیں! تو بھلا کیا کریں  
 کیا شمع کے میں ہیں ہوا غول اہل جہاں؟  
 ہر لم ہی ہا کھلا! تو گزار کیا کریں

چل ہوں تھوڑی دور ہر اک تھوڑے ساتھ  
 پہاڑ نہیں ہوں انکی دھیر کو میں  
 خواہش کو! ہاتھوں نے پہنچا دیا گزار  
 کیا پہنچا ہوں اُس بسترِ بدو گر کو میں؟  
 ہر دھوئی میں بھل گیا دلو کہنے ہا  
 پانا وگرد ایک دن اچھا خبر کو میں  
 لپٹ پ کر رہا ہوں کاس اعلیٰ دہر کا  
 کجا ہوں دل چہ حشر! ہر کو میں  
 غالب خدا کہے کہ سولہ سولہ  
 دیکھوں علی ہلوار علی گھر کو میں

۱۳۴

ذکر بھلا ہے پانی بھی اسے حشر میں  
 غیر کی بات بگڑ جائے تو بہرہ دور میں  
 وعدہ میر گھن ہے ٹوٹا طالعِ خلق  
 حشرِ اجل حشر ہے ہر لکھنؤ میں  
 شہر ہستی! خلق کی کر ہے عالم  
 لوگ کہتے ہیں کہ ہے" ہر ہمیں حشر میں  
 لکھنؤ اپنا بھی حشر میں ہے دلو لکھن  
 ہم کو حشرِ اک علی! حشر میں  
 حشر اسے دلو فریڈ کہ وہ جانتے نہ دی  
 خلق چہ حشر کی گلیں تو دلو میں  
 میں ہو کتا ہوں کہ ہم لکھنؤ میں حشر  
 کس دھوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حشر میں  
 ہم کہ علم! ہر لکھنؤ دلو آتا ہ  
 تو حشر میں کسی رنگ سے حشر میں  
 سلف شہر شہر یاد! ہم ہیں ہم لوگ  
 دانتا وہ بدو کہ طغیانی! ہر میں  
 ہوں غمگین کے حشر میں غمگین غالب  
 میرے دلو سے پ = بہشت ہے کہ حشر میں

۱۰۸

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں  
 شہرِ فرق سے دور جا کر رہا نہیں  
 کھلی کے کہ شب سے میں کیا رہا ہے  
 ہا سے آگیا اگر دن کو اور ہا نہیں  
 ہر آواز سننے میں کے تو مر رہا نہ کہیں  
 ہر جگہ میں سے کہیں کو تو شہر نہیں  
 کبھی ہر جگہ بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں  
 کہ "آج دم میں کچھ نکتہ دیکھ نہیں"  
 غصہ میرے لئے ہے اور دن بھی شرب  
 گرائے کچھ بھلا بھلا نہیں  
 رہا میں ہر قسم و شادی کچھ نہیں کیا کام؟  
 رہا ہی ہم کو خدا نے وہ مل کر شہر نہیں  
 تم میں کے پورے آواز میں سے کہیں کو غالب  
 یہ کیا کہ تم کو اور وہ کہیں کہ "پیار نہیں"

۱۰۹

حیرت تو میں کو ہوا بدھتے ہیں  
 ہم بھی حیرت کی ہوا بدھتے ہیں  
 تو کاش نے اتر دیکھا ہے  
 ہم بھی ایک اپنی ہوا بدھتے ہیں  
 میری قسمت کے عقل اسے ہر  
 بقی کو ہا ہا ہا بدھتے ہیں  
 لہر ہستی سے پہلی معلوم  
 ایک کو ہے سہا بدھتے ہیں  
 نور رنگ سے ہے دانشور گل  
 مست کب بدھتے ہیں  
 عقل ہائے حیرت مست ہر  
 لوگ ملے کو رہا بدھتے ہیں

۱۱۲

ہر گئی ہے میر کی شیریں جانی کار  
 خلق کا اس کو گل ہم سے نہیں

۱۱۵

قیامت ہے کہ میں لیلیٰ کا دستہ قہر میں آتا  
 قہر سے وہ ہوا میں بھی ہوتا ہے نہلے میں  
 دلِ پاک پہ اس کے دم آتا ہے مجھے غالب  
 نہ کہ سرگرم اس ہزار کو اللہ آنکھ میں

۱۱۶

دل کا کرک کیا میں کو بھی عمارت  
 بارے اپنی نیکی کی ہم نے پائی دار ہاں  
 ہیں غزل کلام اور آفرین کے دم  
 ہر گھٹا ہے چلنے رہنے ہاں

۱۱۷

ہر ہم ہر میں ہوا دہ کو دیکھتے ہیں  
 کبھی ہوا کو کبھی ہوا کو دیکھتے ہیں  
 وہ آئے گھر میں طبع خدا کی قدرت ہے  
 کبھی ہم میں کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
 نغمہ گئے نہ کہیں اس کے دست و پاؤں کو  
 یہ لوگ کہیں سے دھم بک کر دیکھتے ہیں  
 ترے عاقل طرف گھر کو کیا دیکھیں  
 ہم لہر طبع اس و گھر کو دیکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی دعا ہے کہ یہ سب باتیں  
 آپ کے دل پہ لکھی جائیں اور آپ  
 سے سیکھ سیکھ کر اپنے دل پہ لکھیں



دستِ خدا چہلر کا دشتِ جڑوں میں  
 گھیرا ہم شکر ہے مہر پر نقبِ لولہ، حق میں  
 جاں کسی سے ہو خلعتِ معنی میرے ہستی کی  
 شب نہ ہو نہ رنگ دہی پتہ دلوں کے دہان میں  
 کوہِ بلبلِ بختِ بختی شہرِ بختی میں  
 ہوا ہے عہدِ بہب ' خلیہ بہب و دامن میں  
 جسے اس سر دلی کے جلوہ فکری کے آگے  
 ہر اظہارِ ہر تکتہ میں شکرِ لہرِ دہان میں  
 نہ جانوں تک ہوں یا بدہوں ' ہر صبتِ حلقہ ہے  
 جو کئی اہل تو ہوں گداس میں ہر نفس میں تو ہوں بھٹک میں  
 بڑوں دل دینے جاتی ہوں عشق نے بھ کو  
 یہ ہو کر سہا ہو گیا ہر نقبِ لولہ حق میں  
 اسیا دہان ' تاہرِ اظہارِ ہلکے طواری میں  
 لم دسجہ فوٹو ہر گیا ہے عشق گہری میں

۸۵

مہرِ جان کے اپنی نظر میں خاک میں  
 سوائے غنیمتِ بختِ ہر بخت میں خاک میں  
 مگر غبارِ ہوتے ہر اڑا لے جلتے  
 ورنہ کب دہان ہل رہ میں خاک میں  
 یہ کس بختِ غافل کی کہ کہ ہے؟  
 کہ خیرِ جہان کئی دسجہ میں خاک میں  
 ہوا اسے نہ سہی بکھ بھی کہ دم آتا  
 اڑ مہرِ غنیمت ہے اڑ میں خاک میں  
 لیلِ جلوہ کئی سے غراب ہیں بیکل  
 شراعت کے دہان ہر میں خاک میں  
 ہوا ہوں عشق کی بدگہری سے شرمندہ  
 سوائے صبرِ قہر گہری میں خاک میں

۸۶

دہانگی سے دشت پہ زلزلہ بھی نہیں  
 بھنی جلتے بہب میں اک نہ بھی نہیں  
 دل کو خیرِ صبرِ دہان کر چکے  
 دیکھا تو ہم میں خلعتِ دہان بھی نہیں  
 لگا ترا اگر نہیں آہوں تو سل ہے  
 دہان تو کیا ہے کہ دہان بھی نہیں  
 ہے عشقِ مہر کب نہیں کئی ہے نور یوں  
 خلعتِ بختِ لہرِ لہرِ لہر بھی نہیں  
 شرمندگی کے ہاتھ سے ہے سہارے دہان  
 صرا میں اسے خدا کوئی دہان بھی نہیں  
 کھانسیِ عادتِ بختِ ایک طرف  
 یوں دل میں صفت سے ہر یاد بھی نہیں  
 اڑ جلتے دہان سے میرے خدا کو ہاں  
 آڑ ہوائے مرغِ گرفتہ بھی نہیں  
 دل میں ہے یاد کی صفتِ جڑوں سے دہانگی  
 دل آگے خلعتِ بختِ دہان بھی نہیں  
 اس سہانگی پہ کون نہ مہر ہائے اسے خدا  
 کرتے ہیں اور ہاتھ میں کھاد بھی نہیں  
 دیکھا اسے کو غلوت و جلوت میں بدلا  
 دہان کر نہیں ہے تو بختِ دہان بھی نہیں

۸۷

نہیں ہے دم کئی بچنے کے دہان مہر تو میں  
 ہوا ہے بختِ بختِ دہان ' دشتِ بختِ دہان میں  
 ہوتی ہے بختِ بختِ دہان ' دشتِ دہان میں  
 کبیرِ بہب بختی ہے دہان پتہ دہان میں





دل کے طوں کرنے لی کیا وجہ؟ دلکی تپد  
 پانی ہے دھاتی وہ دم ہے ہم کو  
 تم وہ خاک کہ عشقی کو لہجے کے  
 ہم وہ ملا کہ تھقل بھی تم ہے ہم کو

قطرہ

کھنڈ آئے کا ہاٹ نہیں کتا بین  
 ہریر و انشا سو کم ہے ہم کو  
 مقبلہ سلاہ شوق نہیں ہے یہ  
 ہم ہر کھنڈ و طوبہ ہم ہے ہم کو  
 لے جاتی ہے کہیں ایک دلیغ عجب  
 بدلتا وہ کشمکش ہر کم ہے ہم کو

۴۵

تم ہر تم کو میر سے ہو دم دلا ہو  
 کہ کو بھی پہنچے وہ تو کیا گلہ ہو؟  
 پہنچے نہیں سوائفہ ہر مٹر سے  
 قاتی ہر رقبہ ہے تو تم کو ہو  
 کیا وہ بھی ہے نہ کل دلیغ جہاں ہیں؟

ہاں کہ تم ہر نہیں فریاد ہو  
 ابرا ہوا غلب میں ہے لی کے ایک کہ  
 مرا ہو میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو  
 اب ہیکہ ہما تو ہر اب کیا جگہ کی تہ  
 سب ہو ہر دور ہو کوئی حلقہ ہو  
 شے ہیں ہو ہشت کی تھیل سب دوست  
 نہیں خدا کرے وہ را جہہ گاہ ہو  
 عجب بھی کرے ہو تو یکہ ایسا خرد نہیں  
 دنیا ہو ہر ہر ہر اور مرا بدلتا ہو

ہم کی جتو میں ملا ہوں ہو دور دور  
 تم سے سواظ ہیں اس خستہ تم سے ہر  
 تہ دہہ نظر دشت نور دی کہ ہر ہر  
 جتہ ہیں خود ہر صر اندر کئی کے ہر  
 یہ عالم کی بدل میں ہوں تک کہ ہر طرف  
 اڑتے ہوئے اللہ ہیں مرا بھی کے ہر  
 شب کو کسی کے غلب میں گمان ہو کہیں  
 دیکھتے ہیں تیغ اس بت خاک ہوں کے ہر  
 تاب مرے کام میں کیوں کر ہو نہ ہو  
 ہوں دم کے خیر نہیں غلب کے ہر

۴۳

ہوں اس کو حال دل ہے تو میں ہوں فرسہ  
 حق یہ بھی تو کی آگہ سے نہ ہوا  
 اپنا کو دیکھا نہیں دل تم تو دیکھ  
 تیرے کہ ہوا تجھ سے نہ ہو

۴۴

دل بچی اہل عقل تو ہے تم سے ہم کو  
 ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر  
 ہوں میں ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر  
 کہ ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر  
 ضعف سے کئی ہے ہر ہے ہر ہر ہر  
 ہم ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر  
 ہوں کہ کیے تھقل کہ ہر ہر ہر ہر  
 یہ ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر  
 دلیغ ہم طرف د دور ہر ہر ہر  
 ہوں مرا ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر  
 ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر  
 ہوں کے ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر

وہ کیسی؟ کس کا عشق؟ جب سر پہونڈا لہوا  
 تو ہمارے سنگ دل بھاری سنگ آہٹیں کیں ہں؟  
 جس میں تھ سے دھواں نہیں کھتے نہ نور ہم  
 گری ہے جس پہ کل نکل وہ میرا آئینہ کیں ہں؟  
 یہ کہہ سکتے ہں "ہم دل میں نہیں ہیں" یہ کھانا  
 کہ جب دل میں تھیں تم ہو تو آنکھوں سے نکل کیں ہں؟  
 ملا ہے چہرہ دل کا شہر : دیکھو ہم کس کا ہے  
 نہ کھینچ کر تم اپنے کو کھاتے دریاہ کیں ہں؟  
 یہ تھہ کوئی کی تھہ اورانی کو کیا تم ہے؟  
 ہونے تم دوست جس کے دشمن اس کا آہں کیں ہں؟  
 کیا ہے کھانا تو سٹھا کس کو کھتے ہیں؟  
 ہر کے ہر کے جب تم تو میرا آہٹیں کیں ہں؟  
 کا تم نے کہ "ہمیں ہں غیر کے ملے میں رسائی؟"  
 جاکھتے ہں بج کھتے ہں ہر کہہ کہ "ہاں کیں ہں؟"  
 کھانا چلتا ہے ہم کیا سنوں سے تو عتاب  
 تھہ ہے سر کھتے سے وہ تھہ ہں سہلی کیں ہں؟

۳۸

رہتے ہں لٹی جگہ جلی کر جلی کوئی نہ ہں  
 ہم آہں کوئی نہ ہں اور ہمیں کوئی نہ ہں  
 یہ وہ وہ دھواں سا ایک گھر تھہ چاہتے  
 کوئی سہلی نہ ہں اور پاسہں کوئی نہ ہں  
 پاسہں کر تھہ تو کوئی نہ ہں تھہ دار  
 اور اگر ہر چاہتے تو نور توں کوئی نہ ہں

۳۹

تر سر تپ وہ دل د دل ہے آئینے  
 طری کو عشق ہوتے سے عقل ہے آئینے

کی وہ بات کہ ہو کھٹک تو کیں کر ہں  
 کہے سے کہہ نہ ہوں ہر کہہ تو کیں کر ہں؟  
 تھارے دہن میں اس فکر کا ہے ہم وصل  
 کہ کر نہ ہو تو کیں جانیں ہں تو کیں کر ہں؟  
 لب ہے اور کیا کھٹک تو کیا کھٹک؟  
 دیا ہے اور بھی کو کہ تو کیں کر ہں؟  
 تھیں کو کہ گزرا صدمہ ہر سوں کا  
 جوں کی ہں ہر لٹی ہی طو تو کیں کر ہں؟  
 آئینے ہں تم اگر دیکھتے ہں آئینے  
 یہ تم سے ہر میں ہوں ایک ہں تو کیں کر ہں؟  
 تھہ نصیب ہں ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر  
 وہ کھٹک دن نہ کہے رات کو تو کیں کر ہں؟  
 ہمیں ہر میں سے ایسے اور انہیں تھہ قدر  
 تھہ بات ہی پہونچیں نہ ہوں تو کیں کر ہں؟  
 تھہ نہ تھا ہمیں ملا یہ کھٹک لٹی کا  
 نہ ہونے ہوں ہوں ہوں تو کیں کر ہں؟  
 تھہ آہں جگہ کو دیکھ کر کہ تھہ کو قرار  
 یہ کھٹک ہر میں میں فرد تو کیں کر ہں؟  
 مجھے ہوں نہیں عتاب دہنے عقل حضور  
 "فراق یاد میں تھیں ہں" تو کیں کر ہں؟

۴۰

کسی کو دے کے دل کوئی توازنہں کیں ہں؟  
 نہ ہو جب دل ہی جتے میں تو ہر نہ میں نہں کیں ہں؟  
 وہ اپنی غم نہ پہونچیں کے ہم اپنی وضع کیں پہونچیں؟  
 جب سہلی کے کھٹک ہمیں کہ ہم سے سرگزیں کیں ہوں؟  
 کیا غم نے رسوا کھٹکے آہں ہم محبت کو  
 نہ ہوتے تک ہں تم کی وہ میرا راز دہں کیں ہں؟

۳۰

قلم

ہے رنگ و رو بہ گل و سبزی ہوا چا  
ہر رنگ میں ہوا کا ایک چا  
سزا پائے تم : چا ہے بکھر رہی  
وہ سنے قبلہ و قعر حجاب چا  
یعنی ہر مسیحا کوئی چلا صحت  
حرف چلا مسیحا سے عالم چا  
نہوٹا ہے اصل سے عجب ا فوج کو  
کاشی سے لگے ہے ہر پت چا

۳۳

بہارِ گل میں تھا ایک دل یک شہرِ گل وہ بھی  
وہ رہتا ہے ہمارے بکیت سرگن وہ بھی  
وہ ہے اس شمع سے آلودہ ہم چہے خلف سے  
خلف ہر طرف کا ایک ہمارے ہی وہ بھی  
نہارِ مرگ کب نہ سکر رہا آلودہ کو بٹھے  
مرے ہم گنا میں ہے اک میوے وہ بھی  
وہ کرنا کئی بار گھر کو کیا معلوم تھا ہم  
کہ وہ گا چلتا فزائش دہر وہاں وہ بھی  
وہ نہ تو پُرسوزِ قفا بنا ہے ہر لہر  
مرے دوائے چلی میں ہے اک سوج گل وہ بھی  
وہ شربت کی خواہش ملتی گھول سے کیا کیے  
لے بیٹا ہے اک ہمارے جامِ داغوں وہ بھی  
مرے دل میں ہے عجب شوقِ وصل و شہرِ جوں  
وہاں کہہ کرے ہر اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

۳۴

ہے ہم کھلی میں غنہ آلودہ لہوں سے  
تک آئے ہیں ہم اپنے خوشہ طبع سے

ہے سوزِ وار ہر وہ دہارِ تم کہ  
جس کی ہل یہ وہ ہمارے کی ترس نہ چہ  
ہمارے کھس کی بھی صرت افسانے  
دھاری نہ دھم پہاں نہ چہ

۳۶

سو چلو رہا وہ ہے ہر چکی افسانے  
طاقت کھل کر وہ کا اسل افسانے  
ہے تنگ ہے راتِ معاشِ جوں عشق  
یعنی ہنوز صحتِ حلق افسانے  
دہارِ ہر مصرعہ جوں سے ہے تم  
اس غنہ غلاب نہ اسل افسانے  
وہ صرتِ دلم رات کو رہا نہ کچھ  
وہ پہاں ہم پہاں افسانے

۳۷

سج کے درِ سلیہ فراغت چا  
جوں ہاں آگ قبلہ جاہلت چا  
ماہن ہوتے ہیں کب بھی ایک اور محس  
آخر حق کی کہ تو شکست چا  
وہ راہ اے شک طرِ صرتِ پست کی  
ہاں کہ نہ کہہ سکتی بکھت چا  
تکے ہیں ہر دلوں کے لئے ہم صوری  
تقریب کہ تو ہر طاقت چا  
وہ سے غرض شک ہے کس نہ یہ کہ  
اک کو نہ دھاری لگے دن رات چا



ہے وہ خود میں سے بچتا رہا  
ہر بات اس کے پاس دل حق ٹھاہر ہے  
لیکن قدرے شب سبب میں شرب  
اس بھی حلاج کو گری ہی رہا ہے  
ہر ایک مکان کو ہے نہیں سے طرف اشارہ  
نہیں جو مر گیا ہے تو جگہ ٹھاہر ہے

۱۳۲

کرماتی سے قائم اٹھائے مل ہے  
لڑائی میں کہ یہی بات سمجھی مل ہے  
کس کو جہاں صبرِ اقلد کا گرا  
دل فریج و شریعت نہاں ہے نال ہے  
کس پرستہ میں ہے آئینہ ہزار لے خدا  
رستہ کہ خدا لولوب ہے سوال ہے  
ہے ہے خدا خواست وہ خود دشمن  
اسے حق تعالیٰ سے تجھے کیا خیال ہے؟  
نکلیں ہمارے کبہ حق کے قدم سے ہاں  
خیرِ زمین ہے نہ کہ خیرِ نازل ہے  
دشمن پہ یہی عرصہ اکل تک تھا  
دیا دشمن کو حق تعالیٰ  
ہستی کے مت قریب میں کہانہ اشارہ  
یام نام عتدہ دایہ خیال ہے

۱۳۳

تم اپنے شکوک کی باتیں نہ کہو کہو کے پند  
خدا کہ مرے دل سے کہ اس میں آگ جلی ہے  
ملا یہ دردِ عالم بھی تو شہت ہے کہ انور  
نہ گریہ صحت ہے نہ تو علم نس ہے

نہیں دل میں گر نہ تھا کہلپ لم کا وصل  
تو نے ہر کس کی حتیٰ میں نگہاں ہے ہے  
کیوں میں تم طواری کا تھ کو آقا قاضی؟  
دشمن اپنی حتیٰ میں دھڑائی ہے ہے  
مرجر کا تو نے جان رہا ہوا تو کیا  
مر کو بھی تو نہیں ہے پلہاری ہے ہے  
زیرِ تختی ہے مجھے آپ و ہوائے زندگی  
میں تھ سے حتیٰ اسے ہمارا گری ہے ہے  
کلی لٹلی ہے ہر جہاں کو کیا ہو گہا  
ناک ؟ ہوتی ہے جی نہ کاری ہے ہے  
شرم رسولی سے چاہیہا غلبہ ہے ہے  
نعم ہے اہل کی تھ ؟ ہوا داری ہے ہے  
ناک میں ہمارے ہمارے صحت ہی کی  
انہ کی دغا سے راہ دوح داری ہے ہے  
باقہ ہی حق گہا کا ہم سے ہاں رہا  
دل پہ اک گئے نہ پیا زلم کاری ہے ہے  
کس طرح کائنات کوئی شب ہے تھر پہل  
ہے تھر تو گہا آخر غری ہے ہے  
کوئی مجھ پریم و نعم محرم مل  
اکہ دل جس ہے یہ حامد داری ہے ہے  
حق نے پکارا نہ تھا ہاتھ ہاں دشمن کا رنگ  
وہ کیا حال میں ہو کہ حق غازی ہے ہے

۱۳۶

مرگشتگی میں عالم ہستی سے ہاں ہے  
نہیں کہ دے لو کہ مرے کی جس ہے  
نہیں میں مرے دل کو کی خبر  
اب تک وہ ہوتا ہے کہ جیسے ہی ہاں ہے  
کچھ جہاں سہر سہر لم کس کس  
ہر مرے جان پہ لپٹا ہاں ہے



۳۳

۳۷

میرم کہ عالم کہ کیا ہو چاروں کھنڈ ہے  
 انہیں پھر وہ کھنڈ چاروں کھنڈ ہے  
 دل گئی کی بھرتی ہوئی رکعت ہے  
 وہ وہاں جہاں سر چاروں کھنڈ ہے

۳۸

جمع غول حاصلی میں ہی نوا ہزار ہے  
 سر تو کہے کہ وہ سر شہر کوہ ہے  
 کبر عشق سار چاروں کھنڈ ہے  
 ہر کوا کہو یہاں کی کوہ ہے  
 دھڑک دھڑک غول بھرتی ہوئی رکعت  
 یک جاں ہوا؟ کل فرار ہوا ہے

۳۹

خلق ہے کہ نہیں دھشت ی سی  
 میری دھشت تری شہرت ی سی  
 خلق کچھ نہ خلق ہم سے  
 کہ نہیں ہے تو دولت ی سی  
 میرے ہونے میں ہے کیا رسائی؟  
 اے وہاں نہیں خلوت ی سی  
 ہم بھی دھشت تو نہیں ہیں لہجہ  
 خبر کہ تھ سے صحت ی سی  
 اپنی ہستی ی سے ہر کہ ہر  
 آگے کہ نہیں خلعت ی سی  
 سر ہر چند کہ ہے ہر غم  
 دل کے غول کہنے کی فرصت ی سی

ایک پہلو وہ تھا تھا ہر بھی مست کیا  
 ظاہر کھنڈ ترے دل کا ظہر ہزار ہے  
 ی بے لعل کی جھکی ہر نہ کیوں؟  
 ہم نہیں چلتے غم ہر چند آفتاب ہے  
 آگ سے پانی میں بجھتے وقت اعلیٰ ہے صرا  
 ہر کوئی دربار کی میں شام سے ظہر ہے  
 ہے وہی ہستی ہر ارد کا خود غر غول  
 جس کے ہونے سے نہیں آ آہیں سرشار ہے  
 مجھ سے صحت کہ تو نہیں کتا تھا اپنی زندگی  
 زندگی سے ہی مرانی میں دلوں ہزار ہے  
 آنکھ کی تصویر سرائے پہ کھینچی ہے کہ آ  
 تھ پہ کھل ہونے کہ اس کو صورت ہوا ہے

۳۵

جن میں گزرتے ہیں ہر کسے سے وہ میرے  
 کدوا بھی کدوں کو ہونے نہیں اپنے

۳۶

میری ہستی غلط جہت آگہ تھا ہے  
 جسے کہتے ہیں ہر وہ اسی عالم کا تھا ہے  
 غول کیا؟ صحت کی کہتے ہیں کہ کوا کوئی صوم ہ  
 وہی ہم ہیں غم ہے ہر نام بل ہر کا ہے  
 دھشت دھشت ہے خلقی دھشت اے ہم  
 اتر غول دھشت جس کا کہنے دھشت ہے؟  
 نہ کوا غول دھشت کبیر کبیر کبیر  
 کدوا غول دھشت کدوا کدوا کدوا

رکتا ہوا ہوں فرقہ و چٹا دھبہ سے  
 دھت ہوئی ہے دھبہ آپ و ہوا کیے  
 ہے صرف ہی گردی ہے ہو گرجہ مر شہر  
 محبت بھی کل کیس کے کہ ہم کیا کیا کیے؟  
 تھوڑے ہو تو شاگ سے پہاڑوں کو لے ضم  
 قتلے وہ گنہگار گنہگار کیا کیے؟  
 کس دردِ عشقیں نہ رہتا کیسے عدا؟  
 کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چا کیے؟  
 محبت میں غیر کی نہ چلی ہو کیسے یہ تو  
 اپنے لگا ہے پورے طیر اچھا کیے  
 خدا کی ہے نور ہوتا مگر ٹو رہی تھیں  
 بھولے سے اس نے نیکیوں وعدے دیا کیے  
 غائب تھیں کہ کہ لے گا جواب کیا؟  
 یا کہ تم کا کیسے اور وہ سنا کیے

۱۵۳

دھڑک رہی ہو شہر رو شہر  
 اس سب کے سب کو بینِ آفتاب ہے  
 چلتے سے ہے سور شہر بدل سے  
 ہر قدم چلتا سور شہر ہے  
 اٹھتی ہو ہے پڑتے پڑتے ٹپکتے کا  
 نے بھاگنے کی گلیں نہ اگست کی گلیں ہے  
 بدلتا رہا لڑتی رہا ہے شعلِ جہنم  
 غافل گلیں گئے ہے کہ تختیِ غروب ہے  
 لکھنا کیا مطلب ہو اس بھلے صحن کا  
 جوں بدل جیسے کہ جس کے شب ہے  
 میں ہمارے دل کی قہقہے کو کیا کہنا؟  
 ہا کہ کوسے دھن سے مگر بھابیہ ہے  
 گھبرا اٹھا سرسبز بیچ بار سے  
 کھد پ لے کو دھبہ سواں دھبہ ہے

ہم کوئی دھبہ بنا کرتے ہیں  
 نہ کسی شعلِ جہنم ہی نہ  
 یکہ تو دے لے لے لے لے  
 کہ د لہجہ کی دلچسپی ہی کسی  
 ہم بھی شہر کی غر اٹھیں گے  
 ہے تازی تازی حالت ہی کسی  
 وار سے چھڑ پٹی ہلے لے لے  
 مگر نہیں اصل تو محبت ہی کسی

۱۵۴

ہے آزمودگی میں کوہِ بجا لھے  
 کچھ دھن ہے خدا دھن لھا لھے  
 دھوڑے ہے اس شعلِ آہنی فتن کوئی  
 جس کی صدا ہو جلاہ بھڑکا لھے  
 مستان لے کہوں ہوں دو دھن لھا لھے  
 (پارکھتے سے نہ رہے دھن لھے  
 کرا ہے بک رہا میں تو ہے چاہاں  
 لے لگی ہے کھنکھائی سے جانا لھے  
 کھنکھائی کسی پہ کیوں سے دل کا سچا  
 شعروں کے اکھب نے دھن لھا لھے

۱۵۵

اندگی اپنی دھب اس شعل سے گزری غائب  
 ہم بھی کا ہا کریں گے کہ خدا دیکھتے تھے

۱۵۶

اس ہم میں لھے نہیں شعل جانا کیے  
 بیجا رہا اگرچہ اٹھارے ہوا کیے  
 دل ہی تو ہے سیاستِ دہلی سے دار کیا  
 میں اور چٹا در سے ترے ہیں صدا کیے؟

ہر کون کا قصہ میں بھی نکلا نہ رہا  
جب آرام دلا ہے پہ پاؤں نے مجھے

۱۵۶

کراہی جتنی میں لہو داغ میں ہے  
بقی فرمیں دھندلے غنیمت گرم دھن ہے  
غیر ناگھن یا رگہ غایت معلوم  
بندھو رہیں غلابہ گل پہنیں ہے  
ہم سے سبک چلی کس طرح اٹھنا جائے  
دارا پشور دستہ بزرگ شعلہ شیں بدعاں ہے

۱۵۷

اک رہا ہے درد دہلے سے سزا دہت  
ہم جاہلی میں ہیں خود گھر میں پہر گلی ہے

۱۵۸

سدا کی ہے اس کی مریخت کی صیرت دل میں ہے  
بہیں نہیں پتا کہ ہر گز کھیر کالی میں ہے  
دیکھا تھیں کی لذت کہ نہ اس نے کہا  
میں نے یہ پتا کہ کیا یہ بھی میرے دل میں ہے  
کہتے ہیں کہ کس کس بدلی سے ولے ہا میں  
دار میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مصلیٰ میں ہے  
اس جہم جھیدی خاک میں مل جائے گی  
یہ وہ اک لذت طاری سنا ہے حاصل میں ہے  
سبک نہ کہیں کچھ؟ داد کی کو مطلق ہے  
اور نہیں سکا ہوا ہو قدم مٹی میں ہے  
جہد دار آئندہ دوزخ ہوا دل کسی  
تھوہ شہر قسمت کس کی تپ دہلی میں ہے؟  
ہے دل شہرِ قاتل ہمت ہم چھوڑ دے  
دم کر اپنی آواز کہ کس کھنکھ میں ہے

۱۵۹

دیکھا قسمت کہ تپ لہجہ پہ دھک آہات ہے  
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے  
پتاہ دھول دل سے لگی گری کر دھیت میں ہے  
آکھیر تھری صبا سے کھلا جائے ہے  
نیر کو بادب وہ کیکر مع کھائی کسے  
کرنا بھی اس کو آتی ہے تو شہا جائے ہے  
شوق کو یہ لہجہ کہ ہر دم پتا کھیجے جائے  
دل کی وہ حالت کہ دم لچے سے گھبرا جائے ہے  
درد ظلم بزرگ تری رخ غریب سے دور رہا  
لہجہ وہ ہوتا ہے دلی کہ پتا میرا جائے ہے  
کہتے ہیں طویل کھنکھ پتاہ دار دار مطلق  
یہ ہم اپنے کھوسے ہاتھ ہیں کہ وہ پھانے ہے  
اس کی دم گرائیں سن کر دل دھندل جائے  
ظلمہ کھنکھ دھانے نیر چلا جائے ہے  
وہ کے مطلق وہ ہی رخ اور خاک میں کیا  
دھک کھنکھ جائے ہے بھلا کہ آتا جائے ہے  
مصلیٰ کو اس کے قصور پہ بھی کیا کیا ہیں  
کھنکھ ہے جس قدر کھنکھ ہی کھنکھ جائے ہے  
سدا میرا مجھ سے مصلیٰ خود بھگتے ہے لہجہ  
ہاں مجھ آتی ہیں کے کس سے گھبرا جائے ہے؟

۱۶۰

گرم فریاد دیکھا ظلمہ مٹی نے مجھے  
تپ لہجہ ہر میں دی گز لہجہ نے مجھے  
نہ وہ غم نہ عالم کی حقیقت معلوم  
نے لیا مجھ سے مری صبر مٹی نے مجھے  
تکلیف آتی دوست ہے پہ چلی وہ دم  
کھنکھ کھنکھ ان صبح لہجہ نے مجھے



م کو اُن سے دعا کی ہے صبر  
 نہ نہیں پہنچے دعا کیا ہے  
 "ہاں" کہتا کہ "ہاں" کہتا ہے  
 اور مسئلہ کی صدا کیا ہے؟  
 ہاں تم پر اللہ کرنا میں  
 میں نہیں پہنچا دعا کیا ہے  
 میں نے دعا کہ مجھ میں ثابت  
 ختم ہوا آئے تو دعا کیا ہے

۲۲۳

کہتے تو وہ تم سب کو "نیکو نظریہ" آئے  
 یک مرتبہ گھبرا کے کو کئی کہ "وہ آئے"  
 وہاں ٹھکانا تھا میں ہاں چاہیو بہت  
 کہ کہ نہ سکوں پہ وہ صبر پہنچے کو آئے  
 ہے صاف و شعلہ و سہل کا عالم  
 آئی کہ میں میری آئی میں کو آئے  
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ ہائیں کے گھبرا  
 ہاں نہ سے مگر ہوا وہ شہ کی پہ آئے  
 جادو سے ڈرتے ہیں نہ دماغ سے جھگڑتے  
 ہم کیجے ہوسے ہیں اتے جس جگہ میں جو آئے  
 ہاں اللہ طلبا کہیں نے طرز غفلت  
 دیکھا کہ وہ ہم نہیں اپنے ہی کو کو آئے  
 اپنا نہیں وہ شمع کے آرام سے نہیں  
 اس وہ چ نہیں پہ تو کیجے ہی کو وہ آئے  
 کی ہم نہیں نے اتر گئے میں تھیں  
 آئے رہے آپ ہی سے گراہ کو وہ آئے  
 نہیں انہیں ہار کی کا ہت ہے ثابت  
 ہم بھی کے وہی اور تری ظہر کو وہ آئے

ہے کہ لکھی ہی ہت ہ چپ وہ  
 درد کا ہت کر نہیں لکھی  
 کہاں نہ چلاں کہ یاد کرتے ہیں  
 بھی کوئی مگر نہیں لکھی  
 داریں دل مگر نظر نہیں لکھی  
 وہ بھی اسے ہاں کر نہیں لکھی  
 ہم وہاں ہیں ہاں سے ہم کو بھی  
 کہ عادی نظر نہیں لکھی  
 ہوتے ہیں کرد میں حیرت کی  
 ہوتے لکھی ہے نہ نہیں لکھی  
 کیجے کسی حد سے جا کے ثابت  
 شرم تم کو کر نہیں لکھی

۲۲۴

دلہاں تجھے لکھا کیا ہے؟  
 آفر ایس درد کی دعا کیا ہے؟  
 ہم ہیں حلقہ درد وہ درد  
 ہاں جی یہ لکھا کیا ہے؟  
 میں بھی حد میں لپکا رکھا وہ  
 لکھی پہنچ کر "نکاح" کیا ہے؟

ق

جب کہ تم ہیں میں کوئی سوچو  
 ہر وہ پہنچ اسے خدا کیا ہے؟  
 یہ ہاں چاہو لوگ کیجے  
 نہیں وہ چاہو وہ لکھا کیا ہے؟  
 حلقہ دماغ حیرت کہاں ہے؟  
 مجھ پہنچ شہر سا کیا ہے؟  
 ہوا دلی کہیں سے آئے ہیں؟  
 اور کیا حق ہے؟ ہاں کیا ہے؟



گور / ا سہ گردنوں میں دیکھا  
 کیا لوح / ستارہ گور فوٹا ہے  
 ہمارا ہوا / وسط سنی کا ست  
 ہم خیال / یکساں ہے گردش ہے

### قطرہ

اے تیرا دامنِ بیلو ہوائے دل  
 زلفِ کریمیں ہواؤں کے فوٹا ہے  
 دیکھو مجھے یہ دھواں صیحت کا ہے  
 میری سزا ہے کوئی صیحتِ نوح ہے  
 سنی ہے جلوہ دھندلے لہجے و آہی  
 مطلب ہے نفِ دھندلے لہجے و آہی ہے  
 شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بے  
 دامنِ باغی و کتبہ کن فوٹا ہے  
 لطفِ فراموشی و زلفِ مدائے بک  
 یہ ہنسنے کا ہے گردشِ کوئی ہے  
 اے کجا دم ہے دیکھتے آواز تو ہم میں  
 نے یہ سود و سوز نہ ہوا و عروش ہے  
 دارِ فراقِ صیحتِ شب کی غلی ہوئی  
 اک شمع نہ گئی ہے سو یہ بھی فوٹا ہے  
 آئے ہیں لب سے یہ طعنے لیاں میں  
 چہرہ سرورِ عطرِ نوائے سہاں ہے

### اندا

جو مری جان کا قرار نہیں ہے  
 جلتی ہو اہلِ انظار نہیں ہے  
 دینے ہی جنتِ مباحہ دور کے ہونے  
 نہ ہے ہرگز اہلِ فکر نہیں ہے  
 کریمِ نکالے ہے تری ہم سے لہجہ کو  
 ہونے کو ہونے ہے اختیار نہیں ہے

مٹی کھنڈِ عشق کی پانچ ہے کیا خبر  
 وہ لوگ رفتہ رفتہ سرلاہم ہونے  
 تھی وہاں سے کیا ہو جاتی؟ کہ دور میں  
 تھوڑے سا بھی ہم پہ ہمت سے قسم ہونے  
 گھٹتے رہے جن کی نکاحِ ٹوٹاں  
 ہر چہ اس میں ہاتھ طارے غم ہونے  
 اٹھ دینا تھی تھی، تو جس کے ہم سے  
 اترائے ہر دل میں میرے دھندلے ہم ہونے  
 اہل ہوس کی رنج ہے دیکھو تیرے عشق  
 ہر پاؤں اٹھ گئے وہی اس کے غم ہونے  
 ہلے ہم میں چہ ہوائے سپرد تھے  
 ہوں نہ کچھ بکے، سوہاں اس کے دم ہونے  
 پھوڑی اندر؟ نہ ہم نے کوئی میں دل لگی  
 مانگی ہونے تو عاشقِ ظہورِ کرم ہونے

### ۱۶۹

ہر نہ نظرِ وارثِ دل کی کہے شہرِ پہاڑی  
 تو شہر کی لہجے ہے یہ کہیں ہے اپنی  
 مجھے اس سے کیا توقع ہے نغمہِ عارفی  
 بھی کوئی میں جس نے نہ سن مری کہانی  
 یہاں ہی دیکھ کسی کو دھواں نہیں دردِ کتا  
 کہ ہرے حد کو ڈارپ نے میری زندگی

### ۱۷۰

طقتِ کوہ میں میرے شہرِ ظہور کا ہونے ہے  
 اک شمع ہے دیکھو سرِ سرفروش ہے  
 نے حیرتِ وصل نہ نکالے، شعل  
 دت ہوئی کہ آفتابِ شہر و کوئی ہے  
 سے نے کیا ہے شہرِ خود آرا ہے جب  
 اے فوٹاں ہیں اہلِ شہرِ شہر ہے

ملنے کی طرح ساتھ بہری ہو رہی تھی  
 تو اس قدر دھن سے جو ٹھکانہ میں آئے  
 تب ہر گز نہیں مانگی، لطف دعا ہے  
 جب لطف بیکر رہا، لہذا میں آئے  
 دے مجھ کو لطف کی اجازت کہ حشر  
 کہ تھ کو جو بھی مرے کوار میں آئے  
 اس چشم لہوگر کا اگر اپنے لہو  
 طوطی کی طرح تیز، گھبراہٹ میں آئے  
 لکڑی کی نہیں سوکھ گئی جاسی سے بارش  
 ایک تار کا دانی، چھڑا میں آئے  
 میرا نہ کہیں دھن سے جب وہ حق پاک  
 آؤں، تم حشر، نظر میں آئے  
 یاد کر ہوں نہ ہو کہ ہوں نہ  
 کہیں شہر گل باغ سے بازار میں آئے  
 جب چاک گریں کا جو ہے طوطی ہاں  
 جب اک نفس امارا ہوا ہر تار میں آئے  
 آئینہ ہے جو مرا رتو نہیں سے  
 اے دانے اگر معرض اکلاد میں آئے  
 کھینچو، سچ کا علم اس کو کیجیے  
 یہ لفظ کہ حالت مرے لہذا میں آئے









۱۸۷

ہاں کہوں کہ بتا ہاں  
 - اگر چاہی تو میر کا ہاں  
 محبت دلوں سے واجب ہے خار  
 ہاں نے اپنے کو کھینچا ہاں  
 ہاں کو جسے کیا سمجھا تو دار  
 ہاں اب اس سے بھی سمجھا ہاں  
 ہاں سے کہ جب ہے لوح کل  
 کہ لوح کا بھی اظہار ہاں  
 دہش کا ہاں ہے بے باکی  
 حہ پہنچا ہم سے پھرنا ہاں  
 دھن نے بھی کھیا غیر کو  
 کس قدر دھن ہے دیکھا ہاں  
 اپنی رسائی میں کہا پاتی ہے سہی  
 یاد ہی بھلا آرا ہاں  
 حصر مہلے پہ " جس کی امید  
 بھیدی اس کی دیکھا ہاں  
 مغل میں مہ طعش کے واسطے  
 ہاں وہ بھی اچھا ہاں  
 ہاں ہیں خوب دلوں کو منہ  
 آپ کی صورت تو دیکھا ہاں

۱۸۸

ہر قدم دوریٰ مٹلی ہے نکلاں مجھ سے  
 میری رفتار سے بھاگے ہے جاؤں مجھ سے  
 "دور مٹاؤں لڑائی پہ نکالوں خوشی  
 ہے گم دشمن شیرازہ مڑاؤں مجھ سے  
 دھڑلہ آؤں دل سے شب غلی میں  
 صورت دکا رہا سلیہ گریں مجھ سے

اور کہ کھلا ہے تم جہاں کے اندر  
 یہ دل فکر کیا اک چشم لعلی ہے

۱۸۷

جس دلم کی یہ نکتی یہ تھو دلم کی  
 کلمہ دیر بارہا اسے قسمت میں حد کی  
 اچھا ہے " سرکش مٹلی کا قصہ  
 دل میں نھر لئی تو ہے اک بارہ لہو کی  
 کہیں اوستہ یہ مٹلی کی ہے مٹلی ہے؟  
 ہاں تو کوئی سنا نہیں فریاد سو کی  
 دشنے نے بھی حد نہ لکھا یہ بیکر کو  
 کھر نے بھی پات نہ پائی یہ کھر کی  
 صدف یہ باہم کہ اک سر سے ثابت  
 صورت میں رہے ایک ہتہ فیدہ عدا کی

۱۸۸

یہاں ہشتم گریہ آئینہ دے ہے ہم  
 جہوں کے " ہے ہیں دلور ہے قرار کے  
 انور گل کھیلے دلاں ہے  
 اسے صلیب ہاں کہ چلے دن ہار کے

۱۸۹

ہے وصل ہر عالم حنین و حید میں  
 عشق شرع و عاشق روانہ ہاں  
 اس ب سے دل ہی ہاں کا ہر بھی تو ہاں  
 شوق فضول و جوش روزانہ ہاں

یہ وہ سر سے گرا ہے کہ ٹپٹے نہ اٹھے  
کام وہ کن پڑا ہے کہ ٹپٹے نہ جٹے  
عشق کا درد نہیں ہے یہ وہ آتشِ دل ہے  
کہ ٹپٹے نہ لگے اور بجائے نہ جٹے

۱۳۳

پاک کی خواہش اگر وحشت یہ مہمانی کے  
مج کے ہاتھ دلم دل کی پہیلی کے  
طلب کا تجربہ وہ عالم ہے کہ گر کیے خیال  
وہ دل کو زورِ غمِ بھری کرے  
ہے نکس سے بھی دل نوبہ وار کب تک  
انکھ کے گوشہ کر مہمانی کے  
بیکار کر تھم مسو دار سے پادے گشت  
موسے شیشہ وہ سفر کی مڑکلی کے  
ظاہر سے نکلا ہے زلف کو اہت لے کر  
یک دم حضور ہے وہ یکہ پہیلی کے

۱۳۴

وہ آنکھ غلاب میں تکیں اضطراب تو دے  
دل کے تجھو دل چل غلاب تو دے  
کے ہے گل لکھت میں جڑا وہ دہا  
تری طرح کوئی جگہ کہ کو تب تو دے  
دکھا کے جھلس لب ہی دم کر ہم کو  
دے دے ہر دہر تو دے سے کسی دلب تو دے  
پا دے لوگ سے سلق ہر ہم سے غرت ہے  
پناہ کر نہیں دہا نہ دے غلاب تو دے  
لہر غلاب سے مے پناہ پاہ بھول گئے  
کا ہر اس نے گرا میرے پاہ دلب تو دے

لم عشق نہ ہو سہلی سوزِ دل  
کس قدر غلغلہ آئند ہے دیرانِ مجھ سے  
اگر تیرے سے جہانِ سحرانے ہوں  
صورتِ رشیدِ گوہر ہے چرخِ دل سے  
مندی بہرِ صہرِ فراغت ہو ہو  
پڑ ہے سانس کی طرح میرا ہنسی مجھ سے  
عشقِ دیوار میں گر تو مجھے گھٹن مارے  
ہو کہ شکرِ گلِ شکرِ عشق پہنچاں مجھ سے  
نکسی ہنسے شبِ ہر کی وحشت ہے ہے  
سلیقہ فرشتہ قسمت میں ہے ہنسی مجھ سے  
گردشِ سہرِ صہرِ جلوا رنگیں تجھ سے  
آئند دہلی و یکہ وہاں جڑوں مجھ سے  
کہ گرم سے ایک آگ جیتی ہے  
ہے چاندِ دل و شاکِ گلشن مجھ سے

۱۳۵

کدھ میں ہے غمِ دل اس کو جانے نہ جٹے  
کیا جٹے جٹ جٹ جٹ جانے نہ جٹے  
میں یاد تو ہوں اُس کو مگر اسے چنید دل  
اُس پہ ہی جانے کچھ لگی کہ ہیں آئے نہ جٹے  
کھیل کھیا ہے کہیں پھوڑ نہ دے بھول نہ جانے  
کال ہوں بھی ہو کہ ہیں میرے ستانے نہ جٹے  
غیر پھرتا ہے لئے یوں تے فلا کو کہ اگر  
کوئی پناہ ہے کہ یہ کیا ہے؟ تو پچھانے نہ جٹے  
اس نزاکت کا برا ہو وہ کھلے ہیں تو کیا  
پناہ توں؟ تو انہیں پناہ لگائے نہ جٹے  
کہ نئے کون کہ ہو ہلو گری کسی کی جہا  
پہو پھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھانے نہ جٹے  
صورت کی راہ نہ دیکھوں کہ ہی آنکھ نہ دے  
تم کو پھوں؟ کہ نہ آؤ تو پچھانے نہ جٹے

۱۸۵

جس سے بھی دشمن نکلیں ہرگز ہمت نہ  
 موار دیکھ جس سے مارتی ہر ہمت نہ  
 سرکشو! ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ  
 دلو ہمت نہ ہا اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 خوش اچھو ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ  
 فہرٹے ہیں ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ  
 شعلہ کالہر کج ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 اچھو آتی ہے ہر ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ  
 کھوں کیا دل کی کیا ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 کہہ دو ہمت نہ ہر ہمت نہ ہر ہمت نہ

۱۸۶

ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ

۱۸۷

ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ

۱۸۸

ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ

۱۸۹

ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ

۱۹۰

ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ  
 ہر ہمت نہ کہہ دو اچھو ہمت نہ ہر ہمت نہ







کو ہاتھ کو جھٹکی نہیں آنکھوں میں تو دم ہے  
رہے وہ الکی مائر دھتا مرے آگے  
ہم بیٹہ ہم شرب ہم راہ ہے میرا  
غالب کو برا کہیں کو اپنا مرے آگے

مرد نہ دکھائے نہ دکھا ہے ہزار غلب  
کھول کر پہاڑ ڈرا آنکھیں ہی دکھا دے لکھے  
وہاں تک میری گرفتاری سے وہ غول ہے کہ میں  
دلف گریں جہاں تو رشتے میں اپنا دے لکھے

۲۰۹

پانچواں فصل ہے دنیا مرے آگے  
ہو گیا ہے شب و روزا رشتا مرے آگے  
اک کھیل ہے اور کسو جلیں مرے نزدیک  
اک بات ہے اپنا میرا مرے آگے  
وہ ہم نہیں صورت عالم مجھے منظور  
وہ ہم نہیں ہستی و اشیا مرے آگے  
ہو گیا ہے لعل گرد میں میرا مرے آگے  
گھٹا ہے جیسی خاک پہ دھوا مرے آگے  
مست پہاڑ کہ کیا مل ہے میرا تو ہے پیچھے  
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے میرا مرے آگے  
جا گئے وہ غولیں دلوں آراہوں نہ کہیں ہیں؟  
بیٹھا ہے پھر آنکھ میرا مرے آگے  
ہر دیکھنے لگا ہوا گل افشانا کھتا  
دکھ دے کوئی چاند صبا مرے آگے  
لکھ کا گل گزرتے ہے میں دلف سے گزرا  
کہیں کہ کہیں جویں نہ ہیں کا مرے آگے  
جہاں لکھے ہمارے ہے وہ کیچھے ہے مجھے کھر  
کھر مریں پیچھے ہے کھرا مرے آگے  
ماٹن ہیں پہ سسٹن فری ہے مرا کام  
بھوں کو برا کہتی ہے لپا مرے آگے  
غول ہوتے ہیں بدسل میں ہیں مریں جانتے  
آئی شہر جہاں کی تیرا مرے آگے  
ہے صبح دن اک غول غول کال ہی ہے  
آگے ہے الکی دیکھنے لپا کیا مرے آگے

۲۱۰

کہیں بدسل تو کہتے ہیں "دعا کہتے"  
میں کو کہ جو تم ہیں کو تو کیا کہتے؟  
نہ کیج غلی سے ہر تم کہ "ہم حق ہیں"  
مجھے تو ہے کہ جو کہو کہہ "بہا کے"  
وہ بھتر سی پہل میں باب از بابے  
لکھ تو کہ ہر کہیں نہ آگیا کہتے؟  
میں اور یہ راحت برامہ پائی  
وہ دلم چا ہے جس کو کہ دکھائے کہتے  
وہ دلی ہے اس کے نہ دلی ہوتے  
وہ ہوا کے اس کو نہ ہوا کہتے  
کہیں حقیقت ہاں کا ہی مریں کہتے  
کہیں صحبت کا سوزی "وا کہتے"  
کہیں غلات رنج گریں نہیں کہتے  
کہیں شکست ہر گرج پا کہتے  
رہے نہ ہاں تو کالی کو غول ہوا کہتے  
کے زبان تو گھر کو مڑا کہتے  
میں ہر کو غلت نہ ہو ہر تو ہے  
دلفی "دش و سس" ہوا کہتے  
میں ہر کو فرصت نہ ہو ہر تو ہے  
ظہر ہاں د فلی ہوا کہتے  
سیر باب کہ کدے پہ آگیا غالب  
خدا سے کیا ہم دھرا بھرا کہتا







چڑکے ہے خم آئینہ رنگ گل و تاب  
 اسے صواب وقتِ جاوید بدل ہے  
 غنچ اپنی ہے وعدہ دہار کی لکھ  
 وہ آئے یا نہ آئے پہ یاس انگار ہے  
 ہے یہ سائے دہلی و بھول گزرد نہ کر  
 ہر دہسے کے لعل میں دل پتار ہے  
 اسے صواب یک تصویرِ شمس بحر آئیں  
 طوفان آہِ تندر لعل بدل ہے  
 دل صفت کھوا خبر نہ سکا ہر یاسی  
 اسے ہے دہلی آئینہ تکل وار ہے  
 لعل کھلیو ہر دہسے خانہ نگار  
 اسے رنگ آہی تجھے کیا انگار ہے؟



عظیم یہ گلِ دل نہ خلی ز لہا ہے  
 داغِ دل بیدار نظرِ کجِ مہیا ہے  
 دلِ نغمہ نشین، انگلیں صبرِ دیدار  
 تکتیہ پہ دستِ بصرِ ہر سببِ حیا ہے  
 شعلے سے نہ ہوتی ہوئے شعلے نے ہر کی  
 ی کسی قدر افسوس، دل پہ ہوا ہے  
 تھکن میں تھی ہے وہ خوشی کہ بہ صد اوق  
 تکتیہ پہ اوجِ گلِ آغوشِ کسا ہے  
 قری کتبہِ حاضر و باقیِ غائبِ رگ  
 لہ لہ بکھپ بکھپ سہلو کیا ہے؟  
 غم نے تری راہ کیا دھنسرِ دل کہ  
 عشق و ہے دھنسلِ طرزِ ہا ہے  
 بھیری و دھولے مرقعہٴ اہستہ  
 دستِ ہم رنگِ آہِ جانِ ہا ہے  
 سظم ہوا علیٰ شہیدِ مگرشہ  
 چارِ حق تکتیہ قصہٴ لہا ہے  
 لہ لہ تو خوشیہ میں کبیا اور بھی  
 سائے کی طرح ہم پہ لبِ دقتِ پڑا ہے  
 بارگاہِ مہکوں کی بھی صبر کی لے ہا  
 دہکا اگر ہم کہ مہکوں کی سزا ہے  
 بے جاگزیِ خلق سے ہے دل نہ ہو ثابت  
 کئی نہیں بڑا تو مری جانِ خدا ہے











ہے مجھے آواز سے پہلے جان  
 کر تجھے ہے میری دستبرد تمام  
 وہ کہ کھٹے کا کھٹے کہ فر فرور  
 کیا نہ دے گا مجھے سے وہ کلام؟  
 باب کہ چوہہ متعلقہ لعل  
 کہ بچے قطع تھی تھی ہم  
 تھوڑے سے تھے وہی فرور چوہہ  
 کہے دھوکے دھوکے و سحر و سحر  
 دیکھتا میرے ہاتھ میں لہجہ  
 اپنی صورت کا اک لہجہ ہم  
 ہر قول کی مدد تہا بل تہا  
 تو کونو طبع چلتا تو کام

فریل

دھرم تم کہ چکا تھا میرا نام  
 تھو کہ کسی نے کہا کہ یہ ہم؟  
 سے ہی ہر کیں نہ میں سے چاہا؟  
 تم سے وہی ہو گئی وہ نکات تمام  
 ہر کہہ کی نصیحت ہے  
 کہ نہ سمجھیں وہ نصیحت و نصیحت  
 کہی میں ہا ہا کی کے ہاں  
 اب تو بدھا ہے وہ میں اور  
 اس طرح کا ہے وہ کہ کو تہ  
 چرچا نے ہی ہے جس سے گردش نام  
 ہر دیکھ میں ہی کو ہے اور  
 دل کے لپٹے میں جن کو تھا اور  
 پھیرا میں کہ ہی کو خدائے  
 کیں دیکھوں وہ نہ غالب اپنا نام؟  
 کہ چکا میں تو سب کہ اب تو کہ  
 اے ہی چوہہ ایک ہی فرور  
 کون ہے جس کے وہی بھیہ ما  
 ہی ہر دھرم دھرم دھرم

تو نہیں چاہا تو کہ سے من  
 ہم شانت ہند تمام  
 تہہ ہم دہل ہند تہہ  
 سحر لہجہ لہجہ و لہجہ  
 شہسوار لہجہ و لہجہ  
 لہجہ لہجہ و لہجہ  
 جس کا ہر لہجہ صورت اور  
 جس کا ہر لہجہ صورت اور  
 ہم میں لہجہ لہجہ و لہجہ  
 ہم میں لہجہ لہجہ و لہجہ  
 اے تہ لہجہ لہجہ و لہجہ  
 اے تہ لہجہ لہجہ و لہجہ  
 چہ تہ لہجہ لہجہ و لہجہ  
 لہجہ لہجہ لہجہ و لہجہ

چلی تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 تہہ تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 وارث ملک چلتے ہیں تھے  
 لہجہ و لہجہ و لہجہ و لہجہ  
 تہہ تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 تھو تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 تھو تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 تھو تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 تھو تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 تھو تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 تھو تھیں میں تھو چہرہ ہم  
 تھو تھیں میں تھو چہرہ ہم

تی

رہنما رہی ہے کا دم  
 تی کہ دے ما ہے کا تمام  
 تھو لہجہ لہجہ و لہجہ  
 تھو لہجہ لہجہ و لہجہ



مگر یہ فیصلہ تیرے سے کیا ہے  
 جس پر سرور و شہرہ کا دفتر تھا  
 ایک حصے میں تھے لیکن یہ ایک  
 میری صلاح سے باہر تھا  
 تھا ملو دولت حق ہے کلیہ  
 کس نے کھو کب کھو کر کھو  
 بارگاہ حق کی دکھائی کا بدلہ  
 مجھ سے کرشمہ حق مستور تھا  
 یہ جہل نرم غزل ترقی ص  
 لوگ باہر علیہ د جبر تھا

غزل

خج میں بیجا رہاں ہیں بکا  
 کانکے ہونا جس کا درد تھا  
 ہم پکاریں اور کھلے ہیں کون ہائے  
 بار کا سدھانہ پاریں کر کھا  
 ہم کو ہے اس راہداری کا گھمٹا  
 صحت کا ہے روتہ تہ پکا  
 واقعی دل کا ہوا کتا تو داغ  
 دلم لیکن داغ سے بڑھ کھا  
 پتھر سے دکھ دی کب ابھرنے نکل  
 کب کر سے غصے کی بجز کھا  
 صحت کا کس کو برا ہے بددق  
 دھڑکی میں پھنسا رہا کھا  
 سوز دل کا کیا کرے ہاویں غصہ  
 شک بھری منہ اگر دم بھر کھا  
 شے کے ساتھ آگیا پیچ مرگ  
 نہ کیا تھا میری پھلتی کا کھا  
 دیکھنے غلاب سے کر ایسا کوئی  
 ہے وہی پریشہ اور کافر کھا

مگر یہاں دولت غزلی کا خیال  
 مگر سرور و شہرہ کا دفتر تھا  
 غصے سے پائی غیبت نے حد  
 پہاں بھی اچھے ہی نظر کھا  
 صحت سے سودا کی دیکھی کھا  
 ہاں مرض سے رجوع دور کھا  
 سر کھا چرخ چکر کھا گیا  
 بادشاہ کا راجہ نظر کھا  
 بادشاہ کا ہم ایسا ہے غلط  
 لب مگر پایہ جبر کھا  
 سکھ شہر کا ہوا ہے روکھاں  
 لب حیار کہنے دار کھا  
 شک کے تھے دھواں ہے آگ  
 لب گپا سکر سکھ سکھ کھا  
 شک کے وارث کو دیکھا حق نے  
 لب طریب فضل و سطر کھا  
 ہو گئے کیا صحت؟ ہاں اب ہم ہے  
 دفتر سوز ہاں داور کھا  
 کر ابھی کا حشر غلام  
 بکر ابھی حشر کر کھا  
 ہاتا ہوں ہے غلام سوز غزل  
 تم کا ہے ناگھنوا ہم نور کھا  
 تم کو سائنسوی ہب شک  
 ہے جسم روز و شب کا درد کھا

مشق

در صفت آب

ہاں طبع روز منہ دوز  
 کہیں نہ کھلے در فرید را  
 غصے کا سنے کا دہا  
 شکر گل کا ہے سبکس









مصلیٰ کا یہ تھا جس کے سب سے سروس  
 بہت آگ گونہ سروس دل کو ترسے بات سے ہے  
 ہاتھ میں تھکے رہے تو سحرِ دولت کی عقل ا  
 یہ دعا شمع و سحرِ چاندی مابلت سے ہے  
 تو سکھ ہے سحرِ فقر ہے ملتا تھا  
 گوشہٴ شعر کی بھی لہ کو طاقت سے ہے  
 اس پہ گزرتے نہ گلی ریح و دعا کا انداز  
 تیسرے خاک شیں ظلمِ ظاہر سے ہے

### مترقات

ہے ہر شبہ آخر سحرِ صفر پہ  
 دکھ دیں جان میں ہر کے سے شک ہو کی ہر  
 یہ آئے ہیم ہر کے سے غور یہ کے مست  
 سبزے کو دہنا بارے پھولوں کو چلتے ہمار  
 غالب آہ کیا جاں ہے نہ بڑا سحرِ بارش  
 ہاتی نہیں ہے ب مجھے کوئی نوشتہ غایت  
 پتے ہیں سونے روپے کے چلے خسرو میں  
 ہے جن کے آگے حکم و زور مرد و باد  
 یوں گھجے کہ سچ سے غفلت کیے ہوئے  
 لاکھوں ہی آلب ہیں اور بے شمار ہمار

### دوہجہ شلہ

اے شلہ جرائگر ہیں بھلی بھلا  
 ہے غیب سے ہر دم تجھے مدد گونہ ہلا  
 یہ عطرِ دہشاد کہ کوشتل سے نہ رہا  
 تو دانگے اس صفت کو سبھی یہ اشدات  
 نکلی ہے آگے شعرِ سکھ سے ذرا دگر  
 کہ لب کو نہ سے پشردہاں سے طہارت  
 افس کہ بلیلی کی وزارت سے شرفِ فنا  
 ہے غرِ بلیلی کو کہے تھی وزارت

ہے فکرِ مہدی کا فہمِ دل  
 ہے رازِ کلائی رازِ فہمِ دلالت  
 تو آب سے کر سب کے طاقتور ہیں  
 تو آگ سے گریخ کے تیسرے شہادت  
 اموڑے نہ ملے مہم و دعا میں دعا  
 باقی نہ رہے آنکھ سواں میں حرارت  
 ہے کہہ گئے تکتہ سرفرازی میں ذوق  
 ہے کہہ گئے سحرِ غزالی میں مہارت  
 کہیں کر نہ کہیں دعا کو میں تم دعا ہے  
 ہمار ہے عشق میں تری بھی مہارت  
 تو روز ہے آواز اور وہ دعا ہے کہ ہوئے ہیں  
 ظہورِ حق مصلحتِ حق اہلِ بشارت  
 تھ کو شہرِ سر ہیں تپ مہارک !  
 غالب کو ترسے شبہ غلی کی وزارت ا

### قطعہ

ظہورِ صوم کی بکھر دھنگ  
 اس شخص کو خود ہے لونا دکھا کہے  
 جس پاس دودھ کھول کے کھلے کو بکھ نہ ہو  
 دودھ اگر نہ کھلے تو بھار کیا کہے؟

### مزارِ شریفِ مصطفیٰ پر حضورِ شلہ

اے شہیدِ آہیں اورنگ !  
 اے جہادِ انقلابِ آہور !  
 فنا میں آگ ہے لوائے گوشہٴ شیں  
 فنا میں ایک دم سحرِ سیدِ فکر  
 تم نے مجھ کو یہ آہد باقی  
 ہوئی بھی وہ گری پزار  
 کہ میرا مجھ سے دور نہ ہو  
 دیکھو

مجھ کو دیکھو کہ میں ہوں یہ حیات  
 اور پھاری ہو جاں میں وہ دار  
 میں کہ لپکتا ہوں ہر پہلے قرض  
 اور رات ہے سو کی غرار  
 بھی گوار میں قتل کا  
 یہ کیا ہے شریک ساہوکار  
 تیرے مجھ سے نہیں نکلے میں  
 عام غور ہوے خوش گوار

رزم کی دھن کی دھن  
 ہے زہری بھی قتل گوار  
 دم کا ہجوم کر کیے  
 ہے علم بھی اگر گوار  
 علم ہے گوار وہ حق کی دار  
 قر ہے گوار نہ مجھ کو گوار  
 آپ کا ہند اور ہندو گوار  
 آپ کا دار اور گوار  
 بھی گوار کیے گوار  
 گوار میں مجھ کو زندگی دوار  
 علم کرا ہوں اب دعا کا کام  
 شادی سے نہیں لگے سوار  
 تم سلامت رہو گزار  
 ہر دن کے ہوں دن گوار

### قطعات

یہ عجم ہوں گا دم ہے میرا دم نہ لے  
 جہاں میں ہو کوئی رخ وطر کا طالب ہے  
 ہوا نہ قلب میر کبھی کسی کا مجھے  
 کہ ہو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

گرچہ تو دوسرا رنگ ہے ہری  
 ہوں خود اپنی نظر میں لگا ہوا  
 کہ گر لپکتا کو میں کون نکلی  
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو مار  
 شاد ہوں جس لپکتی میں کہ ہوں  
 پش کا لعل کار کار  
 خلد زار اور مہار اور دار  
 تو پش سے ہے عزیز کار  
 بارے کار بھی ہو گوار  
 نشیں ہو جس شمس چار  
 نہ کون آپ سے تو کس سے کون؟  
 دھاب خودی لعل  
 جو مرشد اگرچہ گوار کو نہیں  
 نفع اگرچہ سر د رشتہ  
 کچھ تو جانتے میں چاہیے آخر  
 گوار سے ہوا دوسرا گوار  
 کچھ نہ دیکھو ہو مجھے پش؟  
 جم دیکھتا ہوں ہے اگرچہ گوار  
 کچھ نہیں ہے لب کے سال  
 کچھ بھلا نہیں ہے لب کی دار  
 رشت کو آگ اور دن کو دھوپ  
 ہوا میں جانیں ایسے لیل وند  
 آگ تپے کھل تک قلم؟  
 دھوپ کھلے کھل تک پہا دارم  
 دھوپ کی پش انگ کی گری  
 دھاب دھاب دھاب دھاب  
 بھی گوار ہو مہار ہے  
 اس کے مجھے کا ہے اب گوار  
 رسم ہے سوسے کی بھابی ایک  
 وطن کا ہے ہی بلبل چار

## قصہ

سہل تھا مسل سولے پہ ملت مشکل پہلی  
تھ پہ کیا گزرتے گی رتے دودھ ماضی ہونے  
تین دن مسل سے پہلے تین دن مسل کے بعد  
تین مسل تین تھوڑی نہ سب کے دن ہونے

## قصہ تازی

بند اجن طوطے میرا جگر  
کہ جس کے دیکھ سے سب کا ہوا ہے بی جگر  
ہوئی ہے ایسے ہی لڑتے سال میں غالب  
نہ کہیں ہو بلکہ مسل بیوی "میرا"  
۱۸۵۳ء

## قصہ تازی دیگر

ہوئی وہ میرا جگر کی شادی  
ہوا جس طرح میں رقصہ ہوا  
کہا غالب سے تازی اس کی کیا ہے؟  
تو ہوا "میرا" جگر "میرا"  
۱۸۵۳ء

## قصہ

کہ ایک ہوش کے سب جان دار ہیں  
دور دار رنگ ہم اکٹا نہیں  
کہاں پہ ہاتھ دھرتے ہیں گرتے ہوئے سام  
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم اکٹا نہیں

## روایات

بہر الاقوام ہم میرا جگر  
لایا جانی رہے سارے کل مل  
آ پہلے ہیں "میرا" جگر "میرا"  
لے کر گزرتے یک قدم احتیال

شب رات دہرا حق نکال کا تم کا  
کیا شرح کہیں کہ طوطہ کا نام کا  
دودھ میں بڑا آگے سے سج تک  
ہر قلم ایک دودھ کا

آجکادی پہ جیسے شکر وصال  
پہ سوز بکرا بھی اسی طوطہ کا مل  
کا دھو جتن بھی قیمت کئی  
لوگوں کے لئے کیا ہے کیا کھیل نکل

مل تھا کہ ہم پہلو دور قید کی  
چلا رنگ و صبر وہ کی  
ہم اور "میرا" لے "جی" "میرا"  
غزل دیا نہیں تو لہجہ کی

پہ طاق حد قاتل لڑنے کے لئے  
دھشت کردہ طاق لڑنے کے لئے  
جی رہا ہر صورت کھتر پہ  
لئے ہیں یہ پرمال لڑنے کے لئے

دل خستہ بوز ہو گیا ہے کہا  
اس سے گھر حد ہو گیا ہے کہا  
یہ یاد کے آگے ہل سکتے ہی نہیں  
قالب حد نہ ہو گیا ہے کہا

رنگ بلی کے پند ہو گیا ہے غالب  
دل رنگ رک کر نہ ہو گیا ہے غالب

دھڑک رہا ہے شب کو غمزدہ آبی ی نہیں  
جدا ہو گیا ہے باپ

حکمل ہے دلی کام میرا اے دل  
میں ہی کے اے مسرور لو کمال  
آہیں کہنے کی کرتے ہیں فراق  
"میرم حکمل دگر کہم حکمل"

کبھی ہے وہ لمحہ کو شہدائیم بد نے دل  
ہے لطف و مہربانی شہدائیم  
ہے شہد پند دل ہے بخت و حال  
ہے دولت و عروج و افول دل کی دل

ہی شہد میں صفات و صفات  
آہر جانی و مہربانی  
ہوں شہد کہیں مہربانی و مہربانی  
ہے لب کے شہد قدر و مہربانی

حق شہد کی جا سے حق کو شہد کہے  
بہشت شہد و مہربانی  
ہے دلی ہر گئی ہے رشتہ و مہربانی  
ہے سفر کہ "مہربانی" کہہ دے

اس رشتے میں ناکہ نہ ہوں بلکہ سا  
لجے ہی ہیں شہد ہوں بلکہ سا  
ہر نکتہ کو ایک کہ فرض کریں  
لکھی گئی ہزار ہوں بلکہ سا

کہنے ہیں کہ لب و مہربانی  
حلق کی ہستی سے اے دل نہیں  
وہ دھڑک رہا ہے غم سے مہربانی  
کہہ کر ہوں کہ اس میں تھوڑ نہیں

م کہہ جے تمام کہنے والے  
کہنے ہیں دنگ کام کہنے والے  
کہنے ہیں کہیں خدا ہے لطف و کمال  
وہ آپ ہی مجھ و شہد کہنے والے

حلق نور و خوب کہیں سے لکھی  
آرام کے پہلے کہیں سے لکھی  
روزہ مرا لکھی ہے باپ لکھی  
لکھ دیکھ کہیں سے لکھی

ہی ہم کے جہاں کو کہیں کا کہنے  
چھپے ہیں ہر مہربانی و مہربانی  
کہیں کہ کہیں کے ہم دیکھی  
نہانے کی کبھی کے ہیں ہر دہانے

غائبِ مجید

سدا! ہر جا میں نے طرح ہر جا دلی ہے  
کچھ رنگو بد لکھی ہر جا

ہم مہربانی شہد ہوں ہر جا  
ہم میں مہربانی شہد ہوں ہر جا  
ہم مہربانی شہد ہوں ہر جا  
سدا ہم کرنا لکھی ہر جا

ہم نے دھشت کردہ دم بول ہی نہیں شیخ  
شعر خلق کا اپنا سوسن سجا

ہے کہیں تھا کا دوسرا قدم باریک؟  
ہم نے دھشت نہیں کو ایک ٹکڑو کا پلا

فی نہ دھشت بولیں یکہ بول ہم کو  
ہم کو لے لے کے دل میں غار صحر کا  
مواہل ہر اک دل کے چچ تک میں ہے  
میں دعا ہوں تجھو بدھ تہ کا

سافر بدھ مرشد ہے ہر درہ خاک  
تجھو بدھ لڑکا آدھ سناں تک  
کس قدر خاک ہوا ہے دلیر کہاں تارک  
تجھو ہر قدم سہولتہ بیاں تک

کس کا خیال آدھ انتھار تھا؟  
ہر رنگو گل کے ہونے میں دل بے قرار تھا

دھ بول ہے یکہ آئینہ چاندی کس نے  
شعر بول ہے ہر رنگو گل بول  
بازلی ہے تاشلہ سر رشتہ  
رنگ نے کہ آئینوں کے عقل بدھا  
استقامتہ ایسکو تھاقی ست ہا  
ہر کہ آپ نہ کوئی اسے عقل بدھا

شور فرسور تھو نہیں یکہ عالم چاندی ہے  
ہر قدر رنگ بیاں گردش میں ہے پانہ عقل کا  
مجھے روا غن میں غلبہ کم دھ نہیں غلبہ ا  
صاف لہر صحرانہ غن ہے قدر بول کا

ہر دل اپنے اندھ لہریاں آئینہ  
یار لایے کہ دلیر صحرانہ بول تھا

ہر صورت غلبہ نہ سنی نہ بول  
لہ! میں عجم بول چہرہ گل کا

دھ غلبہ چھی کہوں کہہ یکہ درہو آئینہ  
نہیں کہ علیہ اندھ ہے تجھو قدم صحر

اسے دانے غفلت کردہ خلق ا درہ بیاں  
ہر پانہ سبک شہر دلو کردہ طور تھا  
ہر رنگ میں ہا اسے قدرہ انتھار  
پردادہ تجھو شیخ صحر تھا

اند کا قدر طوفانی ہے نہیں صحر ہے  
کہ صورت سنی را درہو ہم اپنے بدلی کا

لہ! سافر تجھو حلیم ہر گردش ہے کہوں کی  
کہ لکھو لہر میں ہے لہ ہر روز گری کا

لہ! ہر لہر ہر سلفی فرہون جسم ہے  
نہے ہر بدلی کہتا ہے لہو ہے غافل کا

مخل میں ہم نے ہی ایام سے پہلے کیا  
درد ہو چاہیے پہلے تو سب کا  
آخر کھ کر لاکھ سر زلف ہوا  
خلو دکان کہ دکانوں پر غیب کا

خود داری خیر دل میں پنی کر دیا  
غیب ! ایسے کج کوششیں کی دہانہ کا

خوش ہے کہینے ہے اضطراب کرا سو !  
درد نکل کا کچھ غور سے

دہانگی سو کی صحت کھلے طرب ہے  
سر میں داسے گلن نل میں طہر سرا

ہر وہ سولے مانی آتا ہے کھا لیر کرے !  
رنگ لڑا ہے گھٹل کے ہوا دھن کا

سو ! لہجہ غریب قدماں کھا د سنی ہیں  
خنی کا بخہ ہوں لیکن نہیں مقلد تحسیر کا

دل دیکر قصہ فرقت سے بل کے خاک ہلے  
دلے ہوا خیالوں وصل عام دیا

ان دل فریبوں سے نہ کہیں اس پہ وار آئے  
دھان ہو بہ گھٹا ہے غلام من گھا

لو ہستی سے رہے ہم دگر ہلکا  
ہے کی بھی شریک آئینہ ہوا آک  
دھار یک شیرازہ دھلتے ہیں آوازے ہوا  
سبز ہے گلہنا کولہ گل دھلتا

لے آ ! بھی خاطر دہشت کے ہوا  
دنا میں کوئی قصہ مشکل نہیں دیا  
ہر پتہ میں ہوں طوطا شیریں خن ہلے  
آئینہ تو ! میرے مشکل نہیں دیا

بھہ ہستی ہے ہمار شکل ہادی ہلے دور  
ہر صبر غم میں ایک ہارم تا قوس کا

دکا غفلت نے دو اللہ لکھو کا ارد  
ملاوت ہم کو ہر مانی بیہودہ کا

قا کا خلق ہے ہے قصداں ! حیرت پرستوں !  
نیں دگر سر سر نہ پھر مطلب ہا  
سو کہ بھہ ہستی سے طوطا دو آشتی ہے  
نہیں ہیں ہار غم میں دہانہ ہار ہا

میں گھٹ ہے سر زوئی ہر خیر ہے  
کہ دیا آوازے ہوا رہا ہے ہام اس کا  
ہ ہام ہر غم ہوں گل گل صحت  
ہ ہوا ! ہ ہلکے کھل نظر عام اس کا  
سو ہوا ہے سبزی سے ہے حکیم رنگی نہ  
کہ کھنکھ اس کا ہر ہے ہوا غم اس کا



آفتاب ایسی ہی دریاں کے آفتاب  
ہوئی کہ کو سیرت آفتاب کی نمبر اجتماع

ہوں آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
ہوں آفتاب میں ہے سیرت آفتاب

کون آفتاب میں ہے سیرت آفتاب  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے

آفتاب سے دریا کا جو سر سے  
آفتاب سے دریا کا جو سر سے





لفظِ خط ہے کیا ہے  
اس شکر کا افضال کیا ہے

خدا عرش کی بسے کی طرف رہی ہے  
گنہگار ہیں انکس میں حضور نہیں

» دل میں شمعِ بحرِ دوسرا تھا، اب بھی ہے  
نگاہِ بے نیاز انکس دیدہٴ معلوم کرتا ہے

حکمِ کئی کا کیا دل نے واسطہ پڑا  
بہ اس سے بڑا کیا ہے اسے شکر ہے

دلفِ خیالِ نازکِ واحد ہے قرار  
بارب ! جانِ بلند کس محکمہ نہ ہو !  
تکلیفِ ناچاہیہِ تیرے اقتدار  
بہت عدم ہے آگے کر رہا نہ ہو

ہم دھڑلے آہلِ دمِ جلوہ گوار کس  
تکلیفِ بے غرضتِ دھمکی ہے آگے

کہا تھا کس » غمِ روزِ اپنے سے کہ تو !  
دردِ چھائی اسد لکھ میں د پڑے

دیکھو دھمکی ہے اسد ! لکھو لڑائی  
میں کہ ملو صحت و مضمونِ حکم پڑے

میں ابرو نہ رہا شکرِ نعت ہے  
» انکس کو دربار رکھتے ہیں  
بغیرِ فرستہٴ بارگاہِ حق ہے غائب !  
بدنِ دشمنِ دل ہے لہجہ رکھتے ہیں

خیالِ سلیقہ اپنے قصورِ عقلِ حیرت ہے  
» عمدہ رنگِ رات سے کھینچی ہیں تصویریں  
حکمِ سلہ لڑی' پیدہ کوٹھو میں ہے  
رنگِ خواب کی نظر میں افسانے میں تصویریں  
اسد ! غرضِ موثرِ ہمنوا دل کو کیا کہے  
کہتا ہیں بچل کو قصورِ قاتل کی تاثیریں

کس کو دہلی بازپا ! مہاجرِ سودِ نیکسے دل  
قدِ دشمنِ کس کا شطہٴ چائی نہیں

ہے جسمِ دور میں مسدودِ شکرِ پائلی محل  
آہی ناقلِ گر انکس امرا ہے فدا نہیں

ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قد و حرکت  
عزتِ آہِ صدف میں قبضہ کوہِ نہیں  
پہلے لہا ہے دمِ غریبِ بحرِ صدف  
لغتِ لغتِ شیشِ شکستہ کا شکر نہیں

دیکھو دل ! کہ میں دریں کسے کی اسد لکھ !  
دشمنِ ملک ہے لہجہٴ خاطرِ آزدہا

ہا دہل سے ٹھٹھڑا طہر میں لڑا  
سہر تھا پہ کھڑا ہوا کوشی تھا لہی ہے  
جہ میں کسی کی یہ برہم ہوئی ہے دیر لکھا  
کہ رنگ رنگوں میں ٹھٹھڑا رہے جس سے

ہے بچم دل نہ کہوں یہ وہ دار  
میں یہ ہر دہلی دہلی انکسب ہے

بچہ بہت غلغلہ طہر کر دے !  
باب ! لے ہلائی دستہ رہا مجھے  
یک بار چھٹو ہوں بھی ضرور ہے  
اسے چلو مٹل لہو پہ آنا مجھے

سو بھلا قیمت کھنوں کا دفتر آرائش  
لہو تم میں بیدار مضمون ہلی ہے  
یہ سستی ہے دل خاک کو لہو بھاری سے  
تنگ بھلو طرب سے ہنس رہا ہے  
سو مت رکھ جب فر دہلی پائے ستم کا  
کہ یہ ہوا بھی شیر اٹھو بھانوی تھی ہے

ہم مٹل طہر دہلی دہلی ہر سے سو !  
دلی میں ہے جی طہر دہلی کے

سو ! پھر قلم ہا ہے فوج کا قلم  
اگر دا ہوتا دھوکوں کے یک عالم گھٹس ہے

لہو طہر دل ہے نہی کو سیر کت دہلی  
ہے طہر کرد ز دہلی ضمیر لکھی  
کلی آگہ میں ہلکے ہم دیکھ سے  
ہے ہر ایک لڑ بھلی میں دہلی ہوا

لہو دہلی کو شرم دہلی کا کھ  
لہو آگہ طرب ! دل نہ کھ ہا کھ  
کھ پہ لہو لہو کھ پہ نیم نام تاک  
کرت خدا کی یاد ہے لکھ ہوا کھ  
ہے لہو لہو تو دل دہلی کر دہ  
ہے یہ جلی کھ کھ نہ کھ لہ کھ

سستی طہر ہر دہلی طرب ہے  
یک ہر دہلی دہلی دہلی

کا چمکے لہو لہو لہو  
دہلی کو بھی آگ ہا ہے لہو نہیں سے  
کہ تم کو رضا ہو لہو لہو ہے لہو  
بہلی ہے لہو لہو لہو لہو  
مت دہلی سو لہو لہو لہو لہو  
ہر دہلی لہو لہو لہو لہو

کہ سستی طہر لہو لہو لہو  
بہلی لہو لہو لہو لہو لہو

لہو لہو لہو لہو لہو لہو  
کہ لہو لہو لہو لہو لہو

اسے وہاں توڑنے کیلئے جات  
دیکھو کہ وہاں کی حالت ہے

تنگی میں عرض کر اے میں ! کب تک  
آئندہ خیال کو دیکھ کر کہے کوئی  
عرض سرکھ ہے ہے غلطی نہاد تک  
صرا کیوں کر دعوت دیا کرے کوئی  
" شمع اپنے من پہ غلو ہے اسے !  
دیکھ کے اس کو آئے توڑا کہے کوئی

یاد رہے کہ غلو میں ہی مسہ دیکھو  
یہ صخرہ خیال کو دیکھ کر کہے کوئی

یہ کھینچا ہے کھینچا دیکھ کر کہے کوئی  
کیا سزا ہے میرے جرم قتلہ کوئی کی ؟

کیا ہے دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
میں حاصل میں ہے حاصل ہے  
خواب دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
پایں لڑی ہوں جیانی ہائی سے  
خدا جانی پد سے میں نے  
پہلے ہم دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی

دیکھ ہے دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی

یہاں کہیں دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
میرے دیکھ کر کہے کوئی دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
اسے ہے دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی

دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی

دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی

دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی

دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی

دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی  
دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر کہے کوئی

عصر سے ایک نئی نئی دنیا  
جس میں ہر لمحہ نئی نئی بات ہے

دامِ کھنڈ میں کون سا نیکو انسان نکلا؟  
بُھٹاتی تھی لہجہ غافلِ افسانہ ہے  
کیا کہیں پہاڑ کی توانائی کی شکستہ؟  
عاقبت مسکراہٹِ ہلکی پر کھنڈ ہے  
جس طرف سے آئے ہیں آفرِ افسانہ کی پائیں گے  
مرگ سے وحشت نہ کرنا وہ دمِ افسانہ ہے  
کھنڈ کے کھنڈے مضمونِ قلم سے افسانہ !  
ہر سرِ افسانہ کو کبرِ جلدِ افسانہ ہے

نیکوئی میں نیکوئی نیکوئی نیکوئی  
دستِ کھنڈ میں سے نیکوئی نیکوئی ہے  
نیکوئی نہ چاہیے کہ کوئی نیکوئی نیکوئی  
دامِ نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

نیکوئی نیکوئی سے تو نہ کیا وہ دام  
نیکوئی کو اس کے کون سے کون سے

نہایت نیکوئی کی نہایت نیکوئی  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

نیکوئی نیکوئی نیکوئی نیکوئی  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

نیکوئی نیکوئی نیکوئی نیکوئی  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

نیکوئی نیکوئی نیکوئی نیکوئی  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

نیکوئی نیکوئی نیکوئی نیکوئی  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

نیکوئی نیکوئی نیکوئی نیکوئی  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

نیکوئی نیکوئی نیکوئی نیکوئی  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

نیکوئی نیکوئی نیکوئی نیکوئی  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے  
نیکوئی میں کبرِ افسانہ ہے

زندگی میں بھی ہا فوق کا ہوا  
تو بختا غلب اس سار علی نے مجھے  
بہس کہ قہی غلب فرحی ہمتی علی  
رنگہ شربت نہ ہا تکہ لہلہا نے مجھے

دل تو ہا ہما نہیں ہے کرکلی  
کہ تو ہما ہما تھا ہا ہے

ہریت غلب ہے علی سولے آہی  
ہم ہما ہما آہد ہما ہے

اور تو دیکھ کو ہم دور میں کیا دیکھتے تھے  
تھا اک ہر میں ہما رہا دیکھتے تھے  
اس کا ہا ہا کہ کوئی نہ ہا آج ہا  
آپ دیکھتے تھے ہم دور آپ ہا دیکھتے تھے

دور میں شہر میں اک ہم تھا ہوا ہے  
کہ کہہ میں میں آتا ہے کہ کہا ہوا ہے

میں ہوں چٹکی چٹاکہ : ہما دور کسی  
تم ہا ہما سے غلب میں سے ہوا دور کسی  
تم ہا ہما ہر میں ہما ہما ہما کیوں ہے؟  
تم ہما ہما ہما ہما ہما دور کسی  
کوئی ہما میں ہما ہما میں ہے ہما !  
ہما ہما ہما ہے ہما کب ہما دور کسی  
کیوں نہ ہما میں ہما کو ہا ہما ہما !  
ہر کے ہما ہما ہما ہما دور کسی

ہوشیور ہوا سے ہوں کا ہما غلب ہما  
ہوشیور ہوا نے ہما ہے مجھے

ہما میں ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما سے ہما ہما ہما ہے

ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما

گواہ ہما ہما ہما ہما ہما  
کہ ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما

زندگی قہی میں ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما کو ہما ہما ہما ہے

ہما کی ہما کو ہما ہما ہما ہما  
ہما ہما ہما ہما ہما ہما ہما

مجھ سے غالب نے ملٹی لے کر مل کر  
ایک میوہ کر کے خوار کر سی

ظن نہیں کہ بھل کے بھی آزمیہ ہوں  
میں دشتِ قہم میں تھکے میوہ میوہ ہوں  
ہر چاہیے نہیں یہ میری قد و منزلت  
میں چاہیو یہ قیمت دل فریہ ہوں  
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ  
ہوں میں کام نظر نہ لے چشید ہوں  
پانی سے گنگ نہاد جس طرح سودا  
ڈرتا ہوں کیچے سے کہ موسم گنگہ ہوں

پہاڑے کا نہ قہم ہوتا ہر کسی لیے سودا  
و دولت فتح قہم سے لے تا سر پہلے

ظرا بھل میں رہا کہ  
سودا نہ مل ! قیمت ہے

کھا کرے کوئی انعامِ طالعِ مولود  
کے ہر ہے کہ وہی جتنی قہم کیا ہے !  
نہ حشوِ فکر کا قائل نہ کہیں دولت کا  
خدا کے واسطے ! ایسے کی ہر قسم کیا ہے !

نظمِ غلامہ جاتی دہم کس کس کے  
پہن پہنے تو یہ ہے پُرس کس دلی کے  
نہ کو کیا ظم کہ عشقی پہ مری کیا گزری  
دوست نہ ساتھ رہے کہیں ساحل کے

و میں ہم کہ چلے جائیں دم کہ اسے طبع !  
ساتھ جان کے اکڑا کی جلی تے  
آئیں جس دم میں "دوگ" پھر اٹھتے ہیں  
لوگوں ہم دن بھر کھل کھل تے  
دہو غل ہر ہے دت سے تے آج غم !  
دل کے کھلے بھی کسی غن کے شل کے  
ساجا سودا ہی نے نہ کیا ہے کہ کریں  
کھس جوا ہی مگر جیسے متل آئے  
سوت ہی نہ کی ہے نہ مر کے دیں دلی سے  
رست ہی کی ہے نہ اس کوپے سے گھاٹی آئے

سجھ کے دیر پہلے اک گھر کا لیا ہے  
یہ بڑا کینڈا کھلیا خدا ہے

یہ قیمت کہ یہ ایسے گزر پہنے کی مر  
نہ لے دلوں کو دتا ہے تو کسی  
نہر سے دیکھنے کیا خوب پہن اس نے  
نہ کسی ہم سے نہ اس سے میں دتا ہے تو کسی  
نقل کرتا ہوں اسے ہر اہل میں میں  
کہ نہ کہہ دتا اہل تم نے کھا ہے تو کسی  
بھی تہنے کی نہیں کرتے ہو جلدی غالب !  
شہو بخوی عشیرہ و قفا ہے تو کسی

میں کسے کا میں حقیر لب سے ہار  
میں بھی ہوں عزمِ اسرار میں یا نہ کھول  
فکر مجھ لے تا کوئی غلطی مجھ  
اپنی جاتی سے ہوں ہزار کھول یا نہ کھول  
دل کے ہاتھ سے کہ ہے دھنچک جانی بھرا  
ہوں اک آفت میں کر لڑ کھول یا نہ کھول





لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ كُفِّيَ لَيْلِي فِي غَيْمَتِ جَانِي

—

فَبَلَ لِي لَامُوحًا تَرَكَا نِي سَارِي أَيْدِي



Lahore March, 98.

بیا کرتا آسمان گزینیم  
 قضا بگردشیں دلی گراں بگردانیم  
 اگر رخصت ہو گیسو از نندیشیم  
 و اگر ز شاد و سدا رنمای بگردانیم  
 اگر کلیم شود سدا بال سخن بشیم  
 و اگر خطیل شود سدا بگردانیم  
 بجگ باج ستانان شاخساریا  
 تنی سجد ز گریستان بگردانیم  
 بصلح بال فشانان سب بگای را  
 ز شاخسار سوسے شیاں بگردانیم  
 رحیم دین و تو ز ما بعب نبود  
 گر آفتاب سوسے خاواں بگردانیم

